بارھویں صدی ہجری سے چودھویں صدی تک

مکمّل

تاریخِ وہابیہ

مرتّب:

مولانا ابوالحسّان محمّد رمضان علی قادری مدظلّہ

پبلشرز:

حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ

ملنے کا پتہ:۔ ۶۸۔ ۶۷ اوورسیز ہاؤسنگ سوسائٹی بلاک ۷/۸ کراچی

e.mail: arfeen @ cyber.net.pk

بارھویں صدی ہجری سے چودھویں صدی تک

مُکمّل

تارِیخ وہابیہ

مرتّب:

مولانا ابُو الحسّان محمّد رمضان علی قادری مدظلہٗ

پبلشرز:

حلقہ چشتیہ، صابریہ، عارفیہ

ملنے کا پتہ:۔ ۶۸۔۶۷ اوورسیز ہاؤسنگ سوسائٹی بلاک ۷/۱۸ کراچی

بارھویں صدی ہجری سے چودھویں صدی تک

مُکمّل

تارِیخِ وہابیہ

مرتّب:

مولانا ابُوالحسّان محمّد رمضان علی قادری مدظلہ،

پبلشرز:

حلقہ چشتیہ، صابریہ، عارفیہ

ملنے کا پتہ:۔ ۶۸۔۶۷ اوورسیز ہاؤسنگ سوسائٹی بلاک ۱۸/۷ کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نام کتاب ——— مکمّل تاریخِ وہابیہ

مرتّب ——— مولانا ابوالحسّان حکیم محمّد رمضان علی قادری

ناشر ——— حلقہ چشتیہ، صابریہ، عارفیہ

صفحات ——— ۳۲۶

تعداد ——— 1500

طبع ——— ہشتم ——— دسمبر ۲۰۰۵ء

e.mail: arfeen@cyber.net.pk

انتساب

اُن مجاہدینِ اسلام کے نام

جنہیں

ابنائے وقت کی کثیف تحریروں

کے باعث

تاریخِ ملّتِ اسلامیہ میں

اُن کی عظمت کے مُطابق مقام نہ مِل سکا!

(مُصنّف)

نشانِ منزل

تاریخ کو قرآن و سنّت کے مقابل پیش نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی یہ کتاب و سنّت کیطرح قابلِ حجت ہے مگر اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اقوامِ عالم کا تعارف، ان کے طور طریقے ان کی بُود و باش ان کی معیشت و معاشرت ان کے جنگ و جدال ان کے افراد و شخصیات کی اَن کہنیاں اُن کے مذہبی اور مِلّی جذبات و احساسات الغرض اُنکے حسنِ سیرت، حسنِ اخلاق اور اُن کی رنگینیاں قبیح مکرہات و حرکات و سکنات کو آئینۂ تاریخ ہی میں دیکھا جاسکتا ہے۔

قرآن و سنّت نے جہاں انبیاءؑ، اصدقاءؑ، صلحاءؑ، شہداءؑ ایسے مقدس اور انعام یافتہ حضرات کی تاریخ بیان کی وہاں شیطان، شدّاد، نمرود، فرعون، ابولہب و ابوجہل ایسے بدقماش خبثا کی مکروہ تاریخ سے پردہ کشائی بھی کی۔

اسی آئینہ میں جہاں ہم اُمّتِ محمدّیہ کے اعلیٰ ترین حضرات خلفائے راشدین، صحابۂ کرام، اہلبیتِ عظّام، تابعین، محدثین، آئمہ دین، اولیائے کاملین، علماءِ راسخین و مجاہدین اور عوام مسلمین کو دیکھتے ہیں تو تاریخی حیثیت میں ان کے مقابل آئمہ تلبیس دجل و فریب کے خوگر منافقین کی کارستانیاں بھی سامنے پاتے ہیں۔ ایسے گروہوں میں جن کا کردار کتاب و سنّت اور صراطِ مستقیم سے کوئی لگاؤ نہیں کھاتا ان تمام کا تذکرہ کارے دارد۔

یہاں صرف ایک ایسے گروہ کے تاریخی احوال کو سامنے لانے کی سعی کی گئی ہے جسے اِس دَور کا فتنۂ عظیم قرار دیا جا سکتا ہے۔ عین ممکن ہے کہ جن پر قیامت قائم ہونی ہے یہ انہی میں سے ہراول دستہ کی صورت رکھتا ہو۔ تفصیل تاریخِ وہابیہ میں ملاحظہ کریں گے۔ جسے مولینا علامہ ابوالحسان محمد رمضان صاحب قادری مدظلہٗ فاضل جامعہ رضویہ، فیصل آباد نے بڑی محنت، جانفشانی سے مرتّب فرمایا اور اس کی اشاعت پر توجہ دی۔ یہ کتاب اس قابل ہے کہ اسے گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے اور قوم و ملّت کے نوجوانوں کو ملّتِ اسلامیہ کی صحیح تاریخ سے آگاہی کیساتھ ساتھ دشمنانِ اسلام کی دسیسہ کاریوں سے بھی باخبر رکھا جائے۔ اس سلسلہ میں تاریخِ وہابیہ مؤثر ثابت ہو سکتی ہے۔

تابش قصُوری

مریدکے، شیخوپورہ

تقریظ

(از حضرت معین الملّت مولانا علامہ محمّد معین الدین صاحب قادری دامت برکاتہم العالیہ)

جنگِ آزادی اور تحریکِ آزادی کے موضوع پر آج تک جتنے تذکرے لکھے گئے ہیں، وہ ایک گروہ نے مخصوص پروگرام کے تحت لکھے ہیں۔ ان تذکرہ نگاروں نے جس انداز میں تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے وہ تاریخ پر عظیم ظلم ہے۔ ان تذکرہ نگاروں نے انگریزوں کی حمایت میں فتوے دینے والوں اور تحریکِ آزادی کی مخالفت کرنے والوں کو جنگِ آزادی کے ہیرو اور مجاہد بنا کر پیش کیا ہے۔ ستم یہ ہے کہ آج یہی تذکرے جنہیں جھوٹ کا پلندہ کہنا زیادہ مناسب ہے، ہماری یونیورسٹیوں اور سیکنڈری سکولوں کے نصابوں میں بھی شامل ہیں۔ اِن کتابوں کے ذریعے بچّوں کے ذہنوں میں یہ بات پُختہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے کہ جنگِ آزادی اور تحریکِ آزادی میں صرف ایک مخصوص گروہ نے حصّہ لیا ہے۔ ان تذکروں میں اُن علماء کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ملے گا جنہوں نے فی الواقع تحریکِ آزادی میں حصّہ لیا۔ انگریزوں کے خلاف جہاد کے فتوے صادر فرمائے اور بذاتِ خود جہاد میں حصّہ لیا اور اس جُرم کی پاداش میں پھانسیوں پر چڑھائے گئے۔ عبورِ دریائے شور کی سزا پائی اور قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں۔

ضرورت اِس امر کی تھی کہ کوئی مورّخ، کوئی تذکرہ نگار اور کوئی قلم کار تو ایسا ہو جو ان تذکروں کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیکر تاریخ پر ہونے والے اِس ظلم کا ازالہ کرے اور تاریخ کو مسخ ہونے سے بچائے۔

الحمد للہ کہ ہمارے جواں ہمّت فاضل قلمکار مولانا حکیم ابوالحسان محمّد رمضان علی صاحب نے وقت کی اس اہم ضرورت کو پُورا کر دیا ہے، مولانا موصوف نے سندھ کے ایک دور اُفتادہ علاقہ سنجھورو میں بیٹھ کر ایک ایسا عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے جس پر پُوری ملّتِ اسلامیہ ان کی شکر گزار ہے۔

مولانا نے "تاریخ وہابیہ" لکھ کر جانبدار اور متعصّب نام نہاد مورّخین کے پردۂ فریب کو چاک کر دیا ہے، آپ نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے تاریخی حوالوں سے تاریخ کو مسخ ہونے سے بچالیا ہے۔ تعصّب سے پاک اور ہر ذی شعور انسان کو اس کتاب کے مطالعہ کے بعد یہ فیصلہ کرنے میں قطعاً کوئی تامل نہیں ہوگا کہ آج تک جتنے تذکرے لکھے گئے ہیں وہ محض جانبداری اور اندھی عقیدت کا کرشمہ ہیں اور ایک خاص گروہ کی پیداوار۔

یہ کتاب مستند تاریخی حوالوں سے مستند ہے۔ اور کمال یہ ہے کہ ان ہی نام نہاد مجاہدین آزادی کے تذکروں کے حوالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ یہ نام نہاد مجاہدین انگریزوں کے وظیفہ خوار اور اُن کے وفادار تھے۔

پیش نظر کتاب میں مستند تاریخی حوالوں سے ثابت کیا گیا ہے کہ جنگِ آزادی اور تحریکِ آزادی میں حصّہ لینے والے وہ لوگ نہیں تھے جن کا ذکر ان تذکروں میں ملتا ہے بلکہ وہ علماء اہل سنّت و جماعت تھے۔ جنہوں نے فی الواقع انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا۔ ان کے خلاف جہاد میں عملی حصّہ لیا۔ اور خصوصاً تحریکِ پاکستان میں پُرجوش حصّہ لیا۔

اِس کتاب میں ۱۸۵۷ء سے لے کر تشکیلِ پاکستان تک کے اُن علمائے کرام کا تفصیل کے ساتھ تاریخی تجزیات کے ساتھ ذکر ملے گا جنہوں نے جنگِ آزادی اور تحریکِ پاکستان میں حصّہ لیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد رمضان علی صاحب نے یہ کتاب لکھ کر ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے اور ایک عظیم تاریخی المیہ کا ازالہ کیا ہے۔

فجزاهم الله احسن الجزاء

الفقیر ابو المعالی محمد معین الدین القادری الرضوی غفرلہ۔

خادم اہل سُنّت خادم جامعہ قادریہ رضویہ، مصطفےٰ آباد۔ فیصل آباد

۴ر رمضان المبارک ۱۳۹۴ ہجری ۔ مطابق ۲۱ر ستمبر ۱۹۷۴ء ۔ بروز شنبہ

مقدمہ

"از، مجاہد اہلِ سُنّت فاضل نوجوان ابوالبیان حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب سکندری فاضل جامعہ راشدیہ"

خارجی مذہب کا محبوب مشغلہ، یعنی مسلمانوں کو بِدعتی مشرک اور کافر وغیرہ کہنا اسلام کے ابتدائی دَور سے خارجیوں کا شیوہ رہا ہے، خصوصاً سیدنا امیر المومنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نام نہاد مسلمان عبد اللہ بن سبا (سابق یہودی) نے اِس ناپاک کاروبار کو شروع کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس بَد سَرِشت گروہ کی ابتداء اگر دیکھی جائے تو زمانۂ اقدس محمدؐ عربی صلی اللہ علیہ وسلّم سے ہے، جیساکہ احادیثِ مبارکہ میں ذوالخویصرہ خبیث کا واقعہ مشہور ہے۔ چونکہ اس ناپاک مذہب کی باقاعدہ تشکیل حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے زمانہ میں ہوئی اور ان خارجیوں نے مقام "حرورا" کو دارالتّوحید اور اس گروہ سے وابستہ اشخاص کو خصوصی نام "اہلِ توحید" سے موسوم کر کے حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ پر مشرک ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا۔ حتیٰ کہ یہ فتنہ رنگ لایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان خارجیوں کی شرارت سے "ابن ملجم" کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ اس کے بعد خارجی گروہ اپنی شرارتوں میں دلیر ہوتا گیا اور اپنے ساتھ اپنے متبعین

کی خاصی جماعت جمع کرلی۔ جس میں ایسے اشخاص بھی موجود تھے جو بڑے علم و فضل اور توحید کے ٹھیکیدار کہلانے اور اہلِ حق ہونے کے مدّعی تھے اور وہ اپنے مسلک کو اس قدر صحیح تصور کرتے تھے کہ اہلِ حق اور محبوبانِ بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدعتی و مشرک کہتے وقت آیاتِ قرآنی سے غلط استدلال کرتے اور "اِنِ الْحُکْمُ اِلاَّ لِلّٰہ" کا نعرہ لگاتے۔

اِسی بناء پر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ ان خوارج کو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں بُرا جانتے تھے اور فرمایا کرتے تھے **انهم انطلقوا الى آيات نزلت فى الكفار فجعلوها على المومنين** (بخاری ج ۲ صفحہ ۱۰۲۲) یعنی یہ لوگ ان آیاتِ قرآن کو جو کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، مسلمان مومنین پر چسپاں کرتے ہیں۔

مِلّت اسلامیہ کی اساس (بنیاد) توحید و رسالت کے عقیدہ پر ہے اور یہ بات بھی اظہر من الشمس ہے کہ ایمان اور اسلام کے بنیادی جزو دو ہیں۔

۱۔ عقائد، ۲۔ اعمال۔ عقائد کا تعلق دل سے ہے اور اعمال کا صدور جوارح یعنی اعضاء سے ہوتا ہے لیکن جو درجہ عقائد کو حاصل ہے وہ اعمال کو نہیں۔ "عقائد" اصول اور "اعمال" فروع کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی لئے بغیر درستی عقیدہ کے کوئی بھی عمل قبول نہیں ہوتا۔ خوارج کو دائرہ اسلام سے اس لئے خارج سمجھنا ضروری ہے کہ ان کے عقائد مسلمانوں کے عقائد سے (جن کی تعبیر اجماع نے قرآن اور حدیث کی روشنی میں کی ہے) مختلف ہیں۔ اختلاف بھی اتنا کہ وہ اپنے سوا کسی بھی دوسرے کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ حتیٰ کہ وہ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے خلیفۃ الرسول کو بھی (نعوذ باللہ) مشرک کہنے سے باز نہ آئے' یہ فتنہ روز افزوں بلادِ اسلامیہ میں پھیلتا ہوا ہر جگہ پہنچا۔ مسلمانوں کے عقائد کو بگاڑنے کے ساتھ ساتھ ان خوارج نے سیاست میں بھی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں

کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، ہر محاذ پر انتشار و افتراق برپا کرنے کی کوشش میں مصروف رہے۔

امیرالمومنین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کو یہ کام دل کھول کر سرانجام دینے کا موقع میسّر ہوگیا۔ جنگ جمل اور جنگ صفین بھی انہی کی شرارتوں کا نتیجہ تھا۔ تاریخِ اسلام سے واقف حضرات اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، کی باہمی اجتہادی مخالفت کو خوارج نے اس طریقے سے اُچھالا کہ سرفروشانِ اسلام کے دونوں پاک باز گروہ چار و ناچار آپس میں ٹکرا گئے اور ملّتِ اسلامیہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔

اسلام کی رُو سے مسلمانوں کی سیاست کی بنیاد عدل و انصاف پر ہے مگر خوارج نے اپنی سیاست کی بنیاد ظلم و عدوان پر استوار کی اور چونکہ یہ لوگ اپنے گروہ کے سوا دوسروں کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے اس لئے وہ مسلمانوں کی اخوت باہمی ترقّی و خوش حالی اور مملکتِ اسلامیہ کے استحکام کو ہر صُورت نقصان پہنچانا اور منافقانہ سرگرمیوں اور مذموم سازشوں کے ذریعے اسلامی ریاست اور حکومت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کو فرض جانتے تھے تاکہ کسی نہ کسی طرح وہ خود برسراقتدار آکر اپنے مذموم مقاصد حاصل کرسکیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ جہاں کہیں اور جب کبھی خوارج کو کچھ اقتدار و اختیار حاصل ہوا انہوں نے مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے اور فرزندانِ توحید کی جان و مال عزّت و آبرو پر جارحانہ حملے کرنے میں کچھ دریغ نہ کیا۔ خوارج کے افکار اور کردار کا اگر بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ ان کے افکار و کردار میں آوارگی اور خودسری، سرکشی اور مفاد پرستی و منافقت کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور کلمۂ توحید پڑھ لینے اور خود کو مسلمان کہلانے کے باوجود

حقیقی مسلمانوں کے اوصاف سے عاری ہیں۔

قرآن اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا وجود سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے مبارک زمانے میں بھی موجود تھا۔ یہ لوگ بظاہر کلمہ پڑھتے تھے مسلمانوں کے ساتھ باجماعت نمازیں بھی پڑھتے، روزے رکھتے، حج کرتے اور کفّار کے خلاف لڑائیوں میں بھی شامل ہوتے تھے مگر ان تمام باتوں کے باوجود ان کے دل اسلام پر مطمئن نہیں تھے تعلیماتِ اسلام پر محض اس لئے عمل کرتے کہ لوگ انہیں مسلمان سمجھیں اور انہیں اہلِ اسلام کے حقوق حاصل ہوں لیکن دَرپَردہ اسلام اور اہلِ اسلام کی تخریب کے دَرپے رہتے تھے ان کا خیال تھا کہ ان کی حقیقت سے کوئی بھی باخبر نہیں۔

ایک بار رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا مجھ پر تمام چیزیں پیش کی گئی ہیں اور میں ہر مومن و کافر کو جانتا ہوں۔ منافقین یہ سرگوشیاں کرنے لگے نَحْنُ مَعَهٗ وَمَایَعْرِفُنَا۔ ہم تو رسُول اللہ کے پاس ہی رہتے ہیں اور وہ ہمیں نہیں پہچانتے اگر وہ ہماری دلی حالت کو جانتے اور ہمارے نفاق کو پہچانتے تو ہمیں اپنی مجلس میں کیوں آنے دیتے؟ اس پر حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے لوگوں کو جمع فرما کر فرمایا **ماجال اقوام ظعنوافی علمی فاسئلوفی** (الحدیث) ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میرے علم کے بارے میں طعنہ زنی کرتے ہیں تو آؤ جو کچھ پوچھنا ہے پوچھ لو۔

یہ بھی مروی ہے کہ ایک مجلس میں تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے منافقوں کے نام لے لے کر فرمایا کہ تو منافق ہے، نہ صرف یہی بلکہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے تو آئندہ زمانوں میں پیدا ہونے والے خارجیوں کے متعلق بھی ارشادات فرما دیئے۔ ان کی علامات بیان فرمائیں اور مسلمانوں کو ہدایت فرمائی کہ اِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ۔ تم انھیں اپنے قریب نہ آنے دینا اور خود بھی

ان سے دُور رہنا یعنی ان سے کنارہ کش رہنا، بچتے رہنا چنانچہ اس سلسلے میں کتبِ حدیث میں بکثرت روایات موجود ہیں۔ الغرض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی ان لوگوں کا وجود تھا اور اس کے بعد بھی ہر زمانے میں موجود رہے ہیں مگر اس طور پر کہ انہیں جب موقع ملا ظاہر ہوگئے اور موقع نہ ملا تو زیرِ زمین چلے گئے یا حسبِ ضرورت مختلف رُوپ بدل لئے اور رُوپ بہروپ بَدل بَدل کر اسلام اور اہلِ اسلام پر ضربیں لگاتے رہے ہیں۔ مَیں تفصیل میں اس لئے نہیں جا رہا کہ پیشِ نظر کتاب "تاریخِ وہابیہ" میں تمام ضروری تفصیلات ناظرین خود دیکھ سکتے ہیں۔

مختلف زمانوں میں ظاہر ہونے والے خارجیوں کے افکار اور کردار میں اقدارِ مشترک کی حیثیت سے یکسانیت بدرجۂ اتم موجود ہے۔ ابوالخوارج یا ابوالوہابیہ "حرقوص بن زبیر" نے اگر تقسیم اموال غنیمت کے موقع پر "یارسول اللہ اَعدل" کہہ کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں تنقیص و توہین کا مظاہرہ کیا تھا تو اس کی لڑی سے بعد میں آنے والے خوارج اور وہابیہ نے بھی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی شانِ اقدس میں تنقیص و توہین میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اگر منافقین نے نَحنُ مَعَہٗ وَمَا یَعرِفُنَا کہہ کر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے عِلم کا انکار کیا تھا تو انہی میں کے بعد میں آنے والوں نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عِلمِ خُدا داد میں طرح طرح سے انکار کے پہلو نکالے اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کے زمانے میں مسلمانوں میں ملے جلے رہ کر اوّلین خوارجِ اسلام اور اہلِ اسلام کی تخریب کے دَرپے رہے تو اس کے بعد سے آج تک متاخرین خوارج مختلف صورتوں میں مسلمانوں کے راہنما اور لیڈر بن کر دَرپَردہ مسلمانوں کے مفاد کو نقصان پہنچانے اور اہلِ اسلام کے دشمن رہے ہیں۔ ۲۰۵ھ

میں ان ہی میں سے ایک شخص حافظ ابن تیمیہ (جسے وہابیہ کے سارے گروہ اپنا امام تسلیم کرتے ہیں) نے اس فتنے کو بڑا فروغ دیا۔

یہ امام الوہابیہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کو صنمِ اکبر (بڑا بُت) کہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر روزانہ صبح و شام صلواۃ و سلام پیش کرنے والے ستر ہزار ملائکہ کے متعلق اس نے اعلان کیا کہ یہ سب ملائکہ معصیت میں مبتلا ہیں۔ (**نعوذباللہ من ذالک**) حالانکہ خود سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ ستّر ہزار ملائکہ صبح و شام میرے روضہ پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **لایعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون** ـــــ ملائکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے جس اَمر کا اُنہیں حکم ہوتا ہے وہی کچھ کرتے ہیں، مگر اس دریدہ دہن نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول برحق صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تصریحات کو رَد کرتے ہوئے معصوم فرشتوں کو بھی تعظیمِ رسُول کے جُرم میں گناہ گار ٹھہرادیا اور ملحد ابن تیمیہ نے امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان رفیع میں دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ وہ ایّامِ طفولیت میں مسلمان ہوئے تھے لہذا ان کا ایمان قبول نہیں۔ اس زمانے کے علمائے حق نے ابن تیمیہ کو اس کے عقائد باطلہ پر للکارا اور مُناظروں میں اسے لاجواب کر کے جھوٹا ثابت کر دیا۔ حکومتِ اسلامیہ نے اسے ملّت میں فتنہ و فساد پھیلانے کے جُرم میں قید کر دیا تو اس نے تائب ہو کر رہائی حاصل کی لیکن قید سے رہا ہونے کے بعد اپنی مذموم حرکتوں سے باز نہ رہا تو علمائے حق نے اس پر کفر کا فتویٰ صادر کیا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ جو کوئی ابن تیمیہ کو ملحد نہ سمجھے وہ خود ملحد ہے۔ (فتاویٰ حدیثیہ)

علامہ ابن حجر مکی محدث فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں " اَضَلَّ اللّٰہُ عَلٰی

عِلْم" اللہ تعالیٰ نے ابن تیمیہ کو علم پر فخر کرنے کی وجہ سے گمراہ کر دیا اس کے بعد بارہویں صدی ہجری میں بابائے وہابیت ابن عبدالوہاب نجدی کا فتنۂ عظیم ظہور پذیر ہوا اور اس شخص نے ابن تیمیہ کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اس کا نام محمدؐ اور اس کے باپ کا نام عبدالوہاب ہے۔ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ تحریکِ وہابیہ، بانئ تحریک کے نام سے موسوم ہونے کے بجائے اس کے والد کے نام سے مشہور ہوئی حالانکہ اس کے والد عبد الوہاب صحیح العقیدہ سُنّی اور تحریکِ وہابیت کے کٹّر مخالف تھے اور اپنی وفات تک مخالف رہے۔ ابن عبدالوہاب نجدی نے خانہ سازِ اُصولِ وہابیّت کے تحت تمام دنیا کے مسلمانوں کو کافر قرار دیا اور مسلمانوں کے خلاف جہاد بالسّیف کا اعلان کر کے مِلّتِ اسلامیہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا اور مسلمانوں میں نفاق و عداوتِ باہمی اور افتراق و انتشار کی وہ صورتِ حال برپا کردی۔ جس کے اثراتِ بَد ہنوز قائم ہیں۔

ابن عبدالوہاب کے بعد تحریکِ وہابیت کو سید احمد رائے بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے ذریعے برِّصغیر ہندو پاک میں فروغ حاصل ہوا۔ انہوں نے شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی قائم کی ہوئی تحریکِ اقامتِ دین کی عنانِ قیادت سنبھال کر حکمران انگریز کی اجازت و تائید سے افغان سرحدی علاقے میں جہاد کے نام پر قدم جمانے کا منصوبہ بنایا۔ تاکہ پنجاب پر مسلط رنجیت سنگھ کی حکومت سے لڑ بھڑ کر کچھ علاقہ چھین لیں اور ریاستِ وہابیہ قائم کر سکیں۔ چوں کہ یہ چیز حکمران انگریز کے مفاد میں تھی کہ اس طرح بہادر افغانوں کی مزاحمت سے بچنے اور سکھوں کی قوت ٹوٹنے کی اُمید تھی اس لئے انگریزوں نے ان کی حوصلہ افزائی سے دریغ نہ کیا مگر اس کے باوجود سید احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی اپنے مقصد میں بُری طرح ناکام رہے۔ ان کے نام نہاد جہاد اور اس کے انجام کی تفصیل کتاب میں پڑھ کر ناظرین پوری طرح صورتحال سے واقف ہونگے۔

میں ان ہی میں سے ایک شخص حافظ ابن تیمیہ (جسے وہابیہ کے سارے گروہ اپنا امام تسلیم کرتے ہیں) نے اس فتنے کو بڑا فروغ دیا۔

یہ امام الوہابیہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کو صنمِ اکبر (بڑا بُت) کہتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہو کر روزانہ صبح و شام صلواۃ و سلام پیش کرنے والے ستر ہزار ملائکہ کے متعلق اس نے اعلان کیا کہ یہ سب ملائکہ معصیت میں مبتلا ہیں۔ (**نعوذباللّٰہ من ذالک**) حالانکہ خود سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ ستّر ہزار ملائکہ صبح و شام میرے روضہ پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **لایعصون اللّٰہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون** —— ملائکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے جس اَمر کا اُنہیں حکم ہوتا ہے وہی کچھ کرتے ہیں، مگر اس دریدہ دہن نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول برحق صلّی اللہ علیہ وسلّم کی تصریحات کو رَد کرتے ہوئے معصوم فرشتوں کو بھی تعظیمِ رسُول کے جُرم میں گناہ گار ٹھہرادیا اور ملحد ابن تیمیہ نے امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان ۔ قبیح میں دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ چونکہ وہ ایّامِ طفولیت میں مسلمان ہوئے تھے لہذا ان کا ایمان قبول نہیں۔ اس زمانے کے علمائے حق نے ابن تیمیہ کو اس کے عقائد باطلہ پر للکارا اور مُناظروں میں اسے لاجواب کر کے جھوٹا ثابت کر دیا۔ حکومتِ اسلامیہ نے اسے ملّت میں فتنہ و فساد پھیلانے کے جُرم میں قید کردیا تو اس نے تائب ہو کر رہائی حاصل کی لیکن قید سے رہا ہونے کے بعد اپنی مذموم حرکتوں سے باز نہ رہا تو علمائے حق نے اس پر کفر کا فتویٰ صادر کیا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ جو کوئی ابن تیمیہ کو ملحد نہ سمجھے وہ خود ملحد ہے۔ (فتاویٰ حدیثیہ)

علامہ ابن حجر مکی محدث فتاویٰ حدیثیہ میں فرماتے ہیں "**اَضَلَّہُ اللّٰہُ عَلٰی**

علِمٖ" اللہ تعالیٰ نے ابن تیمیہ کو علم پر فخر کرنے کی وجہ سے گمراہ کر دیا اس کے بعد بارہویں صدی ہجری میں بابائے وہابیت ابن عبدالوہاب نجدی کا فتنۂ عظیم ظہور پذیر ہوا اور اس شخص نے ابن تیمیہ کے مشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اس کا نام محمدؐ اور اس کے باپ کا نام عبدالوہاب ہے۔ تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ تحریکِ وہابیہ' بانیٔ تحریک کے نام سے موسوم ہونے کے بجائے اس کے والد کے نام سے مشہور ہوئی حالانکہ اس کے والد عبدالوہاب صحیح العقیدہ سُنّی اور تحریکِ وہابیت کے کٹّر مخالف تھے اور اپنی وفات تک مخالف رہے۔ ابن عبدالوہاب نجدی نے خانہ ساز اُصولِ وہابیّت کے تحت تمام دنیا کے مسلمانوں کو کافر قرار دیا اور مسلمانوں کے خلاف جہاد بالسّیف کا اعلان کر کے ملّتِ اسلامیہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا اور مسلمانوں میں نفاق و عداوتِ باہمی اور افتراق و انتشار کی وہ صورتِ حال برپا کردی۔ جس کے اثراتِ بَد ہنوز قائم ہیں۔

ابن عبدالوہاب کے بعد تحریکِ وہابیت کو سید احمد رائے بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے ذریعے برِّصغیر ہندو پاک میں فروغ حاصل ہوا۔ انہوں نے شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کی قائم کی ہوئی تحریکِ اقامتِ دین کی عنانِ قیادت سنبھال کر حکمران انگریز کی اجازت و تائید سے افغان سرحدی علاقے میں جہاد کے نام پر قدم جمانے کا منصوبہ بنایا۔ تاکہ پنجاب پر مسلط رنجیت سنگھ کی حکومت سے لڑ بھڑ کر کچھ علاقہ چھین لیں اور ریاستِ وہابیہ قائم کر سکیں۔ چوں کہ یہ چیز حکمران انگریز کے مفاد میں تھی کہ اس طرح بہادر افغانوں کی مزاحمت سے بچنے اور سکھوں کی قوت ٹوٹنے کی اُمید تھی اس لئے انگریزوں نے ان کی حوصلہ افزائی سے دریغ نہ کیا مگر اس کے باوجود سید احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی اپنے مقصد میں بُری طرح ناکام رہے۔ ان کے نام نہاد جہاد اور اس کے انجام کی تفصیل کتاب میں پڑھ کر ناظرین پوری طرح صورتحال سے واقف ہونگے۔

ان کے بعد ان کے ہم مسلک وہابی مختلف گروہوں میں بٹ کر ایک طرف نجدی مذہب وہابیت کی ترویج اور دوسری طرف حکمران انگریز کی زیادہ سے زیادہ خوشنودی حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہوگئے۔ فرنگی حکمران ان وہابی مولویوں کی سرگرمیوں سے مطمئن اور نہایت خوش ہوئے کہ اس طرح ان کے مفادات حکمرانی کو تقویت ملتی تھی۔ چنانچہ حکومت برطانیہ نے وہابی مولویوں پر انعامات کی بارش کردی۔ ان کے وظیفے مقرر کیے۔ خوشنودی کے سرٹیفکیٹ عطا کیے اور انہیں بڑے بڑے خطابات سے نوازا۔

اور وہابی مولویوں نے بھی فرنگی اقتدار کے استحکام کے لئے کسی جائز و ناجائز کوشش سے دریغ نہ کیا۔ ابن عبدالوہاب نجدی کے اصول کے تحت بات بات پر مسلمانانِ اہل سُنّت پر بِدعت، شرک اور کُفر کے فتوے لگائے۔ رسولِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور اولیاء اللہ کی شان میں گستاخیاں کیں۔ مختلف نزاعی مسائل کھڑے کرکے مسلمانوں میں عظیم انتشار پیدا کردیا اور فرزندانِ توحید کو باہم دگر دست بگریباں کر کے مسلمانوں کی قوت کو پارہ پارہ کر کے رکھ دیا۔

ستم بالائے ستم یہ کہ وہابی مولوی گروہی و ذاتی مفادات کی خاطر قرآن اور حدیث کی تعلیمات میں تحریف کرنے سے بھی باز نہ رہے۔ ان مفاد پرستوں نے انگریز کی وفاداری کو فرض قرار دیا اور جہاد کو منسوخ ٹھرایا۔ حتیٰ کہ ۱۸۵۷ کی جنگِ آزادی میں نہ صرف یہ کہ یہ وہابی اس کے مخالف رہے بلکہ انہوں نے جنگِ آزادی کو غدر اور بغاوت ٹھہرا کر مجاہدینِ آزادی کو شورش پسند اور انگریزوں کی حمایت میں لڑتے ہوئے مرنے والوں کو شہید کہنے سے بھی نہ شرمائے۔

اور پھر جب مسلم لیگ کے پرچم تلے بابائے قوم محمد علی جناح کی قیادت میں مسلمانوں نے متحد ہوکر پاکستان کا مطالبہ کیا اور پوری قوم نے بابائے قوم کو قائداعظم تسلیم کیا تو اس وقت بھی وہابیوں نے مسلمانوں کا ساتھ نہ دیا۔ یہ وہابی

مولوی ہندو کانگریس کی گود میں جا بیٹھے۔ دشمنانِ اسلام کے نمک خوار بن کر قیام پاکستان کے خلاف تقریریں کرتے اور زہر اگلتے پھرے۔ قائد اعظم کو کافرِ اعظم کہا۔

یہ لوگ مسلم دشمنی اور کفر نوازی کے جوش میں اس قدر اندھے ہو گئے کہ ان میں حق و باطل میں تمیز کرنے کی صلاحیت ہی نہ رہی۔ یہاں تک کہ ان میں سے جو دو چار مولوی قائد اعظم اور دیگر مسلم لیگی زعماء کے سمجھانے سے تحریک پاکستان میں شامل ہوئے ان کے خلاف بھی انہوں نے طوفانِ بد تمیزی برپا کر کے قتل کی دھمکیاں دیں۔

اس کے برعکس علمائے حق اہلِ سنّت و جماعت کا کردار بفضلہ تعالیٰ از اول تا آخر مبنی بر حق و صداقت پاک و صاف رہا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ یہی وہ پاکباز گروہ ہے جو ہمیشہ اعلاء کلمۃ الحق کے لئے سر بکف اور ہر دور مین اعداءِ دین کے مقابلے میں سینہ سپر رہا ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دوران اور تحریکِ پاکستان کے زمانے میں علمائے اہلِ سنّت و جماعت (بریلویہ) کے شاندار کارنامے تاریخِ پاکستان میں ایک سنہرے باب کا مقام رکھتے ہیں۔

فقیر نے کتاب "تاریخِ وہابیہ" کا پُورے غور سے مطالعہ کیا ہے۔ اس کے مصنّف علامۃ الدہر وحید العصر حضرت مولانا حکیم محمد رمضان علی صاحب قادری مد ظلہ العالی پوری قوم کے شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے تاریخ کے اس اہم موضوع کی جانب توجہ فرمائی اور بڑی کد و کاوش کے ساتھ قومی تاریخ کے اس گمشدہ باب کے منتشر اوراق کو تلاش و مرتّب فرما کر ان حقائق کو محققانہ انداز میں بے نقاب کر دیا ہے۔ جنہیں وہابیہ کے زور دار مسلسل پروپیگنڈے نے عوام و خواص کی نظروں سے اوجھل کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے صدقے اس محنت کو

بار آور فرمائے اور فاضل مصنّف کو دارین میں سرخرو فرمائے۔

آمین۔ ثم آمین

حرہ الفقیر عبدالرحیم سکندری۔ فاضل جامعہ راشدیہ

خطیب جامع مسجد، شاہ پور چاکر، ضلع سانگھڑ

مورخہ ۶ جمادی الاول ۱۳۹۳ ھجری، بمطابق ۸ جون ۱۹۷۳ء

پیش لفظ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ ط

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

امابعد، برادرانِ اسلام کی خدمت میں الفقیرالی الرحمان ابُوالحسّان حکیم محمّد رمضان علی قادری قریشی غفرلہ الرحمان خطیب مرکزی جامع مسجد غوثیہ سنجھور و ضلع سانگھڑ سندھ (پاکستان) محض خیرخواہی ملک و مِلّت اور اظہارِ حقیقت کے لئے ایک زبردست تاریخی مغالطہ کی تحقیق پیش کرتا ہے۔ تاکہ ہر خاص و عام پر واضح ہوجائے کہ ملک و مِلّت کے سچّے وفادار خادم اور تحریکِ آزادی کے ہیرو علمائے اہل سُنّت و جماعت ہیں یا وہابی مولوی!

اس امر کی تحقیق میں یہ رسالہ تالیف کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ موجودہ زمانے کے وہابی صاحبان بدلے ہوئے حالات کے تحت تاریخ کو مسخ کرنے کی منظم جدوجہد میں مصروف ہیں۔ تقریر و تحریر کے ذریعے یہ باور کرانے کی سرتوڑ کوشش کی جارہی ہے کہ ان کے پیشرو ہندوپاک پر انگریز کے غلبہ و اقتدار کے مخالف حکومت برطانیہ کے دشمن اور آزادیٔ ملک و استحکام مِلّت اسلامیہ کے علمبردار تھے۔ تحریکِ آزادی کے بانی اور ہیرو تھے۔ انہی کی کوششوں کے نتیجے میں پاکستان کا قیام عمل میں آیا ہے۔

حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ وہابیوں کے پیشوا ازاوّل تا آخر ہمیشہ مِلّتِ اسلامیہ کے مخالف رہے ہیں۔ بحیثیتِ مجموعی مسلم قوم کو جس قدر نقصان ان کے ہاتھوں برداشت کرنا پڑا ہے۔ اتنا نقصان کسی اسلام دشمن غیر مسلم طاقت سے کم ہی پہنچا ہوگا۔

جماعتِ وہابیہ کی اصل خوارج سے ہے جنہوں نے سب سے پہلے اُمتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا الصّلوۃ والسّلام میں انتشار و افتراق کا بیج بو کر مسلمانوں میں جنگ و جدال کی آگ بھڑکائی۔ اِنہی کی مذموم سازشوں کے نتیجہ میں حضرت امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ انہی لوگوں نے حضرت امیر المومنین علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو (نعوذ باللہ) کافر قرار دے کر واجبُ القتل ٹھہرایا۔ اِن ہی لوگوں نے علی الاعلان مسلمانوں کے خلاف تلوار بُلند کی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور مسلمانانِ اُمّت کے خلاف صف آراء ہو کر جنگ کی اور مجاہدینِ اسلام و شیرِ خُدا علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ہزاروں کی تعداد میں مقتول ہو کر جہنّم واصل ہوئے۔

اگرچہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے خُداداد شجاعت و قوت سے انہیں درہم برہم کر کے رکھ دیا تھا۔ تاہم ان کی زیرِ زمین سرگرمیاں بدستور جاری رہیں۔ اور بالآخر آپ نے بد بخت ابنِ ملجم خارجی کے ہاتھوں مسجد میں جامِ شہادت نوش فرمایا۔

اس کے بعد بھی مختلف اَدوار میں مختلف صورتوں میں ان کی مذموم کاروائیاں جاری رہیں تا آنکہ ابتداء تیرہویں صدی ہجری میں انہی میں سے ایک شقی ابن عبدالوہاب نجدی نے ازسرِ نَو منظم طور پر مسلمانوں کے خلاف تلوار کو بے نیام کیا۔ اس نے تمام مسلمانوں کو مشرک اور کافر قرار دے کر قتل و غارت کا بازار گرم کر دیا۔ قریہ بہ قریہ شہر بہ شہر علاقہ بہ علاقہ بے گناہ مسلمانوں پر وہابیوں

کے جارحانہ حملے روز بروز شدید سے شدید تر ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ ان کے روز افزوں مظالم اور قتلِ عام کو روکنے کی خاطر عثمانی خلیفہ سلطان ترکی نے اپنی افواجِ قاہرہ کو ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ اور پے در پے شکستیں دے کر ۱۲۳۳ ہجری میں انہیں کچل کر رکھ دیا۔

اس کے چھ سال بعد ۱۲۳۹ ہجری میں ابوالوہابیہ ابن عبدالوہاب نجدی کے متّبعین سید احمد بریلوی اور محمد اسماعیل دہلوی نے غیر منقسم ہندوستان میں وہابیت کے استحکام کی خاطر "تحریکِ اقامتِ دین" کے نام سے نام نہاد جہاد کا اعلان کیا۔ لیکن ان کا یہ جہاد غاصب انگریز کے خلاف نہ تھا بلکہ انہوں نے حکومتِ برطانیہ کو اپنی حکومت قرار دیا۔ انگریز کی نیاز مندی اور وفاداری کے پیہم اعلان کئے۔ درحقیقت ان کی تحریک کا مقصد اس ملک میں برطانوی حکومت کا استحکام اور برطانیہ کی مدد اور حمایت سے سرحدی پٹھانوں اور پنجاب کے سِکھّوں سے لڑ بھڑ کر "ریاستِ وہابیہ" کا قیام تھا۔

اس مقصد کے پیش نظر انہوں نے مسلمانوں کو انگریز کی وفاداری کا درس دیا۔ مجاہدینِ آزادی کو باغی ٹھہرایا۔ انگریز کی حمایت میں لڑ کر مرنے والوں کو "شہید" قرار دیا۔ یہاں تک کہ وہابیوں کو انگریز کے خلاف جہاد کو ناجائز اور حرام کہہ کر منسوخیٔ جہاد کے فتوے صادر کئے اور رسالے شائع کر کے تقسیم کئے اور اس کے صلے میں انگریزوں سے خوشنودی کی چِٹھیاں، خطابات، وظیفے اور جاگیریں حاصل کیں۔ نیز نقد انعامات وصول کئے۔

اُنہوں نے حکومتِ برطانیہ کی منظوری و اجازت حاصل کر کے سِکھّوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا اور جہادِ اسلامی کے نام پر سرحدی پٹھانوں کی حمایت و امداد حاصل کر کے سرحدی علاقہ میں اپنی امارت میں ریاست قائم کرنے کے بعد ایک طرف سِکھّوں سے چھیڑ چھاڑ شروع کی تو دوسری طرف اپنے معاون و محسن

سُنّی پٹھانوں کے خلاف علمِ جہاد بلند کردیا اور افغان مسلمانوں پر ناقابلِ بیان مظالم ڈھانے شروع کردیئے۔ یہاں تک کہ بمصداق "تنگ آمد بہ جنگ آمد" وہابیہ کی چیرہ دستیوں سے نجات حاصل کرنے کے لئے غیور پٹھانوں نے ان میں سے اکثر کو تہہِ تیغ کر کے اُن کی امارت و ریاست کا خاتمہ کر ڈالا۔

لیکن اس کے باوجود بقیۃ السّیف وہابی اپنے مشن کی کامیابی کے لئے جدوجہد کرتے رہے۔ تا آں کہ حالات نے پلٹا کھایا اور بعض وجوہ کی بناء پر برطانوی حکّام بھی ان سے ناراض ہوگئے۔ نیز حکومتِ برطانیہ نے جب دیکھا کہ جس مقصد کے لئے اُنہیں نواز کر چھوڑا گیا تھا وہ مقصد کافی حد تک پُورا ہو چکا ہے توانگریزوں نے آنکھیں پھیر لیں۔

انہوں نے ایک طرف سرحدی علاقہ میں لٹیرے وہابیوں کے خلاف عسکری قوت بروئے کار لاکر اُنہیں کچلا اور دوسری طرف ہندوستان کے مختلف علاقوں سے انہیں امداد پہنچانے والے وہابیوں کو قانون کے شکنجہ میں جکڑ کر اس تحریک کا ڈراپ سین کردیا۔

اس کے بعد برطانیہ نے اپنے سرکردہ وہابی مولویوں کو مزید انعامات و نوازشات کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ تر آلۂ کار بنانے کی پالیسی پر عمل شروع کیا تاکہ وہابی مولوی مسلمانوں میں افتراق و انتشار پیدا کریں۔ شِرک و کُفر کے فتوے صادر کر کے انہیں باہم لڑاتے رہیں تاکہ مسلمانوں کی قوت مجتمع نہ ہوسکے۔

مسلمان قوم سُنّی وہابی کے جھگڑے میں باہم دست بگریباں رہے۔ متحد ہو کر سَر اُٹھانے کے قابل نہ ہوسکے۔ تاریخ شاہد ہے کہ وہابی مولویوں کی بدولت انگریز اس مقصد میں توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔

حکومتِ برطانیہ کے زر خرید وہابی مولویوں نے اس سلسلے میں ایک

دوسرے سے بڑھ چڑھ کر انگریزوں کی خدمات سرانجام دیں اور ملک و مِلّت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ ان کے کارناموں کی تفصیل آپ آئندہ صفحات میں پڑھ کر خود فیصلہ کریں گے کہ یہ کس قماش کے لوگ ہیں۔

اب بدلے ہوئے حالات کے تحت موجودہ وہابی اپنے پیشروؤں کو "شمعِ آزادی کے پروانے اور مجاہدینِ اسلام" قرار دے کر لوگوں کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کی کوشش کر رہے ہیں اور چونکہ اِس قسم کا غلط پروپیگنڈا کرنے میں دیوبندی وہابی سب سے آگے ہیں۔ اس لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ اس مقام پر بھی ان کے چہرہ سے خوش نما نقاب کو ذرا سا اُٹھا کر ان کے اصلی رُوپ کی ایک جھلک آپ کو دکھا دی جائے۔ دیوبندی وہابی یہ ڈھنڈورا پیٹنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں کہ "مدرسہ دیوبند" انگریزی سامراج کے خلاف سیاسی سرگرمیوں کا بہت بڑا اڈا تھا۔ حالانکہ حقیقت سراسر اس کے برعکس ہے، ثبوت ملاحظہ فرمائیے۔

"مورخہ ۱۳ جنوری ۱۸۷۵ء بروز یک شنبہ لیفٹننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمی "پامر" نے مدرسہ دیوبند کا معائنہ کیا۔ اور اپنی رپورٹ میں لکھا کہ "جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپے کے صَرف سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام پرنسپل ہزاروں روپے میں ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپے ماہانہ پر کر رہا ہے۔ یہ مدرسہ خلافِ سرکار نہیں بلکہ موافقِ سرکار ممد و معاون سرکار ہے۔

(کتاب۔ "مولانا محمد احسن نانوتوی صفحہ ۲۱۷، بحوالہ "اخبار انجمن" پنجاب لاہور مجریہ ۱۹ فروری ۱۸۷۵ء)

اب آپ ہی انصاف کیجئے کہ اس بیان کے سامنے اُن کے اِس پروپیگنڈے کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔ واضح رہے کہ یہ کتاب ایک دیوبندی

فاضل نے مولانا محمد احسن نانوتوی کی سوانح حیات میں لکھی ہے جسے مکتبہ عثمانیہ کراچی پاکستان نے شائع کیا ہے۔ اس کے علاوہ مدرسہ دیوبند کے موجودہ مہتمم قاری طیّب صاحب لکھتے ہیں۔

"مدرسۂ دیو بند کے کارکنوں میں اکثریت ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک و شبہ کرنے کی گنجائش ہی نہ تھی۔" (حاشیہ سوانح قاسمی صفحہ ۲۴۷ جلد ۲)

اس سلسلے میں قاری طیّب صاحب کا بیان جتنا باوزن ہو سکتا ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں ہے۔

اب آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ جس مدرسہ کے چلانے والے انگریزوں کے وفا پیشہ نمک خوار ہوں اسے باغیانہ سرگرمیوں کا اڈہ کہنا آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے یا نہیں؟

قیاس کُن زگلستان من بہار مرا

سچ ہے ؎ ہیں وہابی کچھ نظر آتے ہیں کچھ

دھوکہ دیتے ہیں یہ بازی گر کھُلا

اور جب ملک میں تحریک آزادی نے زور پکڑا۔ غیر منقسم ہندوستان میں انگریز کا اقتدار ڈانواں ڈول ہونے لگا تو چالاک ہندو لیڈروں نے سارے ملک پر اپنا تسلط جمانے اور رام راج قائم کرنے کا منصوبہ بنا کر پوری شدت کے ساتھ اعلان کیا کہ ہندوستان میں صرف دو ہی قوتیں ہیں۔ حکومت برطانیہ اور کانگریس۔ لہٰذا انتقال اقتدار کا معاملہ ان ہی دو قوتوں کے مابین طے کیا جا سکتا ہے۔

۱۹۳۴ء میں حضرت قائداعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ کی زمامِ قیادت اپنے ہاتھ میں لے کر سارے ملک کا دورہ کیا اور مسلم لیگ کے تن بے جان میں زندگی کی روح پھونک دی اور دو تین برس میں ہی یعنی ۱۹۳۶ء / ۱۹۳۷ء تک

مسلم لیگ کو اس قدر منظم و مستحکم کر دیا کہ ہندو کانگریس اور حکمران انگریز پھر اس کو نظر انداز نہ کر سکے۔

قائداعظم نے حکومت برطانیہ اور ہندو کانگریس کو للکار کر اعلان کیا کہ ہندوستان میں دو نہیں بلکہ تین قومیں ہیں ۱۔ حکومت برطانیہ ۲۔ ہندو کانگریس اور ۳۔ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت آل انڈیا مسلم لیگ۔ لہٰذا انتقال اقتدار کا معاملہ ان تینوں قوتوں کے درمیان ہی طے کیا جاسکتا ہے۔

قائداعظم کی بے لوث ولولہ انگیز قیادت میں پورے ملک میں مسلم لیگ کا ڈنکا بجنے لگا۔ حتیٰ کہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ نے لاہور میں ایک عظیم الشّان جلسہ منعقد کر کے دس کروڑ اسلامیان ہند کی نمائندہ حیثیت سے "قرار دادِ پاکستان" منظور کرلی اور حصول پاکستان کو مسلمانوں کا نصبُ العین اور مطمح نظر قرار دے دیا۔

مسلم لیگ کی اس جرأت اور بے باکی سے دُنیا انگشت بدنداں ہوکر رہ گئی اور دُنیا کے بیشتر ممالک میں مطالبہ پاکستان کا مذاق اڑایا جانے لگا۔

ایسے نازک دَور میں جب کہ مسلمانان ہندو پاک کی قومی زندگی اور موت کا سوال درپیش تھا۔ وہابی مولوی ملّتِ اسلامیہ کا ساتھ دینے کے بجائے ہندو لیڈروں کی گود میں جا بیٹھے اور انگریزوں کی جگہ ہندو کانگریس کی وفاداری کا جوا گلے میں ڈال کر متحدہ قومیّت اور متحدہ ہندوستان کے نعرے لگانے میں مصروف ہوگئے۔

قائداعظم کی للکار اور مسلم لیگ کی قراردادِ پاکستان کی منظوری سے پُورے ہندوستان میں ہندوؤں اور ان کے زر خرید وہابی مولویوں کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی سارے ہندو اور وہابی مولوی ایک قومی نظریئے کے عَلَم بردار بن کر تحریک پاکستان کو ناکام بنا دینے کی خاطر اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اس وقت بھی پاکستان میں ایسے لاکھوں افراد موجود ہیں جنہوں نے اپنے کانوں سے تحریک پاکستان اور قائدین مسلم لیگ کی مخالفت میں وہابی مولویوں کی اشتعال انگیز و زہریلی تقریریں سنی ہیں اور انہیں اپنی آنکھوں سے ملّتِ اسلامیہ کے خلاف زہر اگلتے اور ہندو لیڈروں کے اشاروں پر رقص کرتے دیکھا ہے۔

پروفیسر محمد خلیل اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

"ہماری تاریخ کا سب سے المناک باب ان مسلمانوں کا رویّہ ہے جو اس مہم میں کانگریس اور ہندوؤں کے ہمنوا بن گئے۔ مسلم سیاست دانوں کا وہ طبقہ جو اپنے آپ کو فخریہ طور پر قوم پرست کہتا اور قوم پرستی کے زعم میں اپنی قوم کے مفاد کو نقصان پہنچانے میں ہمیشہ پیش پیش رہا۔ اس موقع پر اپنی ہندو دوستی اور لیگ دشمنی کے امتحان میں اس شدو مد سے شریک ہوا کہ ہندو بھی اس سے پیچھے رہ گئے۔

مسلمانان ہند کی یہ تاریخی بد نصیبی ہی کہلا سکتی ہے کہ ان کا سب سے معزّز اور محترم طبقہ جنہیں علمائے کرام کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اس مہم میں سب سے پیش پیش رہا۔ ہندوستان میں "جمیعۃ العلمائے ہند[1]" اس بزرگ طبقے کی سب سے بڑی تنظیم تھی اور اس تنظیم نے اپنے آپ کو مسلم لیگ اور اس کے مطالبے کی مخالفت کے لئے وقف کرلیا۔

پھر ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں۔ " ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ کو مسلم لیگ نے تقسیم

---

[1] واضح رہے کہ جمیعۃُ العلمائے ہند دیوبندی وہابیوں کی جماعت کا نام ہے۔ پاکستان میں انہوں نے اس جماعت کا نام جمیعۃ العلمائے اسلام رکھ چھوڑا ہے۔ (مؤلف)

ملک کا مطالبہ پیش کیا اور اس کے دو یا تین ہفتے بعد اپریل ۱۹۴۰ء میں جمیعۃ العلماء کی سرپرستی اور سرکردگی میں آزاد مسلم کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس کی تجاویز میں پہلے تو اس نام نہاد کانفرنس کی نمائندہ اور ہندوستان گیر حیثیت کے دعوے کئے گئے اور پھر یہ اعلان ہوا کہ ہندوستان ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے۔ ہندوستان کے مسلمان لازمی طور پر ہندوستانی قومیت کے اجزاء ہیں۔"

نیز تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں۔ "آگے چل کر یہ مخالفت لیگ کے قائدین کی شخصیت پر مرکوز ہونے لگی، قائداعظم ان کے دست راست اور مسلم لیگ کے معتمد عمومی خان لیاقت علی خان اور دوسرے لیگی زعماء کا اسلام ہی مشکوک قرار دیا گیا۔ بالخصوص ۱۹۴۶ء کے عام انتخابات کے دوران جمیعۃ العلماء کے نام نہاد حامیوں نے جس قسم کے رکیک اور ناروا حملے مسلم لیگی قائدین اور بالخصوص قائداعظم اور لیاقت علی خان کی شخصیت اور ذاتیات پر کئے انہیں کسی بھی معیار سے شریفانہ نہیں کہا جاسکتا۔

(ملاحظہ ہو روزنامہ جنگ کراچی "یوم پاکستان ایڈیشن ۱۹۶۸ء")

نیز اخبار جنگ رقمطراز ہے: "غیر منقسم ہندوستان میں "ملّت از وطن است" کا نعرہ لگانے والوں کے خلاف حکیم الاُمّت علامہ اقبال کی جدوجہد ہماری تاریخ کا نہایت اہم اور روشن باب ہے۔ وہ اگر یہ جدوجہد نہ کرتے تو عین ممکن تھا کہ ہندوستان کی جغرافیائی حدود مسلمانان برِّصغیر کو ملّت اسلامیہ سے علیٰحدہ کر کے ان کی انفرادیت ہمیشہ کے لئے ختم کرادیتیں لیکن ملّتِ اسلامیہ کو جغرافیائی حدود سے بلند تر قرار دے کر صاحبِ فکر مسلمانوں نے ہمیشہ کے لئے ہماری قومی انفرادیت کا تحفّظ کرلیا۔" (اخبار جنگ مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۶ء)

مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات خواجہ شہاب الدین صاحب نے لاہور کے "طلوع اسلام" کے سہ روزہ کنونیشن کے آخری دن مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۶۷ء کو

اپنے خطبۂ صدارت میں غلام احمد پرویز کو اُن کی خدمات پر خراج تحسین پیش کیا جو اُنھوں نے تحریک پاکستان کے سلسلہ میں انجام دیں اور اس کے بعد ایسے علماء کے خلاف جدوجہد کی جو نظریۂ پاکستان کے سرے سے ہی خلاف تھے۔"

(اخبار جنگ کراچی ۱۴ نومبر ۱۹۶۷ء)

صوبائی مسلم لیگ کے سربراہ اور صوبائی وزیر خزانہ مسٹر احمد سعید کرمانی نے شاہ عالم مارکیٹ لاہور میں ایک اجلاس میں خطاب کرتے ہوئے مسلم لیگی کارکنوں کو ایسے عناصر سے خبردار کیا ہے جو تحریک پاکستان کے دوران کانگریس کے ہاتھ مضبوط کرتے رہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ لوگ کبھی تعمیری سرگرمیوں میں مصروف نہیں ہوسکتے صرف انہی لوگوں سے مثبت سرگرمیوں کی توقع کی جاسکتی ہے جو تحریک پاکستان میں سرگرم کردار ادا کر چکے ہیں۔ (جنگ ۷ مئی ۱۹۶۸ء)

چکوال ۱۱ر جنوری ۱۹۶۸ء (ا'پ'پ) صوبائی وزیر خزانہ مسٹر احمد سعید کرمانی۔ وزیر تعلیم خان محمد علی خاں اور وزیر تعمیرات مسٹر محمد خان جونیجو نے کہا کہ مسلم لیگ نے قائداعظم کی قیادت میں سخت جدوجہد کے بعد پاکستان حاصل کیا تھا اور وہی اس ملک کی دیکھ بھال کر سکتی ہے۔ عوام کو چاہیئے کہ وہ کسی حالت میں بھی ان لوگوں پر اعتماد نہ کریں جنھوں نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ وزیر اطلاعات نے لوگوں سے کہا کہ وہ ان قوتوں پر ہرگز اعتماد نہ کریں جنھوں نے قیام پاکستان کی جدوجہد میں قائداعظم کی مخالفت کی تھی۔ (جنگ کراچی ۱۳ر جنوری ۱۹۶۸ء)

سُنّی بریلوی علمائے کرام اور مشائخ عظام نے ہر قدم پر تحریکِ پاکستان کے مخالفین وہابی مولویوں کی بھرپور مزاحمت کی۔ ملک گیر طوفانی دورے کر کے ہر مقام پر ان کے اعتراضات اور پروپیگنڈے کی مکمل تردید کی۔ قائداعظم خان لیاقت علی

خان اور دوسرے مسلم لیگی رہنماؤں پر وہابیہ کی الزام تراشیوں بہتان طرازیوں کے دفاع میں ترکی بہ ترکی دندان شکن جواب دئے اور خدا داد صلاحیتوں سے پوری طرح کام لیتے ہوئے مسلمانانِ ہند کو حصولِ پاکستان کی خاطر متحد ہو کر تن من دھن کی بازی لگا دینے کی پُر زور تلقین کی۔

علمائے اہلسنّت و جماعت اور مشائخ کرام نے بیک وقت ہندو لیڈروں، احراری، خاکساری، ندوی، مودودی پارٹی، غیر مقلدین (نام نہاد اہل حدیث) اور دیو بندی و غیر ہم تمام وہابی پارٹیوں کا سر توڑ مقابلہ کیا۔ فرزندان توحید کے سامنے انہیں بے نقاب کر کے اچھی طرح واضح کر دیا کہ یہ جملہ مخالفین پاکستان وہابی ہندوؤں کے ایجنٹ گاندھی، نہرو، پٹیل، کے زَر خرید غلام مسلمانوں کے چھُپے دشمن اور ملّتِ اسلامیہ کے غدّار ہیں۔ مسلمان وقت کی نزاکت کو سمجھیں ان کے دامِ تزویر میں نہ آئیں اور متحد اور منظم ہو کر قائداعظم اور مسلم لیگی زعماء کے ہاتھ مضبوط کریں تاکہ تحریکِ پاکستان کامیاب ہو اور قافلہ ملت منزل مقصود تک پہنچ جائے۔

مقامِ صد شکر ہے کہ مسلمان قوم نے علماء اور مشائخ اہلِ سنت کے پیغام کو گوش ہوش سے سنا۔ سن کر سمجھا اور اس پر پوری طرح عمل بھی کیا۔ مسلمان بحثیت مجموعی مسلم لیگ کے سبز ہلالی پرچم کے سائے میں آہنی دیوار بن کر دشمنان پاکستان کے سامنے ڈٹ گئے۔ ہر پیر و جوان کی زبان سے "لے کے رہیں گے پاکستان۔" مسلم لیگ زندہ باد اور قائداعظم زندہ باد کے فلک شگاف نعرے بلند ہونے لگے اور بالآخر مسلم قوم مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر قائداعظم کی بے مثال و شاندار قیادت میں پوری آن بان اور شان کے ساتھ منزل مقصود پر پہنچ گئی۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت ایک حقیقت بن

کر معرضِ وجود میں آگئی ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے فرزندانِ توحید اپنا نصب العین حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے اور غدّارانِ ملت وہابی مولوی خائب و خاسر اور ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے ۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ وَالصَّلوٰۃ والسّلام علیٰ حبیبہٖ سیدنا مُحَمَّدٍ وَّعلیٰ آلہٖ واَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن ۔

اب ان مفاد پرست وہابیوں کی ابنُ الوقتی دیکھئے کہ یہی لوگ جو پاکستان کے مخالف اور مسلم لیگ کے کٹر دشمن تھے قیامِ پاکستان کے بعد ان میں سے اکثر و بیشتر پاکستان ہی میں آکر پناہ گزین ہوئے اور مسلم لیگ کی حکومت سے ہی مکانوں، دکانوں، کارخانوں اور زرعی زمین کے زیادہ سے زیادہ الاٹمنٹ آرڈر حاصل کرنے میں لگ گئے ۔

قائدین مسلم لیگ اور حکّامِ پاکستان نے انہیں اچھّی طرح جاننے اور پہچاننے کے باوجود دوسرے لاکھوں مہاجروں کے ساتھ ان وہابیوں کو بھی بِلا امتیاز نوازنے اور پناہ دینے میں کچھ دریغ نہ کیا ۔ نہایت فراخ دلی سے ان کی آباد کاری کی گئی ۔ مگر اس کے باوجود یہ وہابی صاحبان اپنے سابقہ شرمناک کردار پر نادم اور قائدین مسلم لیگ کے احسان مند اور شکر گزار ہونے کے بجائے مذہب کی آڑ میں حکومت کے خلاف نفرت اور مایوسی پھیلانے اور دوسری طرف حسبِ عادت بات بات پر سنی مسلمانوں پر بدعت شرک اور کُفر کے فتوے لگا کر انتشار اور بدامنی برپا کرنے کی وہابیانہ حرکتیں کرنے لگے اور جب علمائے اہلسنّت مجبور ہو کر ان کی خرافات کا جواب دیتے اور ان کے بے ہودہ فتاویٰ کی تردید کی جانب متوجہ ہوتے تو جھٹ پکار اٹھتے کہ دیکھو جی یہ سُنّی مولوی ہمیں بُرا بھلا کہتے ہیں اور بدامنی پیدا کرتے ہیں ۔

مختصر یہ کہ قیامِ پاکستان سے لیکر آج تک وہابی مولوی حکومت و اقتدار پر قبضہ جما لینے کی مسلسل سر توڑ کوشش کر رہے ہیں تا کہ پاکستان کو خالص وہابی

اسٹیٹ بنا کر مسلم لیگیوں ، سُنّی مسلمانوں سے اپنی ذِلّت آمیز شکست کا بدلہ لے سکیں۔

چونکہ وہابیوں کا تحریک پاکستان میں کوئی حصّہ نہیں۔ بلکہ یہ لوگ تحریک پاکستان کے کٹر مخالف رہے ہیں اور ملک میں ایسے کروڑوں افراد تاحال موجود ہیں جو انہیں اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔ اس لئے وہابی صاحبان یہ کہنے کی جرأت تو کر نہیں سکتے کہ ہم نے جدو جہد آزادی میں اتنا حصّہ لیا یا حصول پاکستان کی خاطر کچھ قربانیاں دی ہیں۔ یہ لوگ اپنے گزشتہ لیڈروں کو مجاہدینِ اسلام اور تحریکِ آزادی کے ہیرو مشہور کر کے پاکستان کے عوام پر مفت کا احسان رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کا پروپیگنڈہ یہ ہے کہ ہمارے اسلاف کی جدّوجہدِ آزادی کے نتیجے میں ہی پاکستان معرضِ وجود میں آیا ہے لہذا پاکستان پر سب سے زیادہ حق ہمارا ہے۔

برعکس نہند نام زنگی کافور

مقامِ تعجب کہ بعض تعلیم یافتہ حضرات تک ان کے پروپیگنڈہ کا شکار اور زبردست تاریخی غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ سید احمد رائے بریلوی۔ مولوی محمد اسماعیل دہلوی۔ مولوی نذیر حسین دہلوی۔ مولوی رشید احمد گنگوہی اور دیگر پیشوایانِ وہابیہ جنہیں آج بڑی شدو مد کے ساتھ انگریزی اقتدار کے دشمن، مجاہدینِ اسلام اور تحریکِ آزادی کے رہنما قرار دیا جارہا ہے خود وہابیہ کی تصانیف سے ان کا حکومتِ برطانیہ کا وفادار جانثار ہونا اظہر من الشّمس ہے۔

اس کتاب میں پیشوایانِ وہابیہ کے کارناموں کو بالتفصیل اور باحوالہ پیش خدمت کر رہا ہوں۔ ناظرین ان حوالوں کو مذکورہ کتب میں دیکھ کر تسلّی کر سکتے ہیں۔

خُدا گواہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف و اشاعت سے کسی کی دل آزاری یا کسی پر بے جا الزام و اتّہام مقصود نہیں بلکہ تاریخی حقائق کی روشنی میں آزادانہ

تحقیق اور اظہارِ حقیقت مطلوب ہے۔

الغرض میرا حقیقی مقصد محض تاریخی خدمت ہے جبکہ تاریخی حقائق کو مسخ کرنے کی منظم کوشش کی جارہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری نئی نسل کے استفادہ کے لئے اس کتاب کی تالیف و اشاعت نہایت ضروری ہے۔ تاکہ ہماری قومی تاریخ کا ریکارڈ درست رہے۔

بقول جناب پیر علی محمد صاحب راشدی۔ "جب سیاست ایسی کہُر بن کر تاریخ پر چھانے لگے کہ تاریخی حقائق مدّہم نظر آنے لگیں تو حقائق کے واقف کاروں کا یہ لازمی فرض ہوجاتا ہے کہ وہ حقائق پر پردہ نہ پڑا رہنے دیں۔"

(روزنامہ جنگ کراچی مورخہ ۴ مارچ ۱۹۶۷ء)

فقط

الفقیر الی الرحمان۔ ابوالحسان حکیم محمد رمضان علی قادری غفرلہ،
سنجھورو سندھ مورخہ یکم اگست ۱۹۶۸ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

برادرانِ اسلام! فتنۂ وہابیت وہ خطرناک فتنۂ عظیم ہے۔ جس کی بنیاد ہی مُسلم دشمنی پر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے محبوب دانائے غیوب حضرت محمدؐ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُمتِ مرحومہ کو آج سے تقریباً چودہ سو سال قبل ہی اس فتنہ سے آگاہ فرما دیا تھا اور خوارج و وہابیہ کی علامات بیان فرما کر تاکیداً ارشاد فرمایا: "اِیَّاکُمۡ وَاِیَّاھُمۡ" (الحدیث) ایسے لوگوں کو اپنے سے دُور رکھنا اور تم اُن سے دُور رہنا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم یمن سے آیا ہوا مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے کہ فجاء رجل کث اللحیتہ مشرف الوجنتین غائر العینین ناتئی الجبین محلوق الراس فقال اتق اللّٰہ یا محمد قال فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فمن یطع اللّٰہ ان عصیتہ ایامننی علی اھل الارض ولاتا مندنی قال ثم ادبر الرجل فاستاذ ن رجل من القوم جی قتلہ یرون انہ خالد بن الولید فقال رسول اللّٰہ

صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان من ضنضی ھذا قوماً یقرؤن القرآن لایجاوز حنا جرھم یقتلون اھل الاسلام ریدعون اھل الاوثان یمرقون من الاسلام کما یمرق السھم من الرمیۃ ۔ (مسلم ج ۔ ا صفحہ ۲۴۰) الحدیث ۔

پس ایک شخص آیا الجھی ہوئی گھنی داڑھی والا بُلند رُخساروں دھنسی ہوئی آنکھوں والا پیشانی اُبھری ہوئی۔ اُسترے سے سَر منڈا ہوا ۔ اُس نے کہا اے محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اللہ سے ڈر (یعنی مالِ غنیمت تقسیم کرنے میں بے انصافی نہ کر) رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا اگر میں ہی اللہ کی نا فرمانی کروں تو اور کون اللہ کی فرمانبرداری کرے گا ؟ اللہ تو مجھے زمین والوں پر امین بناتا ہے آیا تم مجھے امین نہیں سمجھتے " پھر جب وہ شخص پیٹھ پھیر کر مڑا (یعنی واپس جانے لگا) تو جماعت میں سے ایک آدمی غالباً خالد بن ولید نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے اس شخص کو قتل کر دینے کی اجازت طلب کی تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا : اس کی اصل سے ایک ایسی قوم نکلنے والی ہے کہ وہ قرآن پڑھیں گے ، مگر قرآن اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا ۔ وہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بت پرستوں سے تعرض نہیں کریں گے ۔ اور وہ لوگ اسلام سے اس طرح نکل جائیں گے ۔ جیسے تیر نشانہ (شکار) سے پار نکل جاتا ہے ۔

اور ایک روایت میں ہے کہ **قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم دَعۡہُ فان لہ اصحابا یحقر احدکم صلوتہ مع صلاتھم وصیامہ مع صیامھم ویقرون القرآن لایجاوز تراقیھم** ۔ الحدیث (مسلم ج ۔ ا صفحہ ۳۴۱)

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا " اس (معترض) کو جانے دو یعنی اسے قتل نہ کرو پس یقیناً اس کے ایسے ساتھی پیدا ہونے ہیں جن کی

نمازوں کے سامنے تم اپنی نمازوں کو حقیر جانو گے اور ان کے روزوں کے مقابلہ میں اپنے روزوں کو حقیر سمجھو گے وہ قرآن کے قاری ہوں گے لیکن قرآن ان کی گردنوں سے نیچے نہیں اترے گا"

شارح مسلم امام نودی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ "محدث قاضی عیاض علیہ الرحمۃ نے اس کے دو معنی بیان فرمائے۔ ایک یہ کہ یہ لوگ قرآن پڑھیں گے مگر ان کے دل تعلیماتِ قرآن کو سمجھ نہیں سکیں گے اور تلاوتِ قرآن سے کچھ نفع حاصل نہیں کریں گے، اور حلق، حنجرہ اور منہ سے اَدائیگی حروف تقطیع و تلاوت کے سوائے قرآن سے ان کے لئے کچھ بھی حصّہ نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ ان کا کوئی عمل اور تلاوتِ قرآن بارگاہِ الٰہی میں نہ پہنچے گا اور نہ قبول کیا جائے گا"۔ ؎

؎ واقعات شاہد ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و سلّم کا یہ ارشاد بہ تمام و کمال خوارج، نجدیوں اور وہابیوں پر صادق آتا ہے۔ خوارج بھی مسلمانوں سے لڑتے اور انہیں قتل کرتے رہے اور ہندو پاک وہابی بھی ہمیشہ اہلِ اسلام ہی سے برسرِ پیکار رہے ہیں الغرض یہ لوگ ہمیشہ مسلمانوں کے دشمن اور کافروں، بُت پرستوں کے دوست رہے ہیں ماضی بعید کے واقعات آپ آئندہ اوراق میں پڑھیں گے تازہ واقعات کی ایک جھلک اس مقام پر پیش خدمت ہے۔

۱۹۵۶ء میں حکومتِ سعودیہ نے بھارت کے ہندو وزیر اعظم جواہرلال نہرو کو (جس کے ہاتھ لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کے خون سے آلودہ ہیں) دعوت دے کر اس سرزمینِ عرب میں بُلایا جس میں قرآن کی رُو سے کفّار کا داخلہ ممنوع ہے اور پھر جس طرح اس ظالم و کافر کا وہاں استقبال کیا گیا اس کو دیکھ کر مسلمانانِ عالم

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

بخاری جلد دوم صفحہ ۸۲۳ پر اس گستاخِ رسول کے مندرجہ بالا حلیہ کے ساتھ مشمّر الازار بھی وارد ہے یعنی اس معترض نے تہبند کھینچ کر باندھ رکھا تھا

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

کے دِل زخمی ہو گئے اس کے استقبال کی کیفیت کا اخبارات کی سُرخیوں اور اقتباسات سے اندازہ فرمایئے اور وہابیہ کی شرک دشمنی جذبہ توحید اور اتّباعِ حدیث کی داد دیجئے۔ اخبارات نے لکھا "سعودی عرب میں نہرو کا مرحبا رسول السّلام (امن کے پیغمبر نہرو) ہم تیرا خیر مقدم کرتے ہیں" اور "جے ہند" کے نعروں سے استقبال کیا۔ عرب کی تاریخ میں پہلی مرتبہ نہرو کے استقبال کے لئے عرب (نجدی) عورتیں بھی موجود تھیں یہ خواتین ٹرکوں اور کیڈلاک کاروں میں بیٹھی ہوئی مسٹر نہرو کو نقابوں سے جھانک رہیں تھیں۔ ریاض پہنچنے پر شاہ سعود نے نہرو کو گلے سے لگا لیا شاہ سعود، نہرو کی پنج شیلا پر ایمان لے آئے۔

"بھارتی وزیر اعظم کو "ریاض" میں ایک اسکول میں لے جایا گیا۔ جس میں سعودی عرب کے شہزادے بھی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جب نہرو اس اسکول کے ایک کمرے میں داخل ہوئے تو انہیں یہ دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ طلباء "گرودیو ٹیگور" کی گیتا نجلی کے بھجن ملکر گا رہے تھے جو اسکول کے نصاب تعلیم میں شامل ہے شاہ سعود کے بھائی "سطام" نے نہرو کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا "آپ عرب نہیں لیکن ہمارے بھائی ہیں۔ نیز کہا نہرو ایک مضبوط ہاتھ ہیں جس پر عرب بھروسہ کر سکتے ہیں۔"

دہران میں سعودی عرب کے گورنر نے نہرو کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا۔ جس میں کہا گیا "پنڈت نہرو اور ان کی حکومت نے اسلام اور مسلمانوں

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھیے)

نیز خوارج کی علامات میں سے سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک علامت یہ بیان فرمائی "**سیما ھم التحالق**" (مسلم ج۔ ا صفحہ ۳۴۲) "اُسترے سے سَر

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

کی دوستی اور ان کے مفادات کے تحفّظ کے لئے جو شاندار خدمات سَرانجام دی ہیں سعودی عرب کے لوگ (نجدی) ان کی قدر کرتے ہیں اور انہیں نہرو پر فخر ہے، پنڈت نہرو دُنیا کی عظیم ترین شخصیتوں میں شمار ہوتے ہیں۔" (روزنامہ جنگ کراچی مورخہ ۲۷، ۲۸، ۲۹ ستمبر ۱۹۵۶ء)

ہندوستان کے سہ روزہ دیوبندی اخبار "مدینہ" بجنور نے اپنی ۵ر اکتوبر ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں اداریہ کا عنوان ہی "مرحبا نہرو رسول السّلام" رکھا (**نعوذ با اللہ من ذالک**) یہی اخبار یکم نومبر ۱۹۵۶ء کی اشاعت میں لکھتا ہے۔"وزیراعظم نہرو کے دورۂ سعودی عرب کے موقعہ پر جدّہ میں مولانا کرم علی (نجدی وہابی) نے وزیراعظم کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا جس کے بعض اقتباسات یہ ہیں: "محترم وزیراعظم! ہم ایک ایسی سرزمین پر آپ کا استقبال کرتے ہوئے بہت مسرور ہیں، جس کی نگرانی ایک ایسی محترم ذات کے ہاتھ میں ہے، جو ہمارا مذہبی امام اور خلیفۃ المسلمین ہے ہم آپ کی محبوب ترین شخصیت پر فخر کرتے آئے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ آپ ہمارے عظیم ترین رہنما کی حیثیت سے ہمیشہ زندہ و سلامت رہیں۔" محترم پنڈت جی ہم آپ کے احسانات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بڑی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ معزز مہمان محترم رہنما پنڈت جی! ہم آپ کے استقبال اور خوش آمدید کہنے کے لئے جو کچھ بھی کہیں یا کریں وہ سب آپ کی عظیم ترین شخصیت کو دیکھتے ہوئے کم ہے۔ ہم آپ کی ذات پر فخر کرتے

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

منڈانا ان کی خاص علامت ہے" شیخ محقق علامہ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرّہٗ العزیز کی شرح "مشکوٰۃ اللمعات" (ج ۴ صفحہ ۵۶۱) میں ان علامات کے تحت حاشیہ پر مرقوم ہے " ایں حلیہ دلالت دارد" بر شرارت وجہالت و قساوت قلب و ہمہ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

ہوئے آپ کو برکت و سلامتی کا پیغامبر سمجھتے ہیں۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم سب مل کر یہاں اپنے محبوب ترین لیڈر کی آمد کی یادگار قائم کریں۔ عالی جناب وزیراعظم مبارکباد اے عظیم شخصیت کے مالک عرب ہند دوستی زندہ باد۔ شاہ سعود زندہ باد جواہرلال نہرو زندہ باد" ناظرین اس شرمناک واقعہ کے خلاف اخبارات میں شدید احتجاج کیا گیا اور نجدیوں کی ان مذموم حرکتوں کی بھرپور مذمّت کی گئی اس سلسلہ میں کراچی مسلم لیگ تنظیمی کمیٹی نے اپنے ایک اجلاس میں ایک قرارداد پاس کی۔ قرارداد میں کہا "مملکتِ سعودیہ عربیہ کا پنڈت جواہرلال نہرو کو ریاض میں مدعو کرنا۔ پھر ان کے استقبال کے موقع پر وزیراعظم بھارت کو رسول السلام کا خطاب دینا اور یہ ظاہر کرنا کہ بھارت میں مسلمانوں کو ہر قسم کا امن و سکون حاصل ہے۔ نیز استقبال کے وقت گیتا کا پیش کیا جانا۔ ایسے المناک واقعات ہیں، جن کے باعث نہ صرف پاکستان بلکہ عالم اسلام میں حکومت سعودیہ عربیہ کی طرف سے منافرت پیدا ہو رہی ہے۔ حکومت سعودیہ عربیہ کا فرض تو یہ تھا کہ پنڈت جواہرلال نہرو کو مجبور کرتے کہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم بند کردے مگر اس نے فضائل و مناقب کا ایک ایسا مکروہ پارٹ ادا کیا ہے جس پر یہ اجلاس نفرت و مذمّت کا اظہار کرتا ہے۔ (روزنامہ نوائے وقت لاہور ۲۸ ستمبر ۱۹۵۶ء، ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں جولائی ۱۹۵۷ء)

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

خوارج ہمچنیں بودند۔ یہ حلیہ شرارت و جہالت اور قساوتِ قلب پر دلالت کرتا ہے اور سارے خارجی ایسے ہی ہوتے ہیں۔

ناظرین، خوارج وہابیہ کے حالات اور اُن کے کارناموں سے بسہولت سمجھ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

دیوبندی وہابیہ کی نہرو کانگریس اور گاندھی پرستی:

وہابی علماء کو نہرو گاندھی اور کانگریس سے جو پیار ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں، وہابی کانگریسی مولویوں نے "گاندھی جی کی جے" کے نعرے لگوائے۔ مشرک کانگریسی لیڈروں کے گلے میں ہار ڈالے مشرک کانگریسی لیڈروں کو مسجدوں میں لاکر منبر پر بٹھایا اور مسلمانوں کا واعظ و ہادی بنایا۔ گاندھی کو امام، مفکر، سردار و رہبر بتایا اور کہا کہ امام مہدی کی جگہ "امام گاندھی" تشریف لائے ہیں۔ اگر نبوّت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔ دس ہزار جناح، شوکت اور ظفر، جواہرلال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جا سکتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ حوالہ کے لئے دیکھو، دیوبندی مذہب اور انوارِ آفتابِ صداقت وغیرہ۔ پھر وہابیوں کا گاندھی کے ساتھ یہ رشتہ و تعلق صرف اس مشرک کی زندگی تک ہی نہ تھا بلکہ اب بھی اسی طرح قائم ہے چنانچہ ستمبر ۱۹۵۶ء میں نجدی وہابیوں نے اپنے دارالخلافہ "نجد" میں نہرو کو بلاکر اس کی زبانی گاندھی کی 'نعتیں' سنیں اور گاندھی کا نعرہ لگایا اور ہندوستان میں ۳۰ جنوری ۱۹۵۷ء کو تلک ہال کانپور میں کانگریس کی طرف سے مہاتما گاندھی کا "یوم شہادت" منایا گیا۔ علاوہ دیگر کانگریسیوں کے قوم پرست مسلم (وہابی) کانگریسیوں نے بھی اپنے باپو کے غم میں شرکت کی۔ جناب حافظ بیت اللہ صاحب رُکن جمیعۃ العلماء ہند اور حضرت بابا خضر محمد سابق سرپرست جمیعۃ العلماء ہند کانپور نے مہاتما

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

سکتے ہیں کہ یہی وہ گروہ ہے جس کے متعلق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ لوگ بہترین نمازی اور روزہ دار ہونے کے باوجود اور حافظ و قاریٔ قرآن ہو کر دین اسلام سے خارج ہوں گے، ان کے دل فیضِ قرآن اور نورِ ایمان سے خالی ہونگے۔ قرآن اُن کی زبانوں پر ہی ہوگا، اُن کے دِلوں تک نہیں

(بقیہ فٹ نوٹ صفحۂ گذشتہ)

گاندھی کی روح کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے قرآنِ کریم کی آیتیں ان کی تصویر کے سامنے بیٹھ کر پڑھیں اور ان کی روح کو بخشیں۔ ایک جانب لوگ بھجن گا رہے تھے تو دوسری جانب جمیعۃ العلماء ہند دیوبند کے کچھ ذمّہ دار ارکان تلاوتِ قرآن کریم کر رہے تھے۔ (اخبار سیاست، کانپور، بھارت۔ یکم فروری ۱۹۵۷ء)

دیوبندی وہابیوں کے شیخ الاسلام حسین احمد صدر دیوبند کی کانگریسیت و گاندھی پرستی کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے اپنے لئے یہ اصول بنا لیا تھا کہ جس میّت کا کفن کھدّر کا نہ ہوگا اس کی نمازِ جنازہ نہ پڑھاؤں گا اور اب آزادی کے بعد بھی وہ اسی پر جمے ہوئے ہیں۔ (ماہنامہ تجلی۔ دیوبند فروری، مارچ ۱۹۵۷ء)

دیوبندی مولوی بشیر احمد عثمانی کا بھتیجہ عامر عثمانی فاضل دارالعلوم، دیوبند، ماہنامہ "تجلی" ماہ اپریل میں لکھتا ہے۔ پنڈت نہرو کی ہاں میں ہاں ملانے کا سعادتمندانہ فرض بڑے بڑے علماء ربانیّین (دیوبند) کو بھی "بتقاضائے دینی" ادا کرنا پڑ رہا ہے۔ اگر پنڈت نہرو یہ کہہ دیں کہ دین اور سیاست کو ایک سمجھنے والے نرے گدھے۔ تو "علماء ربّانی و حقّانی دیوبند" کی ایک بڑی کھیپ اس پر تصدیقی دستخط کر دے گی اور جو پُرانے مولوی و ملّا دستخط سے گریز کریں گے انہیں زندیق و کافر ٹھہرا کر جیل میں بھجوانے کی ترکیبیں کرے گی (ملخصاً)۔

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

اُترے گا۔ نیز فرمایا:

یتلون کتاب اللہ رطبا لاتجاوز حنا جرھم یمرقون من الدین

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

الحاج نہرو:

نمائندہ کوہستان مقیم بغداد رقمطراز ہے "حقیقت میں دیارِ عرب میں ہندوستان کا پروپیگنڈا (دیوبندیوں کی بدولت) بہت زبردست ہے یہی سبب ہے کہ عرب لوگ ہندوستان کی محبت میں بہت غلو کر گئے ہیں اور ہندوستانی لیڈروں کو مقدس ہستیاں تصوّر کرتے ہیں جب پنڈت جواہرلال نہرو ارض مقدس کا دَورہ کرنے گئے تھے تو انہیں "رسول السّلام" کے لقب سے نوازا گیا تھا اور یہاں (بغداد) کے اخبارات نے جلی سرخیوں سے الحاج نہرو لکھا تھا۔ میرے ایک شاگرد کہنے لگے "واللہ نہرو عظیم" (خُدا کی قسم نہرو عظمت والا ہے) "وھوا رجل زین" اور وہ بہت اچھا آدمی ہے (کوہستان لاہور ۱۴ فروری ۱۹۷۵ء)۔

روزنامہ جنگ کراچی ۲۸ ستمبر ۱۹۵۶ء میں رئیس امروہوی نے ایک شعر میں طنزاً "نہرو" کو "نیم حاجی" لکھا تھا:

عرب کی خاک پر تقدیر نے پہنچا دیا ان کو بَنے پنڈت جواہرلال نہرو نیم حاجی بھی!

مگر یہاں دیکھیے کہ کافر نہرو کو پُورا "الحاج" بنادیا گیا ہے، یہاں رئیس امروہوی کی ایک رباعی نہرو کے دورۂ نجد کے متعلق بھی ملاحظہ ہو:

جپ رہا ہے آج مالا ایک پنڈت کی عرب برھمن زادے میں شانِ دلبری ایسی تو ہو

حکمتِ پنڈت جواہرلال نہرو کی قسم! مَر مِٹے اسلام جس پر "کافری" ایسی تو ہو!

(جنگ کراچی ۲۹ ستمبر ۱۹۵۶ء)

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھیے)

كما يمراق السهم من الرميه (بخاری صفحہ ۶۲۳ ۔ ۲۶۴ جلد ۲) اور مسلم صفحہ ۳۴۱ جلد ۱ میں ہے: يتلون كتاب الله ليّنا رطبا (الحدیث)۔ اُس کے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحۂ گذشتہ)

اور علّامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے شاید انہی لوگوں کے متعلق کہا ہے۔

شیخ در عشقِ بُتاں اسلام باخت   رشتۂ تسبیح از زنّار ساخت!

نہرو حکومت کے ایجنٹ و مبلغ:

ہندوستان کی حکومت وزارتِ خارجہ عرب ممالک میں پروپیگنڈا کیلئے ان لوگوں کو منتخب کرتی جو ہندوستان کے عربی مدارس خاص طور پر دیوبند میں تعلیم حاصل کر چکے ہوں۔ ایک تو وہ لوگ نظریاتی طور پر ان کے متفق ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ لوگ عربی جاننے کے ساتھ اپنے ملک کے حالات سے بھی بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ چنانچہ عرب ممالک میں ہندوستانی سفار تخانوں کے پروپیگنڈہ سیکشن میں کام کرنیوالے جتنے لوگ ہیں ان میں ان (دیوبندی) عالموں کی بڑی اکثریت ہوتی ہے اور یہ لوگ بڑی جانفشانی سے کام کرتے ہیں۔ (روزنامہ کوہستان لاہور ۲۸ فروری ۱۹۵۶ء)۔

"بھارت سے کانگریسی مولویوں کا ایک وفد جس کی قیادت جمعیۃ العلماء ہند (دیوبند) کے سیکرٹری کر رہے تھے وہاں (مکّہ مکرّمہ) آیا ہوا تھا۔ اس وفد نے شاہ سعود کو یقین دلایا کہ "بھارت کے مسلمان بڑے امن سے اپنی زندگیاں گذار رہے ہیں۔ پنڈت نہرو کی حکومت ان کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کر رہی ہے" اس وفد نے عرب میں بھی اسی قسم کا پروپیگنڈا کیا۔ حالانکہ اس وقت تمام بھارت میں مسلمانوں پر ظلم و تشدّد کی انتہا کی جارہی تھی۔ ان کو قتل کیا جارہا

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

تھا۔ اُنکے خون سے ہولی کھیلی جارہی تھی۔ ہزاروں مسلمانوں کو توہینِ رسالت کے خلاف احتجاج کے جرم میں جیل میں ڈال دیا گیا تھا اور مساجد کو مندروں میں تبدیل کیا جارہا تھا اور پچاس ہزار کے قریب مسلمانوں کو شدھی، (مُرتد) کرنے کا اعلان ہو چکا تھا (روزنامہ سعادت لائلپور ۷ اکتوبر ۱۹۵۶)

"بھارت سے ہر سال حاجیوں کے قافلہ کے ساتھ احراری مولوی یا کانگریسی مولوی کو بھیجا جاتا ہے جو پاکستان کے خلاف اور بھارت کے حق میں پروپیگنڈا کرتا ہے" (روزنامہ کوہستان لاہور ۲ نومبر ۱۹۵۶)

ڈاکٹر راجندر پرشاد کی دارالعلوم دیوبند میں دعوت

واضح رہے کہ وہابیت کے دو بڑے مرکز ہیں "نجد" اور "دیوبند"۔ ستمبر ۱۹۵۶ء میں نجدیوں نے ظالم اور مشرک جواہرلال نہرو کو نجد بُلایا۔ آنکھوں پر بٹھایا اور جولائی ۱۹۵۷ء میں نام نہاد مؤحدین دیوبندی وہابیوں نے صدر بھارت ڈاکٹر راجندر پرشاد مُشرک کو دار العلوم دیوبند میں بلایا۔

دیوبندی مودودی ماہنامہ "تجلّی" دیوبند جس کا ایڈیٹر برادرزادہ شبّیر احمد عثمانی فاضل دیوبند لکھتا ہے "دنیا کی مشہور دِینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی دعوت پر ۳۱ جولائی کو جمہوریۂ ہند کے صَدر جناب ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب تشریف لائے جناب صَدر کی آمد سے قبل تقریباً دس روز تک دارالعلوم کے تمام اسٹاف نے جس ذوق شوق، تن دہی اور دِلچسپی سے اپنے معزّز مہمانوں کے استقبال کی تیاریاں کیں ان کا تفصیلی بیان ایک دفتر چاہتا ہے۔ ہمیشہ عیدِ قرباں پر دس

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

بارہ دن کی چھٹیاں ہوا کرتی تھیں لیکن اس مرتبہ انہیں بھی ختم کرنا پڑا اور دفترِ اہتمام سے آرڈر جاری ہوا کہ تمام اسٹاف راجندر کے استقبالی انتظام کی تکمیل میں پُوری طرح مصروف رہے۔

میرے (مدیر تجلّی) کے اپنے کئی اقرباء مدرسہ میں ملازم ہیں۔ ان میں سے ایک کے ذوق و شوق کا عالم تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ علی الصّباح مدرسہ تشریف لے جاتے اور پھر رات تک ان کا پتہ ہی نہ چلتا۔ جمُعہ کے دن دوپہر کا کھانا کھانے بمشکل تین بجے گھر آسکے۔ جی چاہا کہ پوچھوں "کیا نماز جمُعہ کی بھی چھٹی نہیں ملی؟" مگر چُپ ہو رہا کہ کہیں ان کے مقدس جذبات کو ٹھیس نہ لگ جائے آخر جمعہ تو ہر ساتویں روز آتے ہیں مگر صدر جمہوریہ روز روز نہیں آتے جلسے کی شرکت کے لئے انگریزی زبان میں نہایت نفیس دعوت نامے چھاپے گئے تھے جلسہ اس پنڈال میں ہوا، جو ہزار سے زیادہ روپے خرچ کرکے وسیع دارالطلباء میں بنوایا گیا تھا بہت شاندار معزّز مہمان کی شان کے مطابق۔ سب سے پہلے وطنی ترانہ پڑھا گیا اس وقت صدر جمہوریہ اور تمام اساتذہ و منتظمین اور پُورا مجمع کھڑا تھا ترانے کے آخر تک سب کھڑے تھے اور پھر صدرِ محترم کی تقلید کرتے ہوئے بیٹھ گئے۔ اب تلاوتِ قرآن سے جلسہ شروع کیا گیا تلاوتِ قرآن کے وقت کھڑے ہونے کا رواج ہمارے یہاں نہیں ہے اس لئے اس کا مقابلہ ترانے کے آداب سے نہیں کرنا چاہیئے۔ تلاوت کے بعد نظمیں ہوئیں گلزار صاحب نے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ بتایا کہ اگر مولانا حسین احمد مدنی مدظلّہٗ دینِ حجازی کے امام و شیخ، ایک ولی ہے تو دوسرا "دھرماتما"

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن کو آسانی سے پڑھ لیں گے اور کثرت سے حافظِ قرآن ہوں گے نیز یہ معنی بھی بیان کئے گئے ہیں کہ یہ

(بقیہ فٹ نوٹ صفحۂ گذشتہ)

دونوں ہی کے فیض و برکت سے جمہوری حکومت اپنے بیش بہا کام سرانجام دے رہی ہے۔ انور صابری صاحب قومی و ملکی خیالات کو جامۂ شعر پہنانے میں جس قدر مشاق ہیں، وہ مشاعرے سننے والے حضرات سے پوشیدہ نہیں۔ گاندھی جی کی مظلومانہ موت پر غالباً "باپو شہید" کے عنوان سے جو نظم انہوں نے کہی تھی اس کا مقابلہ اس موضوع کی شاید کوئی نظم نہیں کر سکی۔ نظموں کے بعد حضرت (مولانا محمد طیّب) مہتمم صاحب دارالعلوم نے سپاسنامہ پڑھا۔ سپاسنامے کے آخیر میں امید ظاہر کی گئی ہے کہ جناب صدرِ جمہوریہ کی قدم رنجہ فرمائی دارالعلوم کی تاریخ کا ایک تابناک نقش ہے۔ جس پر دارالعلوم کو ہمیشہ فخر رہے گا۔ سپاسنامے کے بعد جناب صدر جمہوریہ نے تقریر فرمائی۔ اس کے بعد محترم علماء نے رسم شکریہ ادا فرمائی حضرت مولانا مدنی مدظلہٗ نے اس سلسلہ میں پانچ دس منٹ تقریر فرمائی۔ شیخ نے اپنی معروف صاف گوئی کو پوری طرح قائم رکھا اور فرمایا۔ "ہم غریب ہیں، فقیر ہیں، بے نوا ہیں۔ عالیجناب صدرِ جمہوریہ نے اپنی تشریف آوری سے نواز کر ہمیں نہایت درجہ ممنون فرمایا ہے"۔

صدرِ جمہوریہ جلسہ ختم ہونے پر دیوبند سے روانہ ہوگئے۔ میں نے دیکھا ان کی فراٹے بھرتی کار صرف ایک نظر دیکھ لینے کے لئے سینکڑوں لوگ اس طرح بھاگ رہے تھے، جیسے قرنوں پہلے قیس، ناقۂ لیلی کی طرف بھاگا ہوگا۔ کیوں نہ بھاگتے؟ آخر صدر جمہوریہ کی کار تھی۔ دار العلوم نے اپنے محبوب صدر کی آمد پر ہزاروں

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

لوگ قرآن مجید کے معنوں اور تاویل میں تحریف کریں گے یعنی آیات قرآنی کے معنوں میں گڑ بڑ کریں گے اور غلط مطلب نکالیں گے اس کی تشریح و تصدیق اس

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

روپیہ خرچ کیا۔ اور جناب صدر نے اپنی جیب خاص سے نقد ایک ہزار روپیہ مدرسہ کو عنایت کیا۔ (صرف ایک ہزار کے لئے اتنا اہتمام کیا گیا تھا اور مدرسہ کا روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا تھا۔)

شیرینی: اگلے روز جناب مہتمم صاحب (قاری محمد طیّب) نے نہ صرف یہ کہ کامیابی کی مٹھائی تقسیم فرمائی۔ بلکہ جلسۂ عام میں جناب صدر راجندر پرشاد کی خوش اخلاقی، فراخ نظری، رُوحانیت، شفقت، جودو سخا۔ انسانیت پروری، حلم ورافت اور بندہ نوازی کو بڑے وزنی الفاظ میں بہت مسرّت و دِلی جوش کے ساتھ سراہا۔

"ماہنامہ تجلّی" دیو بند اگست۔ستمبر ۱۹۵۷ء)

دارالعلوم: تجلّی کے بعد اب مدرسۂ دیو بند کے ناقوس خصوصی "دارالعلوم" دیو بند کی زبانی دیو بند میں راجندر پرشاد کی ہنگامہ خیز و جشن انگیز آمد کا حال سنئے اس سے وہابی توحید کے چند "مزید اسرار" آپ پر منکشف ہوں گے۔ لکھتا ہے۔

"۱۳؍جولائی ۱۹۵۷ کی تاریخ دارلعلوم دیو بند میں وہ تاریخی دن تھا جب دارالعلوم میں عالی جناب ڈاکٹر راجندر پرشاد صاحب بالقابہ نے صدر جمہوریۂ ہند کی حیثیت سے قدم رنجہ فرمایا۔ پروگرام کے مطابق صبح کے ۸ بجے صدر جمہوریۂ اپنے سیلون سے برآمد ہوئے تو حضرت مولانا مدنی اور مولانا محمد طیّب صاحب جو سیلون کے دروازے کے قریب کھڑے تھے آگے بڑھے' مولانا حفظ الرحمان صاحب نے ان حضرات کا تعارف کرایا۔ اولاً حضرت مولانا مدنی سے اور پھر حضرت مولانا محمد طیّب

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

روایت سے ہو جاتی ہے:

كان ابن عمر يراهم شرا خلق الله وقال انهم انطلقوا الى آيات نزلت فى الكفار فجعلوها على المومنين (بخاری صفحہ ۱۰۲۴)

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

صاحب مدظلہٗ سے صدرِ محترم نے مصافحہ کیا۔ حضرت مہتمم صاحب نے صدر کو ہار پہنایا۔ ۸ بجکر دس منٹ پر صدر محترم دارالعلوم دیوبند کے لئے اپنی کار میں روانہ ہوئے۔ اسٹیشن سے لیکر دارالعلوم تک راستہ خیر مقدم کے لئے بنائے ہوئے خوشنما دروازوں اور رنگ برنگ کی جھنڈیوں سے آراستہ تھا۔ دیوبند اور قرب و جوار کے ہزاروں اشخاص سڑک پر دو رویہ صدر کے استقبال کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ دارالعلوم سے تقریباً تین چار فرلانگ کے فاصلہ تک طلبہ دارالعلوم کی دو رویہ قطاریں کھڑی ہوئی تھیں۔ ہندو بیرونِ ہند کے طلباء کے علیٰحدہ علیٰحدہ گروپ بنا دیئے گئے تھے جو متعدد "ماٹو" لئے ہوئے تھے جب طلباء کی ان دلکش قطاروں کے درمیان سے صدرِ محترم کی کار گزاری تو دیوبند کی فضاء استقبالیہ نعروں سے گونج اٹھی۔ کتب خانہ کے معائنہ کے بعد صدر جمہوریہ ٹھیک نو بجے استقبالیہ جلسے میں شرکت کے لئے پنڈال میں تشریف لے گئے۔ عظیم الشان اور حسین پنڈال مختلف گیلریوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ صدرِ محترم نے جونہی ڈائس پر قدم رکھا پورا مجمع صدر راجندر پرشاد کے احترام میں کھڑا ہو گیا۔ حضرت مولانا مدنی نے صدر محترم کو سنہرا ہار پہنایا۔ دارالعلوم کی جانب سے "اللہ اکبر" دارالعلوم زندہ باد، صدر جمہوریہ اور جمہوری ہندوستان زندہ باد کے نعروں سے صدرِ محترم کا خیر مقدم کیا گیا۔ اور ضلع کے حکام کی جانب سے سرکاری رسوم کے مطابق قومی ترانہ پیش کیا گیا جسے

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خارجیوں کو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سے زیادہ بُرا جانتے تھے اور فرماتے تھے یہ لوگ ان آیاتِ قرآن کو جو کفار کے بارے

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

انگریزی سکول کے بچوں نے پڑھا۔ ترانہ ختم ہوتے ہی صدرِ محترم اور پُورا مجمع بیٹھ گیا اور جلسہ کی کاروائی شروع کی گئی۔ سب سے پہلے دارالعلوم کی جانب سے حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب نے صدرِ محترم کی قدم رنجہ فرمائی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا "آج دارالعلوم کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہورہاہے۔ صدرِ محترم ہندوستان کی صرف ایک عظیم شخصیت ہی نہیں بلکہ جنگ آزادی کے ایک جانباز سپاہی بھی ہیں آج وہ صدرِ جمہوریہ کی حیثیت سے یہاں رونق افروز ہیں۔ آپ کی قدم رنجہ فرمائی پر ہمیں مسرّت ہے اور ہم اس کے لئے شکرگزار ہیں" اس کے بعد تلاوتِ قرآن سے جلسہ کی باقاعدہ کاروائی کا آغاز ہوا۔ نظموں کے بعد حضرت مہتمم صاحب مدظلّہ' نے سپاسنامہ پڑھا۔ جس میں دارالعلوم کی باطنی رُوحانیّت اور توکّل و انابت وغیرہ پر روشنی ڈالتے ہوئے دارالعلوم کی چند ضرورتوں پر صدرِ محترم کی توجّہ دلائی گئی۔ صدرِ جمہوریہ کو یہ سپاسنامہ ایک منقش صندوقچی میں رکھ کر پیش کیا گیا جلسہ کے اختتام پر صدرِ جمہوریہ ریلوے اسٹیشن پر تشریف لے گئے۔ دارالعلوم کی جانب سے دوپہر کا کھانا صدرِ محترم کو ان کے سیلون ہی میں کھلایا گیا۔ حضرت مولانا مدنی مدظلّہ' حضرت مہتمم مدظلّہ' اور دوسرے متعدد حضرات کھانے میں شریک تھے۔ (ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند ستمبر ۱۹۵۷ء)

خالص شرک نوازی و کفر دوستی:

ہندوستان کے ایک نام نہاد مسلمان فضل الرحمان سیٹھ بیڑی والے نے

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

میں نازل ہوئیں مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ خارجیوں (وہابیوں) نے ہمیشہ مسلمانوں پر شرک و کفر

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

"لکشمی نرائن مندر" کی تعمیر میں بیس ہزار روپیہ دیا اور اس کا سنگِ بنیاد رکھتے ہوئے گیارہ سو روپے بطور ہدیۂ مسرّت اور دیئے۔ مندر کے موجودہ کیرتن ہال میں بجلی بھی سیٹھ صاحب نے اپنے خرچ سے لگوائی اور مندر کا سنگِ بنیاد رکھتے وقت یہ اعلان بھی کیا گیاہے کہ مندر کے لئے "شری لکشمی نرائن" کی سنگ مرمر کی مُورتی (بُت) بھی مَیں ڈھائی ہزار روپے سے اپنے خرچ پر مہیّا کروں گا، (ماہنامہ تجلّی دیوبند اکتوبر ۱۹۵۷ء نوائے وقت ۱۱ ستمبر ۱۹۵۷ء)

ناظرین! بزرگانِ دین کے مزارات شریفہ پر حاضری دینے اور فاتحہ پڑھنے کے "جرم" میں مسلمانوں کو قبر پرست و پیر پرست کہنے اور روضہ ہائے مقدّسہ کو بتوں سے تشبیہ دینے والے دیوبندی وہابیوں کی "توحید" کی داد دیجئے کہ انہوں نے نام نہاد فضل الرحمان غدّارِ اسلام نے اس شیطانی ڈرامہ کی مذمّت کرنے اور اس پر اظہارِ نفرت کرنے کے بجائے اس کی تحسین کی ہے۔ چنانچہ لائلپور کے ایک دیوبندی ہفت روزہ اخبار ۱۵ر ستمبر کی اشاعت میں اسے مسلمانوں کی روائتی ایثار پیشگی سے تعبیر کیا ہے۔ گویا دیوبندیوں کے نزدیک معاذ اللہ مسلمان پہلے سے ہی بُت شکنی کے بجائے بُت فروشی کرتے چلے آئے ہیں۔ نیز ماہنامہ تجلّی دیوبند لکھتا ہے۔ "فضل الرحمان کی بات اگر یہیں تک رہ جاتی تو مُلّا کو کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن دلچسپی کا باعث وہ مختصر تبصرہ ہے جو علماء حقّہ' کے واحد سرکاری آرگن اور ترجمان "الجمعیۃ ہند" نے اس پر فرمایا ہے کہ "ہمیں اس خبر سے یہ دکھانا

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

کے من گھڑت فتوے لگا کر ان کے خلاف جنگ و جدال کا بازار گرم رکھا ہے لیکن اصل کفّار کے ساتھ اِن کی ملی بھگت رہی ہے۔ چنانچہ وہابیہ کے سارے گروہ آج بھی جمہور مسلمانان اہلِ سنّت و جماعت پر بے بُنیاد الزامات کے تحت شرک و کفر کے فتوے داغنے میں متحّد ہیں، یہ لوگ کفّار کے معبودانِ باطل بُتوں وغیرہ کی تردید و مذمّت میں نازل شدہ آیات کو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام اور اولیاء

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

ہے کہ چھتیس کروڑ کی آبادی میں مذہبی رواداری کی مثال قائم کرنے کی توفیق بھی صرف مسلمان ہی کو حاصل ہے۔ یہ سیر چشمی یہ وسیع النّظری اور یہ رواداری سوائے مسلمان کے آپ کو کہاں نظر آسکتی ہے"۔(الجمیعۃ ۱۳ر ستمبر ۱۹۵۷ء)۔

تجلّی:۔"غور طلب یہ ہے کہ اگر مسلمان مذکور کا یہ کارنامہ سیر چشمی، وسیع النّظری اور رواداری جیسے بلند وبالا تر الفاظ سے نوازے جانے کے قابل ہے تو اس وقت ہمارے"علماء دیو بند" اپنے بلند جمہوری و قومی جذبات کا اظہار کن لفظوں میں کریں گے، جب یہ مسلمان صاحب یا اور کوئی مسلمان مارے سیر چشمی کے مُورتی کے سامنے بھجن گا کر سجدے میں گر جائے یا باقاعدہ طور پر اعلان کرے گا کہ میں آج سے اپنا تخلص "موہن داس" رکھتا ہوں اور بعد نمازِ فجر روزانہ ایک گھنٹہ مُورتی کے آگے سیس نواؤں گا۔ اگر آپ (علماء دیوبند) بُت پرستی اور کفروشرک سے تعاون و تعامل کی ترغیب دینے لگ جائیں، تو اس کے بعد آخر گمراہی و دین فروشی کا کونسا درجہ رہ جاتا ہے"۔ ؎

دیکھ مسجد میں شکستِ رشتۂ تسبیحِ شیخ
بتکدے میں برہمن کی پختہ زنّاری بھی دیکھ

(ماہنامہ تجلّی دیوبند، اکتوبر ۱۹۵۷ء)

اللہ پر اور کفار کے بارے میں نازل شدہ آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں یعنی بتوں کی جگہ انبیاء اولیاء کو اور مشرکین و کفار کی جگہ مسلمانوں کو مُراد لیتے ہیں۔

اس کے علاوہ جس طرح اس ابوالخوارج نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو یا محمدؐ اَعدل کہہ کر اپنے جیسا بشر جان کر عدل و انصاف کا وعظ سنایا حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی شان میں گستاخی و بے ادبی کا مرتکب ہوا، اسی طرح سارے وہابی حضورِ اکرم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی شان میں انتہائی گستاخ اور بے ادب ہیں۔ نیز انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ کے بارے میں دریدہ دہنی میں بے باک و مشّاق ہیں اور اس بات کا ثبوت ان کی تقریروں اور تحریروں سے ملتا ہے۔ اُن کی کتابیں ایسی بیہودہ کفریہ عبارتوں سے بھری پڑی ہیں جن پر علمائے حق (ہند و پاک، مدینہ منوّرہ اور مکّہ معظمہ کے علمائے اہل سنّت) کفر کا فتویٰ صادر کر چکے ہیں[۱]۔ اور ان کی گُستاخانہ اشتعال انگیز تحریروں کی وجہ سے مِلّتِ اسلامیہ میں انتشار و افتراق برپا ہے۔

رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و سلّم نے ان کی علامات بیان فرما کر ملّتِ اسلامیہ کو ان کے فتنہ سے خبردار فرمایا اور اپنے ارشادات سے واضح فرمایا کہ ان کے نمازی ہونے، روزہ دار ہونے حافظِ قرآن اور قاریٔ قرآن ہونے سے دھوکہ نہ کھا جانا، ان کی مومنانہ صورت و لباس اور مولویانہ رنگ ڈھنگ، ان کے جُبّہ و دستار کو دیکھکر ان کے دامِ تزویر میں پھنس نہ جانا کہ یہ لوگ تمہارے کبھی چھُپے اور کبھی ظاہر ظہور حقیقی دشمن ہیں۔

---

[۱] ملاحظہ ہو کتاب "حسّام الحرمین" مصنفہ حضرت الامام احمد خانصاب بریلوی قدس سرہٗ العزیز۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہ ہر دستے نہ باید داد دست!

چونکہ ان کا فتنہ عظیم اور مسلمانوں کو دھوکہ میں ڈالنے والا تھا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو ہشیار کرنے کی خاطر کہیں فرمایا: "**یمرقون من الاسلام**" (مسلم صفحہ ۳۴۰ جلد ۱۰) کہیں ارشاد فرمایا "**یمرقون من الدین**" (بخاری صفحہ ۶۲۳، ۶۲۴، جلد ۲) اور کہیں بالوضاحت فرمایا: "**لایجاور ایمانهم حنا جرهم**" (بخاری صفحہ ۷۵۶، جلد ۲) یہ لوگ خارج از اسلام ہوں گے۔ یہ لوگ دین سے نکل جائیں گے۔ ان کے ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا یعنی ان کا دعوائے اسلام، دعوائے دین اور دعوائے ایمان محض زبانی دعویٰ ہوگا۔ ان کے دِل اسلام، دین اور ایمان سے خالی اور بے بہرہ ہوں گے۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح فرمایا کہ:

"**علاقہ نجد سے شیطانی گروہ کا ظہور ہوگا**"

ملاحظہ ہو بخاری صفحہ ۱۴۱ جلد ۱۔ مشکوٰۃ کتاب الفتن، باب ذِکرِ الیمن والشام' میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **اللّٰھم بارک لنافی شامنا** اے اللہ ہمارے لئے برکت و فزونی عطا فرما۔ ہمارے "شام" میں، **اللّٰھم بارک لنا فی یمننا**، اے اللہ ہمارے لئے برکت عطا فرما ہمارے "یمن" میں۔

صحابہ علیہم الرضوان نے عرض کی "**یا رسول اللہ وفی نجدنا۔ یارسول اللہ** آپ نجد کے لئے بھی دُعا فرما دیں کہ اللہ ہمارے لئے نجد میں بھی برکت عطا فرمائے، حضور نے صحابہ کی عرض سننے کے باوجود پھر دعا فرمائی: **اللّٰھم بارک لنا فی شامنا اللّٰھم بارک لنا فی یمننا۔**

صحابہ نے پھر عرض کی "یارسول اللہ نجد کے لئے بھی دُعا فرمائیں" ابن عمر

رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری بار فرمایا۔ "**ھنالک الزلازل والفتن** " وہاں (نجد میں) زلزلے ہیں اور فتنے ہیں، **وبھا یطلع قرن الشیطان** اور سرزمین نجد میں قرن الشیطان طلوع ہوگا۔ یعنی نجد سے شیطانی گروہ نکلنے والا ہے۔"

واضح رہے کہ فتنۂ خوارج کی ابتداء سرزمین نجد سے ہوئی۔ اس کے بعد یہ فتنہ عراق میں پھیلا۔ اس کے بعد یہ فتنہ فارس سے اٹھا۔ پھر خراسان سے اور پھر تاتار سے۔

اور پھر یہی فتنہ سرزمین نجد سے ابن عبدالوہاب کے ذریعہ جماعتِ وہابیہ کی صورت میں نمو دار ہوا۔ اور وہاں سے پھیل کر دوسرے علاقوں میں پہنچا۔ برّصغیر ہندوستان و پاکستان میں سید احمد رائے بریلی اور محمد اسمعیل دہلوی کے ذریعہ فتنۂ وہابیہ کو فروغ ہوا۔ اور بعد میں یہاں کے وہابی مختلف ناموں سے مختلف گروہوں میں منقسم ہوگئے۔ جو تاحال دونوں ممالک، بھارت اور پاکستان میں سرگرم عمل ہیں۔

پہلا باب

تاریخِ وہابیہ

ابن عبدالوہاب نجدی:

ابوُ الوہابیہ۔ محمد بن عبدالوہاب ۱۱۱۴ ہجری میں بمقام عُیَینیہ سرزمینِ نجد (عرب) میں پیدا ہوا۔ بچپن میں پڑھنا لکھنا اپنے والد سے سیکھا اور چونکہ اس کی جبلّت سے لا اُبالی پَن اور طبیعت میں سرکشی کا مادہ کوُٹ کوُٹ کر بھرا تھا، چند ابتدائی کتابیں پڑھنے کے بعد تعلیم کو خیر باد کہہ دیا اور اِس طرح قرآن و حدیث وفقہ وغیرہ علوم ضروریہ سے بے بہرہ رہ گیا مگر اس کے باوجود خود کو تعلیماتِ اسلامی کا نہ صرف عالِم و فاضِل بلکہ ماہر و مجُتہد سمجھنے لگ گیا اور جہل مرکّب میں گرفتار ہوکر قرآن و حدیث کی تفسیر و تشریح میں محض اپنی رائے فاسد و فہم نارَسا کو ہی کافی سمجھ بیٹھا حتیٰ کہ اِس برخود غلط شخص نے آئمہ دین و مفسّرین محدّثین کے مسلکِ حق کو غلط قرار دے کر دینی مسائل میں اپنی رائے کو حرفِ آخر قرار دے دیا۔

ظاہر ہے کے اس غلط رَوِش اور ایسی بے راہ روی کے نتیجہ میں گمراہی لازم ہے چنانچہ یہ شخص عقائدِ باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ میں پھنس کر راہِ حق سے بھٹک گیا۔ مسلکِ اہلِ سنّت سے کٹ گیا سبیلُ المومنین سے پھسل کر ضلالت کے گہرے اندھیرے غار میں جاگرا اور بالآخر اس نے دینِ اسلام میں فتنہ و فساد کا

ایسا خطرناک زہریلا بیج بو دیا جو بر وقت رنگ لایا اور پھر اس شجر خبیثہ کی شاخیں رفتہ رفتہ عالمِ اسلام میں پھیلتی چلی گئیں۔

ابُوالوہابیہ ابن عبدالوہاب نجدی پر مذہبی پیشوا بننے کے ساتھ ساتھ یہ خبط بھی سوار ہوا کہ وہ سیاسی لحاظ سے بھی قوت واقتدار حاصل کرے اور پھر جس طرح بھی بَن پڑے ایک ایسی ریاست قائم کر لے، جس میں اپنے خانہ ساز اصول رائج کر سکے اور من مانی کرنے میں مطلقاً آزاد ہو۔

اِس مقصد کے تحت اس نے ایک منصوبہ تیار کیا اور اس کی تکمیل کے لئے مسلمانوں کے متفق علیہ مسائل کو غلط اور خلافِ اسلام قرار دے کر ملّتِ اسلامیہ میں انتشار پیدا کرنا شروع کر دیا اور توحید کی آڑ میں سیّد المرسلین محمّد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ان فضائل و صفاتِ عالیہ کا انکار کرنے لگا جو نصوصِ قرآن و حدیث سے ثابت اور علمائے اُمّت ان پر متفق ہیں۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ و السّلام اور اولیاء اللہ کی شان میں دریدہ دہنی اور توہین و تنقیص میں مصروف ہو گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام و اولیاء اللہ سے توسّل کو شِرکِ صریح قرار دے کر تمام مسلمانوں کو مشرک و کافر ٹھہرایا اور انہیں واجبُ القتل قرار دے دیا۔

اس نے برملا اعلان کر دیا کہ اصلی ایمان اور توحید یہی ہے، جسے میں پیش کر رہا ہوں اور جو کوئی میری ان باتوں کو صحیح نہیں مانتا وہ قطعاً کافر ہے۔ اسے قتل کرنا اور اس کے مال و متاع کو لُوٹ لینا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔ اس طرح اس نے مسلمانوں کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ (۱) بدعتی، مشرک و کافر مسلمان۔ (۲) موحّد مسلمان یعنی صرف وہ مسلمان جو ابن عبدالوہاب کی من گھڑت توحید کو تسلیم کریں۔ اس طرح اس نے صرف اپنے متبعین کو موحّد مسلمان قرار دے کر دوسرے جملہ مسلمانوں کو زمرۂ کفّار میں شامل کر کے فتویٰ صادر کیا کہ

مشرک مسلمانوں کا خون اور مال حلال ہے۔ اس کے خلاف جنگ کرنا واجب ہے۔

رفتہ رفتہ کچھ نا سمجھ، سادہ لوح مسلمان اس کے دامِ تزویر میں پھنس کر اور زیادہ تر لوٹ مار کے شوقین اور لالچی اس کی جماعت میں شامل ہونے لگے اور بالآخر اس کے اور اس کی جماعت کے ہاتھوں ہزاروں بے گناہ مسلمان مقتول اور لاکھوں تباہ و برباد ہوگئے۔ سفاک وہابیوں کے جارحانہ حملوں میں معصوم بچوں اور بوڑھی عورتوں تک کو تہہ تیغ کر دیا گیا اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو غلام اور لونڈیاں بنا لیا گیا۔ مسلمانوں کے مال و متاع کو لوٹ کر ان کے گھروں کو جلایا گیا اور ان کی بستیوں کو اجاڑ دیا گیا الغرض ان مسلمانوں پر اس قدر مظالم ڈھائے جو تا قیامت فراموش نہ کیے جاسکیں گے مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

یہ سب کچھ کر چکنے کے باوجود اُبُوالوہابیہ کا امیر و بادشاہ بننے کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ اس قدر جور و تشدد کے نتیجہ میں جب ریاستِ وہابیہ قائم ہوئی تو اس کا امیر کوئی دوسرا بنا اور خود قرن الشیطان ابن عبدالوہاب نجدی سنگین جرائم و مظالم کا بوجھ اپنی گردن پر لاد کر آنجہانی ہوگیا اب اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔

تحریکِ وہابیہ کے ابتدائی ایام:

ابن عبدالوہاب نجدی نے جب مسلمانوں کو بات بات پر بدعتی، مشرک اور کافر کہنے کی ابتداء کی اور مَن گھڑت مسائل کی تبلیغ کرنے لگا، تو نتیجتاً مسلمانوں میں سخت اضطراب و ہیجان بپا ہوگیا۔ عوام و خواص میں اس کے خلاف نفرت پھیلنے لگی۔ اس کے والد عبدالوہاب نے (جو شہر عُیینیہ کے قاضی تھے) اپنے بیٹے کو باز رکھنے کی بہت کوشش کی مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ تاہم کچھ عرصہ جب اُس نے دیکھا کہ مسلمانوں کا اشتعال بڑھ رہا ہے، تو اس نے اپنی خیر اسی میں

دیکھی کہ اس مقام کو خیر باد کہہ کر کسی دوسرے مقام پر قسمت آزمائی کرے۔

یہاں سے رخصت ہوکر مکّہ مکرّمہ پہنچا اور حج کے بعد مدینہ منوّرہ آکر شیخ عبداللہ بن ابراہیم بن سیف اور محمد حیات سندھی سے تعلیم حاصل کرنا شروع کی[1] مگر یہاں بھی اس کی طبیعت نہ لگی اور بگڑے ہوئے طور طریقے درست نہ ہوسکے۔ دریں اثناء اس کے استاد بھی اس کی افتادِ طبع سے واقف ہو چکے تھے۔ ایک موقع پر تو اس کا مافی الضمیر بالکل ظاہر ہوکر رہ گیا۔ ہوا یوں کہ ایک روز جب کہ حسبِ معمول عاشقانِ رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم روضۂ نبوی پر جمع تھے اور بار گاہِ رسالت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سے استمداد و توسّل میں مصروف تھے اور اُبُوالوہابیہ نجدی دُور کھڑا انہیں دیکھ رہا تھا کہ علامہ سندھی نے اسے اس طرح کھڑا دیکھ کر پوچھا۔ "ان لوگوں کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔" شیخ نجدی جھٹ بول اٹھا "**ان هولاء متبر مافيه و باطل ماكانوا يعملون**" یقیناً یہ لوگ جس کام میں ہیں، قابلِ تباہی و بربادی اور ان کے اعمال باطل و غلط ہیں۔

شیخ نجدی کے باطل عقائد اور اس کے اعلان سے مدینۂ منورہ میں ہلچل مچ گئی۔ فرزندانِ توحید، عشّاقِ رسُول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم مشتعل ہو گئے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس کا مدینۂ منورہ میں ٹھہرنا مشکل ہوگیا۔ آخر کار یہ وہاں سے کوچ کرکے بصرہ آگیا یہاں شیخ محمد مجموعی کے پاس اس کا ایک مدّت تک قیام رہا۔ یہاں اس نے شیخ محمد مجموعی کو اپنی اسکیم پر چلانے کی بڑی کوشش کی، مگر ناکام رہا۔ اپنے منصوبہ کے مطابق یہاں بھی اس نے مسلمانوں پر شرک و کفر کے

---

[1] ملاحظہ ہو، رسالہ عربی۔ "الشیخ محمدؒ بن عبدالوہاب" مطبوعہ شرکۃ المدینۃ الطباعۃ، جدّہ۔

فتوے داغنے شروع کر دیئے تھے۔ اس لئے یہاں بھی فتنہ و فساد کی آگ بھڑک اٹھی بصرہ کے علماء اور عام مسلمان اس کی دریدہ دہنی اور بیہودہ فتوی بازی سے اس قدر تنگ آگئے کہ انہیں بصرہ سے اس کے اخراج کے سوا کوئی صورت نظر نہ آئی چنانچہ اسے ذلیل وخوار کر کے وہاں سے نکال دیا گیا۔

اب اس کا ارادہ ہوا کہ ملک "شام" کو اپنی سرگرمیوں کی آماجگاہ بنائے مگر اسے اپنی بے سر و سامانی کی موجودہ حالت کے پیش نظر اپنا ارادہ بدلنا پڑا اور نہایت سراسیمگی کی حالت میں بمقام "حریملا" اپنے باپ کے پاس آگیا۔ (واضح رہے کہ اس کا والد شہر "عنیہ" کا قاضی تھا۔ مگر غالباً اس کے بیٹے کی شرانگیزیوں کی وجہ سے حاکم "عنیہ" نے اسے عہدہ قضاۃ سے معزول کر دیا تھا اور وہ ۱۱۳۹ ھجری میں بمقام حریملا قیام پذیر ہو چکا تھا) ابن عبدالوہاب کو چونکہ ابوالوہابیہ بننا تھا۔ اس لئے اس کی شقاوتِ ازلی نے اسے یہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ یہاں بھی اس نے اپنی نام نہاد توحید کی آڑ میں فتویٰ بازی شروع کر دی۔ مسلمان، اس انوکھے اور نئے قسم کے عقائد اور قرآن و سنّت کے مخالف طریقہ کو کیونکر قبول یا برداشت کر سکتے تھے۔ لہٰذا اِس شرانگیزیوں کی وجہ سے یہاں بھی غیض و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ حتیٰ کہ اس کے والد اور بھائی بھی اس کی خانہ ساز توحید کو برداشت نہ کر سکے انہوں نے بھی اس سے نفرت و بیزاری کا اعلان کر دیا۔ مگر ابوالوہابیہ اپنی مذموم حرکات سے باز نہ آیا۔ اسی دوران ۱۱۵۳ ھجری میں اس کے والد کا انتقال ہو گیا۔ تو شیخ نجدی نے اپنی مہم کو اور زیادہ تیز کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں اس قدر ہیجان برپا ہوا کہ مسلمان بے قابو ہو گئے۔ چند جوشیلے مسلمانوں نے اس کے فتنہ سے نجات پانے کے لئے رات کے وقت اس کے گھر پر حملہ کر دیا۔ محلّہ میں شور مچ گیا۔ اور شیخ نجدی افراتفری کے عالم میں بچ کر حریملا سے بھاگ نکلا اور کچھ سوچ کر اپنے آبائی شہر عنیہ پہنچ کر دَم لیا۔ اور کچھ عرصے بعد عنیہ کے امیر عثمان بن احمد بن معمر تک رسائی

حاصل کر کے اس کی خدمت میں اپنا منصوبہ بالتفصیل پیش کیا اور اسے یقین دلا دیا کہ اگر میرے منصوبہ پر عمل کرلیں۔ تو آپ تھوڑی سی جدّوجہد کے بعد پُورے نجد کے بادشاہ بن سکتے ہیں۔

امیر عثمان اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آگیا اور بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا۔ اس نے اس کی اسکیم پر عملدرآمد کرنے پر آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے اسے یقین دلا دیا کہ میں تمہارے مشوروں پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں، شیخ نجدی کو چونکہ بہت سی ذِلتوں اور ناکامیوں کے بعد بڑی مشکل سے پہلی امید کی کرن نظر آئی تھی، اس لئے اس نے امیر عثمان کو اپنی کامیابی کا کچھ اس طرح یقین دلایا کہ وہ عالمِ تصوّر میں خود کو سچ مچ ایک بڑی مملکت کا بادشاہ سمجھنے لگا اور اس موہوم سلطنت کی خوشی میں اس نے عبداللہ بن معمر کی لڑکی جوھرہ کا نکاح ابن عبدالوہاب سے کر دیا۔ امیر کے رویّہ کو دیکھ کر لوگ شیخ نجدی کی علی الاعلان مخالفت نہ کر سکتے تھے، لہٰذا وہ اپنی اس کامیابی پر شاداں و فرحاں اور مطمئن تھا۔

اب اس نے امیر عثمان کے تعاون سے تحریکِ وہابیہ کے فروغ اور اپنے منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش شروع کی۔ مسلمانوں کو مشرک و کافر کہنے کی مہم تیز کر دی گئی۔ انبیاء و اولیاء کی تنقیص و توہین بے باکی کے ساتھ کی جانے لگی۔ عقائد حقّہ، کی نہایت سختی کیساتھ تردید شروع کردی گئی اور امیر عثمان کے ماتحت علاقہ کے مسلمانوں کو بالجبر وہابی بنایا جانے لگا۔ انہیں تشدّد کے ذریعہ مجبور کیا جاتا کہ وہابیہ عقائد قبول کرلیں۔ جو شخص اس کی تحریک میں شامل ہوجاتا ظلم و ستم سے بچ جاتا اور جو صاحب ایمان و حوصلہ انکار کرتا، اس پر بے دریغ تشدد کیاجاتا اس پر بھی وہ نہ مانتا تو قتل کردیا جاتا اس طرح وہ اپنی ایک جمیعۃ بنانے میں کسی حد تک کامیاب ہوگیا اور اس کے عزائم کو تقویت حاصل ہوگئی۔

شیخ نجدی کا پہلا کارنامہ:

ابن عبدالوہاب نے امیر عثمان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ اب کوئی ایسا کارنامہ کیا جانا چاہیئے جس سے ہماری تحریک کو خوب شہرت حاصل ہو۔ مخالفین پر مزید رعب بھی پڑ جائے، امید ہے کہ اس طرح ہماری کامیابی کے لئے نئی راہیں نکل آئیں گی اور ہماری منزل مقصود قریب تر ہوجائے گی۔ امیر کی رضا مندی پاکر اس نے ایک انوکھا تجربہ کرنے کا فیصلہ کیا اور امیر عثمان کی معیت میں چھ سو مسلح آدمیوں کے ہمراہ "جبیلہ" کے مقام پر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ (جو ۱۲ھ میں مسیلمہ کذاب کے مقابلہ میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے) کے روضۂ مقدس کو ڈھانے کے لئے جا پہنچا۔ روضۂ مقدّس کو بچانے کے لئے جبیلہ کے مسلمان مقابلہ کرنے آئے مگر امیر عثمان کے مقابلہ کی تاب نہ لاسکے۔ اب شیخ نجدی نے امیر عثمان سے کہا "یا امیر! حصولِ مقصد کے لئے اس کارِ نیک کو بسم اللہ کہہ کر سرانجام دیجئے کہ آغازِ کار کے لئے یہ بہترین موقع ہے" امیر عثمان نے شیخ نجدی سے کہا "ہم روضہ کو مسمار کرنے کی ہمّت نہیں کرسکتے۔ ہاں آپ خود جو چاہیں کرلیں۔ ویسے ہم آپ کے ساتھ ہیں۔" اس پر ابن عبدالوہاب قرن الشیطان نے اپنے ہاتھ میں کدال لے کر روضۂ مقدس کو مسمار کرنا شروع کیا اور زمین کے برابر کرکے دم لیا[1] اور اس کے بعد اس شقی ازلی نے حضرت ضرار بن الازور کے مزار شریف کو مسمار[2] کیا اور دوسرے مشاہد کو بھی پامال کردینے کے بعد خوشی سے جھومتا ہوا واپس لوٹا۔ مگر سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔ ابوالوہابیہ نجدی کی شرانگیزیوں اور اس کے

---

[1] ملاحظہ ہو کتاب التوحید کا مقدمہ صفحہ ۱۳

[2] ملاحظہ ہو رسالہ الشیخ محمد بن عبدالوہاب صفحہ ۲۱ (مصنف)

شرمناک کارناموں کی خبر جب والیٔ احساء سلیمان بن محمدؒ تک پہنچی تو اس نے امیر عثمان کو فوراً وارننگ دے دی کہ تمہارے پاس جو فسادی مولوی ہے، اس کی خلافِ اسلام مذموم حرکات کی اطلاع مجھے مل چکی ہے اور یہ خبر پہنچی کہ اس نے تمہاری حمایت و امداد سے حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ، کے روضۂ مقدس اور دوسرے مزارات و مشاہد کو ڈھا دیا اور سخت توہین کا مرتکب ہوا ہے۔ اس لئے میں تمہیں وارننگ دیتا ہوں کہ تم اس فسادی مولوی کو فوراً قتل کر دو ورنہ تمہارا زرِ سالانہ جو ہماری طرف سے مقرر ہے بند کر دیا جائے گا اور ہم تمہیں راہِ راست پر لانے کے لئے بہت جلد فوج لے کر پہنچیں گے"۔

اس وارننگ نے امیر عثمان کے ہوش اڑا دیئے۔ ابوالوہابیہ کے دکھائے ہوئے سبز باغ ذلّت، خواری اور بربادی کے گہرے اندھیرے غار دکھائی دینے لگے، بادشاہت کا حسین خواب، خواب پریشاں بن گیا۔ انتہائی پریشانی اور قلق و اضطراب کے عالم میں اس نے ابوالوہابیہ کو طلب کیا اور اُسے والیٔ احساء کی وارننگ سے مطلع کیا۔ شیخ نجدی ابوالوہابیہ نے امیر عثمان کو بہت کچھ دم دلاسا دیا۔ اُسے والیٔ احساء کے مقابلہ پر اُبھارا۔ مگر امیر عثمان جنگ و مقابلہ پر تیار نہ ہوا۔ اس نے ابوالوہابیہ کو اپنا یہ فیصلہ سنا دیا "چونکہ والیٔ احساء سلیمان بن محمدؒ نے تمہارے قتل کا مطالبہ کیا ہے اور ہم اس کی خلاف ورزی کی ہمّت نہیں رکھتے اور نہ ہی ہم اس کے خلاف جنگ اور مقابلہ کی طاقت رکھتے ہیں اور چونکہ ہم تمہیں اپنے علاقہ میں قتل کرنا بھی نہیں چاہتے لہٰذا ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ تم اس علاقہ سے فوراً نکل جاؤ۔"

شیخ نجدی یہ غیر متوقع حکم سننے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس لئے امیر عثمان کا یہ حکم اس کے لئے برق ناگہانی ثابت ہوا۔ آنکھوں میں تاریکی چھاگئی اور پاؤں تلے کی زمین سرکتی محسوس ہوئی اور اس عالم میں وہ اپنی ساری چوکڑیاں بھول گیا۔

دوسری طرف امیر عثمان نے اپنے ایک افسر کو خفیہ طور پر حکم دیا کہ چند مسلح سواروں کو ہمراہ لے کر اس کا تعاقب کیا جائے اور جب یہ شخص فلاں مقام پر پہنچے تو فوراً قتل کر دیا جائے۔

بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے: امیر عثمان کا قطعی حکم مل جانے پر ابوالوہابیہ بصد حسرت و یاس نکل کھڑا ہوا اور تعاقب میں آنے والے سواروں کو حکم دے کر کسی نہ کسی طرح جان بچا کر ابن سعود کے علاقہ درعیہ کی حدود میں پہنچ گیا اور محمد بن سویلم عرینی کے ہاں قیام کیا۔ اس نے ابن عبدالوہاب کو ایک مسافر اور نیک آدمی جان کر اپنے ہاں ٹھہرا لیا اور خدمت تواضع کرنے لگا مگر جب اس کی سرگذشت سنی تو سخت خوفزدہ ہوا کہ مبادا ایسے خطرناک شخص کو پناہ دینے کی پاداش میں امیر ابن سعود سزا دے۔

شیخ نجدی بھی بَلا کا چالاک شخص تھا۔ اس نے ابن سویلم عرینی کو چرب زبانی سے مطمئن کر دیا اور پھر رفتہ رفتہ موقع بہ موقع اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے اسے طرح طرح کے سبز باغ دکھاتا رہا۔ اور باآلاخر اس نے پوری اسکیم بتا کر کہا اگر تم اس سلسلہ میں میری مدد کرنے کا وعدہ کرو تو میں تمہیں اپنا شریک کار بنا کر امیر ابن سعود تک اس منصوبہ کے پہنچانے اور اسے اس پر رضا مند کرنے کی کوئی تجویز نکالوں۔ اگر ہم امیر ابن سعود کو رضا مند کرنے میں کامیاب ہوگئے تو میرے ساتھ تمہارا مستقبل بھی درخشاں اور شاندار ہوجائے گا دولت اور عزّت تمہارے قدم چومے گی کچھ دنوں بعد ابن سویلم شیخ نجدی کا ہمراز و ہمساز بن چکا تھا اب ان دونوں نے دوسرے لوگوں کو شریک کار بنانے کی مہم شروع کر دی جس کے نتیجہ میں چند دوسرے "مخصوص" آدمی بھی ان کے ساتھ شامل ہوگئے۔ اسطرح ایک مختصر سی جماعت تیار کرلینے کے بعد شیخ نجدی نے براہ راست ابنِ سعود سے ملنے کا ارادہ کیا۔ لیکن اس ڈر سے کہ براہِ راست ملاقات اور عرضِ حال سے ابنِ سعود

کہیں بگڑ ہی نہ بیٹھے اور لینے کے دینے پڑجائیں لہذا

شیخ نجدی نے ابن سعود کو ہم خیال بنانے کیلئے گہری چال سے کام لیا: ابنِ عبدالوہاب نجدی نے ابن سویلم اور دیگر شرکاء کار سے اس مسئلہ پر مشورہ کیا کہ امیر ابن سعود تک اپنی اس اسکیم کو کس طرح پہنچایا جائے اور اسے اس تحریک میں شمولیت پر کیوں کر رضا مند کیا جائے۔ صلاح یہ ٹھہری کہ براہِ راست ابن سعود سے ملنے کی بجائے اُس کی بیوی سے مل کر اُسے ہم خیال بنانے کی کوشش کی جائے اور پھر اُسی کے ذریعہ سے یہ منصوبہ اور اپنا پیغام ابن سعود تک پہنچایا جائے کہ یہ طریقہ نسبتاً کم خطر بھی ہے اور آسان تر بھی۔

ابن سویلم نے یہ کام اپنے ذمّہ لیا اور یقین دلایا کہ ابنِ سعود کی بیوی کو ہمخیال بنانے میں ضرور کامیاب ہوجائے گا اور پھر اس کے ذریعہ ابنِ سعود کو ہموار کرلینا کوئی مشکل بات نہ رہے گی۔

ابن سویلم نے ابن سعود کی بیوی سے مل کر ابن عبدالوہاب کا تذکرہ کیا اور اس کی تعریف و توصیف میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیئے پھر اس کے بعد اس کے منصوبے پر مفصّل روشنی ڈالی اور کہا کہ شیخ نجدی نے یہ پیغام بھی دیا ہے کہ اگر آپ نے امیر کو اس منصوبہ پر عملدرآمد کے لئے راضی کرلیا تو امیر تھوڑے دنوں میں ہی ایک وسیع و عریض مملکت کا بادشاہ بن سکتا ہے۔

ابنِ سعود کی بیوی ابن سویلم کی گفتگو سے بڑی متاثر ہوئی اور منصوبہ کی تفصیل سن کر نہایت خوش ہوئی یہاں تک کہ اُس نے وعدہ کرلیا کہ وہ ابنِ سعود کو اس تحریک میں شمولیت اور منصوبہ پر عملدرآمد کرنے پر جلد ہی رضا مند اور تیار کرلے گی۔ اُس نے کہا "میں یہاں تک کوشش کروں گی کہ امیر خود چل کر شیخ کی ملاقات کے لئے شیخ کی جائے قیام تک پہنچے تاکہ عوام و خواص پر شیخ کی عظمت

اور بڑائی کی ہیبت طاری ہوجائے۔"

مناسب موقع پا کر ابن سعود کی بیوی نے شیخ نجدی کا ذکر بڑے عمدہ پیرایہ میں کیا پھر اس کی اسکیم بیان کی اور اس کی افادیت پر روشنی ڈالی اور شیخ نجدی کا پیغام سنا کر پُر زور مشورہ دیا کہ "اللہ نے اس شخص کو تیرے پاس بھیج دیا ہے۔ یہ بہت بڑی غنیمت ہے اسے قبول کر۔ اس کی مدد کو غنیمت جان اور تو خود جا کر اُس سے ملاقات کر تا کہ لوگوں میں اس کی عظمت بڑھے۔"

تحریکِ وہابیہ کا عروج

محمدؐ بن سعود اور محمدؐ بن عبدالوہاب کی ملاقات اور تکمیلِ معاہدہ

ابنِ سعود اپنی بیوی سے ابن عبدالوہاب کے منصوبہ و پیغام کو سن کر نہایت خوش ہوا اور اس کے مشورہ کے مطابق خود چل کر ابن سویلم عرینی کے مکان پر ابوالوہابیہ سے ملاقاتی ہوا[1]۔ علیک سلیک کے بعد ابنِ سعود نے ابن عبدالوہاب سے کہا "خوش ہوجائیے کہ آپ کی ہر طرح عزّت و توقیر کی جائے گی اور یہ وطن آپ کو اپنے وطن سے زیادہ عزیز ہوگا۔" ابن عبدالوہاب نے کہا "میں آپ کو عزّت و قوت کی خوشخبری دیتا ہوں۔ کلمۂ توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ایسی چیز ہے جو اسے مضبوط پکڑ لے اور اس کی حمایت میں کھڑا ہوجائے یہ اسے ملکوں اور ولایتوں کا مالک بنا دیتا ہے۔"

المختصر شیخ نجدی کی پوری اسکیم سن اور سمجھ لینے کے بعد ابن سعود نے کہا، شیخ تم نے جو باتیں بتائی ہیں در حقیقت یہی دین اور ایمان کی اصلی باتیں ہیں اور بِلاشک و شبہ اللہ نے یہی توحید دے کر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھیجا تھا۔ تم یقین کرو اور خوش ہوجاؤ کہ میں تمہاری ہر طرح مدد و حمایت کروں گا اور تمہاری دعوت و تبلیغ میں مال و جان سے جہاد کروں گا لیکن میں تم سے دو[2]

---

[1] ملاحظہ ہو۔ مقدمہ کتاب التوحید صفحہ ۱۴ - ۱۵ اور رسالہ الشیخ محمد بن عبدالوہاب صفحہ ۲۳۔

شرطیں طے کرنا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ جب ہم تمہارے ساتھ ہوجائیں اور توحید و سنّت کی اشاعت میں حصّہ لیں تو آپ ہمیں چھوڑ کر اپنے وطن نہ جانا۔ دوم یہ کہ میں اپنے ماتحت لوگوں سے ایک معین محصول لیتا ہوں کہیں آپ اسے لینا ممنوع نہ قرار دے دیں۔[1]

شیخ نجدی نے پہلی شرط کے متعلق کہا۔ "میں آپ سے سچا اقرار کرتا ہوں کہ ہرگز کسی طرح " درعیّہ" اور آپ کا ساتھ چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گا اپنا ہاتھ دیجئے میں اس پر پختہ عہد کرتا ہوں۔ دَمِیْ دَمُکَ ھَدَمِیْ ھَدَمُکَ۔ (یہ اہل عرب میں باہمی معاہدہ کا جملہ ہے) یعنی میں ہر طرح آپ کے ساتھ ہوں۔ میرا خون تمہارا خون۔ میری تباہی تمہاری تباہی۔ دوسری شرط کے متعلق اللہ سے امید ہے کہ وہ اس سے بہتر تم کو دلا دے اور ایسے محصول کی تم کو ضرورت ہی نہ رہے"۔ یعنی جبکہ ہم نے تحریکِ وہابیہ کے فروغ اور منصوبہ کی تکمیل کے سلسلہ میں مسلمانوں کے خلاف علَمِ جہاد بلند کرنا ہے تو ان سے لُوٹا ہوا مال و متاع اس کثرت سے ہاتھ آنے والا ہے کہ آپ کو اس محصول کی احتیاج ہی باقی نہ رہے گی۔

اس کے بعد امیر ابن سعود نے شیخ نجدی کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور اس طرح یہ مسلم کُش وہابیانہ معاہدہ طے پا گیا اور ابن عبدالوہاب کی دیرینہ اُمیدیں بَر آنے کی صورت پیدا ہوگئی۔

بس پھر کیا تھا دعوتِ توحید و تبلیغ کے نام پر تمام دنیا کے مسلمانوں پر باقاعدہ شرک و کفر کا فتویٰ صادر کرکے علَمِ جہاد بلند کردیا گیا۔ سب سے پہلے مسلمانانِ درعیّہ اور ابن سعود کے سارے ماتحت علاقے کے بے گناہ مسلمان جہاد وہابیہ کا نشانہ بنے۔ اس بے دردی کے ساتھ اُن کا قتلِ عام کیا گیا اور اس شدّت

---

[1] ابن سعود کی شرطیں قابل غور ہیں۔

سے لوٹ مار کا بازار گرم ہوا کہ الامان و الحفیظ۔

ماتحت علاقہ سے نمٹ لینے کے بعد اس جہادِ وہابیہ کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ رفتہ رفتہ تمام ممالک نجد و حجاز کے بے گناہ مسلمان ان کے ناقابلِ بیان مظالم کا شکار ہوتے چلے گئے۔

ممکن ہے کہ ناظرین کو اس کا یقین نہ آئے یا ان تاریخی حقائق کو مبنی بر مبالغہ قرار دیا جائے۔ اس لئے مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کی تصدیق میں وہابیہ کی بنیادی کتاب سے شہادت پیش کر دی جائے اور پھر اس کی تائید میں انہی کے عربی رسالہ مطبوعہ جدہ کی چند عبارتیں مع ترجمہ نقل کردی جائیں۔

ابوالوہابیہ ابن عبدالوہاب کی تصنیف "کتاب التوحید" کے مقدمہ میں صفحہ ۱۷ پر تحریر ہے "شیخ نے اہل درعیہ سے فارغ ہو کر اطراف و جوانب کا رُخ کیا اور ہر طرف دعوت و تبلیغ کا بازار گرم ہوگیا۔ تمام بڑے بڑے امرا و رؤساء و علماء و قضاۃ کے نام خطوط لکھے اور انہیں اصل اسلام کی طرف بلایا۔ موجودہ رسم و رواج اور بدعات و خرافات کی جو آمیزش اسلام میں ہوگئی ہے اسے واضح طور پر بتایا۔ بعض نے قبول کیا۔ بعض نے سخت مخالفت و عداوت سے مقابلہ کیا شیخ کو احمق جاہل، جادوگر اور طرح طرح سے متہم کیا۔ جب مخالفت اس حد تک پہنچی اور عداوت و عناد کا سلسلہ انتہا کو پہنچا، حق کے واضح ہونے کے بعد مبتدعین و بے دین لوگوں سے جہاد کیا گیا اور بمطابق آیۂ کریمہ **قاتلوالذین لایومنون باللہ۔ الآیہ۔**[1]

---

[1] اس آیۂ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ کافروں سے جہاد و قتال کریں۔ وہابیہ کا اس آیۂ مبارکہ سے استدلال کرتے ہوئے مسلمانوں

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

ایسے نام کے مسلمانوں سے جو نہ حلال کو حلال سمجھتے تھے اور نہ حرام کو حرام ، جنگ کی گئی اور اس فریضہ کی ادائیگی میں جو کچھ دشواریاں اور مصائب و آلام تھے سب جھیلے ۔ مہمان اور مہاجرین کا تانتا بندھ گیا اور شیخ کے ذمّہ قرض کا بار گراں ہونے لگا ۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے "فتوحات" کے ذریعہ اسے ادا کرادیا ۔

ابن سعود نے شیخ کی مرضی کا آخر دم تک احترام و اعزاز کیا اور ان کی تعلیم و تلقین کی بدولت وہ اور اس کا خاندان تمام ممالک نجد و عراق و حجاز وغیرہ پر رفتہ رفتہ قابض ہوگئے ۔

نیز مدینہ منورہ میں الجامعۃ الاسلامیہ کے نائب رئیس عبدالعزیز بن باز کے تالیف کردہ عربی رسالے الشیخ محمد بن عبدالوہاب کے صفحہ ۲۴ پر ہے کہ ثم

(بقیہ فٹ نوٹ صفحۂ گذشتہ)

سے جہاد و قتال کو فرض قرار دینا ثابت کرتا ہے کہ وہ صرف وہابیوں کو مسلمان اور باقی تمام مسلمانوں کو کافر سمجھتے ہیں ۔ اس طرح کا غلط استدلال خارجیوں کا مخصوص طریقہ ہے ۔ بخاری شریف کے صفحہ ۱۰۲۴ پر روایت ہے ۔ **کان ابن عمر یراھم شرار خلق اللہ وقال انھم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوھا علی المومنین** ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خارجیوں کو بدترین خلائق جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو آیات کفّار کے بارے میں نازل ہوئیں ۔ یہ خارجی ان آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں ۔ پس وہابیہ کے اس طرزِ عمل سے ثابت ہوا کہ یہ لوگ حقیقتاً خارجی ہی ہیں ۔ اب یہ لوگ خود کو چھُپانے کی خاطر اپنے کچھ بھی نام رکھ لیں ، ناظرین اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے تنویرالایمان اور تنویرالبرہان دونوں کتابوں کا مطالعہ ضرور کریں ۔ (مؤلف)

بدا بالجهاد وكاتب الناس الى الدخول فى هذا الميدان وازالة الشرك الذى فى بلادهم و بدا باهل نجد۔ الخ

ابن سعود کے ساتھ معاہدہ طے پاجانے کے بعد ابن عبدالوہاب نے جہاد کا آغاز کردیا اور اس نے لوگوں کو خطوط لکھے کہ وہ بھی ان کے اس جہادِ وہابیہ کے میدان میں ان کے ساتھ شریک ہوجائیں اور ان کے شہروں میں جو شرک پھیل رہا ہے اس کے ازالہ میں جدّوجہد کریں اور اس جہاد کا آغاز اہلِ نجد سے کیا گیا۔

اسی رسالے کے صفحہ ۲۸ پر ہے **واستعر الشيخ فى الدعوه والجهاد وساعده الامير محمد بن سعود امير الدرعيه وجد الاسره السعودية على ذالک ورفعت راية الجهاد وبدا الجهاد من عام ۱۱۵۸ بدا الجهاد بالسيف وبالكلام والبيان والحجة والبرهان ثم انتقلت الدعوه الى طور الجهاد بالسيف۔** شیخ نے دعوت و جہاد کا سلسلہ پوری قوت سے جاری رکھا اور اس دعوت و جہاد میں امیر درعیہ محمد بن سعود نے اس کی پوری پوری مدد کی اور خاندان سعودیہ نے اس سلسلہ دعوت و جہاد میں پورا پورا زور لگا دیا۔ ۱۱۵۸ ھجری میں علَمِ جہاد بلند کر کے جہاد کا آغاز کیا گیا۔ ابتداً یہ جہاد تلوار اور کلام بیان حجۃ اور برہان سے شروع کیا گیا اور پھر آگے چل کر یہ 'وہابیت کی' دعوت صرف جہاد بالسیف کی طرف منتقل ہوگئی۔

رسالہ مذکور کے صفحہ ۲۹ پر ہے **فجد الشيخ رحمته الله فى الدعوة والجهاد وساعدة انصاره من آل سعود طيب الله ثراهم على ذالک استمروا فى الجهاد والدعوة من عام ۱۱۵۸ الى ان تو فى الشيخ عام ۱۲۰۶ هجرى فاستمر الجهاد والدعوه قريبا من خمسين عاماً۔**

پس شیخ نجدی نے دعوت و جہاد میں پُورا زور صَرف کردیا اور آلِ سعود میں سے اس کے مددگاروں نے اس کا پورا پورا ساتھ دیا۔ ۱۱۵۸ ھجری سے شیخ کے وفات پانے تک ۱۲۰۶ ھجری تک مسلسل تقریباً پچاس برس اس دعوت و جہاد میں مصروف رہے۔

واضح رہے کہ ۱۲۰۶ ھجری (۱۷۹۴ء) میں محمد بن سعود پُورے اکیس برس بے گناہ مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیل کر وفات پاگیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالعزیز بن محمد بن سعود اس کا جانشین ہوا۔ اس نے شیخ نجد کی سرکردگی میں مسلمانوں کے قتل و غارت میں اپنے باپ سے بڑھ چڑھ کر شدید کاروائیاں کیں۔

متعصب وہابی مسعود عالم ندوی لکھتا ہے۔"خود شیخ الاسلام (ابن عبدالوہاب نجدی) بہ نفسِ نفیس عام تبلیغی کاموں کی دیکھ بھال کرتے اور امیر عبدالعزیز ایک مطیع شاگرد کی طرح ان کے احکام اور ہدایتوں کی تعمیل کرتا۔" (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک صفحہ ۱۷) یہاں تک کہ ۱۲۰۶ ھجری (۱۷۹۲ء) میں شیخ نجدی بے شمار بے گناہ مسلمانوں کا خون اپنی گردن پر لاد کر آنجہانی ہوگیا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے بیٹوں اور پوتوں نے اس ناپاک مہم کو برابر جاری رکھا۔

عربی رسالہ الشیخ محمد بن عبدالوہاب صفحہ ۳۲ پر ہے۔ **ثم بعد وفاه الشیخ رحمته اللّٰه علیه استمر ابنائه واحفاده وتلامیذه والنصاره فی الدعوه والجهاد وعلی راس ابنائه الشیخ الامام عبداللّٰه بن محمد والشیخ حسن بن محمد والشیخ علی بن محمد والشیخ ابراهیم بن محمد ومن احفاده الشیخ عبدالرحمان بن حسن والشیخ علی بن حسین والشیخ سلیمان بن عبداللّٰه بن محمد و**

جماعتہ اخرون۔ شیخ (ابن عبدالوہاب) کی وفات کے بعد اس کے بیٹے، پوتوں، شاگردوں اور مددگاروں نے سلسلہ دعوت و جہاد کو زور کے ساتھ جاری رکھا۔ اس کے سرکردہ بیٹوں میں سے عبداللہ بن محمد، حسین بن محمد، علی بن محمد، ابراہیم بن محمد اور اس کے پوتوں میں سے عبدالرحمان بن حسن علی بن حسین اور سلیمان بن عبداللہ بن محمد کے نام قابلِ ذکر ہیں نیز ان کے ساتھ دوسرے لوگوں کی جماعت بھی شریک تھی۔

پھر اس کے شاگردوں کے نام لکھنے کے بعد تحریر ہے **ولیس بین ہولاء الدعاہ وخصومھم شئی الاان ہؤلاء دعوا الی توحید اللہ واخلاص العبادہ للہ عزوجل والاستقامتہ علی ذالک وھدم لمساجد والقباب التی علی القبور** ۔ ان دعاۃ(وہابیہ)اور ان کے دشمنوں (مسلمانوں) کے درمیان سوائے اس کے اور کوئی وجہ خصومت نہ تھی کہ یہ دعاۃ (وہابیہ)ان مسلمانوں کو توحیدِ الٰہی اور اللہ کی خالص عبادت پر استقامت کی دعوۃ دیتے تھے۔ اور قبروں (مزارات) پر بنے ہوئے قبوں اور مسجدوں کو ڈھانا دشمنی کی بنیاد تھی۔

امیر عبدالعزیز نے سرزمین حجازِ مقدس پر جارحانہ حملوں کا آغاز کیا اور یلغار کرتا ہوا مکہ مکرمہ پر قابض ہوگیا۔ حرم محترم اور کعبۃ اللہ بھی وہابیہ کی دست بُرد سے محفوظ نہ رہا۔ باشندگان مکہ مکرمہ پر ذرہ برابر رحم نہ کیا گیا۔ علمائے کرام اور سادات کو چُن چُن کر تہہ تیغ کردیا گیا۔ مسلمانوں کی جان، مال اور عزت و آبرو کوئی چیز ان کے ہاتھوں محفوظ نہ رہی۔ مکہ مکرمہ کی گلیاں مسلمانوں کے خون سے بھر دی گئیں۔ ان کے لڑکوں کو غلام بنا لیا گیا اور ان کی عفت مآب خواتین و مستورات کو لونڈیاں قرار دے کر ان کی جبراً عصمت دری کی گئی۔ قتلِ عام کے بعد لُوٹ مار کا آغاز ہوا۔ مسلمانوں کا مال و متاع لُوٹ لیا

گیا۔ حتیٰ کہ حرم کعبہ کا جملہ قیمتی سامان لوٹ لینے کے بعد کعبے کا غلاف تک اتار کر مال غنیمت میں شامل کر لیا گیا۔

جب وہابیوں کی ان سفاکانہ کاروائیوں کی اطلاع سلطان ترکی تک پہنچی تو سلطان ترکی نے ان کی گوشمالی کے لئے اپنی فوج کو فوری کاروائی کا حکم دے دیا یہ فوج قہر الٰہی کی صورت وہابیوں پر ٹوٹ پڑی اور متعدد خونریز لڑائیوں کے بعد انہیں مکّہ مکرمہ سے نکال باہر کیا۔

۱۲۱۸ھ (۱۸۰۲ء) میں جب امیر عبد العزیز بن محمد بن سعود کو درعیّہ میں ایک ایرانی نے قتل کر دیا تو اس کا بیٹا سعود بن عبدالعزیز اس کا جانشین بنا۔ اس نے اپنے باپ اور دادا سے بھی زیادہ شدت کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف آتشِ جنگ کو بھڑکایا اور مکہ مکرمہ پر شدید حملے کر کے ۱۲۱۸ھ (۱۸۰۳ء) میں مکہ مکرمہ میں فاتحانہ داخل ہوا۔

اب کی بار مسلمانانِ مکہ مکرمہ پر پہلے سے بھی زیادہ مظالم ڈھائے گئے اور اندھا دھند انتقامی کاروائیاں کی گئیں۔ اس کے ساتھ ہی مزارات مقدسہ پر بے دریغ کدالیں اور پھاوڑے چلائے گئے یہاں تک کہ ام المومنین خدیجتہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مزار مقدس کے قبوں کو بھی ڈھا دیا گیا۔ عربی رسالہ "الشیخ محمد بن عبدالوہاب" کے صفحہ ۳۳ پر ہے: **"وھد موامافیھا من القباب التی بنیت علی قبر خدیجۃ وغیرہ فازالوالقباب کلھا۔"**

وہابیوں نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر پر بنے ہوئے قبوں کو منہدم کردیا اور اس کے علاوہ جنت البقیع کے تمام مزارات کے قبے مسمار کر دیئے۔

اس سے قبل سعود بن عبدالعزیز طائف کو فتح کرچکا تھا۔ دو سال بعد ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ء) میں اس نے مدینۂ منورہ کو بھی فتح کرلیا اور لُوٹ مار کی عام اجازت دے دی۔ وہابیوں نے شہر مدینہ میں لوٹ مار کے بعد حرم رسولِ اکرم

صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھی خوب لوٹا۔ مسجد نبوی میں بچھے ہوئے قالین جھاڑ فانوس تک لُوٹے گئے اور شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے روضۂ اقدس و انور سے غلاف تک اُتار کر مالِ غنیمت میں شامل کرلئے۔ عاشقانِ رسول کے پیش کئے ہوئے نذرانوں سے جمع شدہ خزانوں کو بھی لوٹ لیا گیا اور اس بیش قیمت مال و متاع سے ساٹھ اونٹ لاد کر اپنے دارالسلطنت لے گئے۔

ان کامیابیوں کے بعد وہابیہ کے حوصلے مزید بلند ہوگئے اور ان کی فوجیں یلغار کرتی عراق اور شام کی حدود میں داخل ہوگئیں۔ کربلائے معلیٰ پر حملہ کر کے بلدالحسین کو تاخت و تاراج کردیا گیا۔ اب انہیں اپنی قوت پر اس قدر گھمنڈ پیدا ہوچکا تھا کہ تمام دنیا کے فتح کرلینے کے خواب دیکھنے لگے۔

متعصب وہابی مسعود عالم ندوی لکھتا ہے۔ "اِس (فتح مکّہ) کے بعد اہلِ نجد کے حوصلے بڑھ گئے۔ ان کی نگاہیں شام کی طرف اٹھنے لگیں اور تمام دنیائے اسلام کو دعوتِ توحید سے آشنا کرنے کا خیال ان کے دل میں گدگدی پیدا کرنے لگا۔ ان کی دینی غیرت اور قومی شجاعت کامیابی کی ضمانت تھی۔ شام اور عراق کے کئی علاقوں پر کئی کامیاب حملے بھی کئے گئے" (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک صفحہ ۱۸)۔

جب نوبت یہاں تک پہنچی اور پورے جزیرۃ العرب کے علاوہ عراق اور شام بھی خلافت عثمانیہ ترکی کے ہاتھ سے نکلنے لگے تو سلطان محمود نے خدیو مصر محمد علی پاشا کو لکھا کہ وہابیوں کا استحصال کیا جائے اور ساتھ ہی ترکی فوجوں کو یہ حکم دیا کہ جتنی جلد ممکن ہو فتنۂ وہابیت کو کچل دیا جائے۔ ۱۲۲۶ ھ میں ترکی اور مصری افواج وہابیہ کی سرکوبی کے لئے میدان میں کود پڑیں۔ خدیو مصر محمد علی پاشا کے حکم سے اس کا بیٹا طوسون پاشا مدینہ کے محاذ پر اسلامی لشکر لے کر پہنچا لیکن ابن سعود کی فوج سے گھمسان کی جنگ لڑنے کے باوجود شکست کھا گیا۔

دوسرے سال طوسون پاشا تازہ دم فوج لے کر میدان میں اترا۔ ادھر ابن سعود بھی پوری تیاری کے ساتھ مقابل ہوا۔ اس نے اس بار بھی سر توڑ مقابلہ کیا۔ مگر طوسون پاشا کی فوج نے وہابیہ کی فوج پر متواتر کاری ضربیں لگائیں اور انہیں پے بہ پے شکستیں دے کر مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ اور جدّہ سے باہر نکال کر دَم لیا۔

اسی دوران ۱۲۲۹ھ (۱۸۱۴ء) سعود بن عبدالعزیز کا اڑسٹھ برس کی عُمر میں انتقال ہوگیا۔ اور اس کا بڑا بیٹا عبداللہ تخت پر بیٹھا۔ خدیو مصر نے عبداللہ کو لکھا کہ روضۂ رسول صلّی اللہ علیہ وسلّم اور مسجدِ نبوی کا لُوٹا ہوا مال و متاع واپس کیا جائے۔ لیکن عبداللہ نے انکار کردیا۔ اس پر خدیو مصر بہ نفس نفیس حجاز پہنچا اور مسلسل تین چار لڑائیوں میں عبداللہ کی فوج کو تہس نہس کرتے ہوئے دارالسلطنت درعیہ کا محاصرہ کرلیا۔ انجام کار ۱۲۳۳ھ۔ (۱۸۱۸ء) میں عبد اللہ بن سعود نے ہتھیار ڈال دیئے۔ عبداللہ بن سعود کو گرفتار کرکے باغی کی حیثیت سے استنبول بھیجا گیا۔ جہاں اسے حکم سلطانی سے سزائے موت دے دی گئی۔

دوسری طرف علاقہ نجد میں وہابیہ کی بچی کچی فوجوں کو خدیو مصر محمد علی پاشا کے صاحب زادے ابراہیم پاشا نے کچل کر تباہ کردیا۔

۱۹۱۴ء کی پہلی جنگ عظیم میں جب فرانس برطانیہ اور زار روس کی متحدہ طاقتوں نے ترکی کو شکست دے کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور مصطفیٰ کمال پاشا نے ۱۹۲۳ء میں باقی ماندہ حصے پر لادینی حکومت قائم کی تو حرمین شریفین کا کوئی محافظ نہ رہا۔ میدان خالی پاکر نجدی وہابیہ نے ازسرِنو اپنی سرگرمیاں شروع کردیں۔ ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود نے اپنی قوت مجتمع کر کے لڑائیوں کا سلسلہ پھر سے شروع کردیا اور علاقہ نجد میں سے مصری و

ترکی فوجی دستوں کو نکال دینے میں کامیاب ہوگیا اور یہ اس لئے ہوسکا کہ ترک فوجیں فرانس، برطانیہ اور روس کے مقابلہ میں مصروف تھیں لہذا ترکی حکومت ان فوجی دستوں کو کمک نہ پہنچا سکتی تھی۔ نجدی وہابیہ نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ۱۲۴۰ ہجری میں نجد کے پورے علاقے پر تسلط جما لیا۔ تاہم علاقہ حجاز مقدس پر ترکی حکومت کا قبضہ برقرار رہا۔

نجدی وہابیوں نے نجد پر قبضہ جما لینے کے بعد حکومتِ برطانیہ کی مدد سے اپنی افواج کو از سرِ نو منظم اور مستحکم کر کے علاقہ حجاز پر حملے شروع کئے۔ طویل مدت کی لڑائیوں کے بعد عبدالعزیز بن عبدالرحمان بن فیصل بن ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود نے انگریزوں کی حمایت و امداد سے ۱۹۲۵ء کے آخر میں حجاز پر بھرپور حملہ کردیا۔ حجاز کے بادشاہ شریف حسین سے چونکہ بعض سیاسی وجوہ کی بناء پر حکومت برطانیہ کا بگاڑ پیدا ہوچکا تھا، اس لئے انگریزوں نے والیٔ نجد کو سیاسی جوڑ توڑ اور مالی و فوجی امداد و اعانت کے ذریعے اس حملے کی ترغیب دی تھی۔

تھوڑے ہی عرصہ میں چند مختصر لڑائیوں کے بعد نجدی وہابیوں نے سلطنت حجاز پر قبضہ کرلیا شریف حسین گرفتار ہوا اور انگریزوں نے اسے جزیرہ قبرص میں لے جاکر نظر بند کردیا۔ کچھ عرصہ بعد شریف حسین کا اسی حالتِ نظر بندی میں انتقال ہوگیا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا شریف علی تخت پر بیٹھا لیکن جلد ہی اسے ابن سعود کے ہاتھوں مکمل شکست اٹھانی پڑی اور وہ فرار ہوگیا۔ اس طرح نجدی وہابی حرمین شریفین (مکّہ مکرمہ اور مدینۂ منورہ) اور سارے حجازِ مقدس پر ۱۳۴۳ھ میں قابض ہوگئے۔ مکّہ مکرمہ اور مدینہ کے قبرستان جنت المعلیٰ اور جنت البقیع کے مقابر و مآثر کو منہدم کرادیا گیا اور مساجد کو منہدم کرانے سے بھی دریغ نہ کیا گیا

مکہ معظمہ کے آثار مقدسہ مثلاً مولدالنبی صلّی اللہ علیہ وسلّم مولد فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور دوسرے مقامات مقدسہ کو بالکل پامال کردیا گیا۔ سیدہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے مزار پاک کو نہایت توہین کے ساتھ مسمار کیا گیا اور اس پر گولیاں چلائی گئیں۔ فائرنگ کرتے وقت وہابی یوں کہتے "اب تک اپنی پوجا کراتی رہی ہو اب اٹھ اور اٹھ کر ہمارا مقابلہ کر۔"

اس کے علاوہ حضرات اہلِ بیت صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم اور شہداء اور اولیاء اللہ کے مزاراتِ مقدسہ کی سخت توہین اور بے ادبی کے مرتکب ہوئے اور سب ڈھا دیئے۔ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے مزاراتِ مطہرہ کو بھی پامال اور منہدم کرا دیا گیا نیز مسجد ابو قبیس، مسجد بلال، مسجد نور، مسجد جن اور مسجد کوثر وغیر ہم مساجد کو بھی مسمار کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ وہابیہ نے روضۂ رسول مقبول صلّی اللہ علیہ وسلّم کو مسمار کرنے کا بھی ارادہ کر لیا گو بعض ایسے مواقع پیش آئے کہ وہ اپنے اس ناپاک ارادہ میں کامیاب نہ ہوسکے۔ (ملاحظہ ہو ماہنامہ رضوان لاہور ماہ جولائی ۱۹۶۲ء دیگر کتب تاریخ و رسائل)۔

نجدی وہابیوں کی ان مذموم کاروائیوں کے خلاف تمام ممالک اسلامیہ اور پوری دنیا کے مسلمانوں میں غم و غصہ کی شدید لہر دوڑ گئی۔ ان کی سخت مذمّت کی گئی اور انکے خلاف بڑی زور دار تحریکیں چلائی گئیں تو تب جاکر یہ معاملہ بند ہوسکا۔ اگر یقین نہ آئے تو اس وقت کے اخبارات و رسائل اٹھا کر دیکھ لیجئے انشاء اللہ تسلی ہوجائے گی۔

عربی رسالہ "الشیخ محمد بن عبدالوہاب" صفحہ ۳۸ پر مقتدر وہابی کا بیان ہے۔

الا ان الحرمين بقيا مفصولين عن الدولته السعودية دهرا طويلا

ثم عاد اليهم فی عام ۱۳۴۳ ھ واستولی علی الحرمين الشريفين الامام عبدالعزيز بن عبدالرحمان بن فيصل بن ترکی بن عبدالله بن محمد بن سعود رحمته الله عليه ولم يزالا بحمدالله تحت ولاية هذه البدولته الی يومنا هذا۔

ایک طویل مدت (تقریباً ایک سو دس سال) تک حرمین (حرم مکہ معظمہ اور حرم مدینۂ منورہ) مملکت سعودیہ سے باہر رہے۔ پھر ۱۳۴۳ ھ میں عبدالعزیز بن عبدالرحمان بن فیصل بن ترکی بن عبداللہ بن محمد بن سعود نے پلٹ کر حرمین شریفین پر اپنا تسلط قائم کیا اور اس وقت سے لیکر آج تک یہ علاقہ اسی حکومت سعودیہ کہ تحت چلا آرہا ہے۔

امام ابوالوہابیہ ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین کے عقائد کا مختصر نمونہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کی خدمت میں امام ابوالوہابیہ ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین کے عقائد کا مختصر نمونہ بھی پیش کردیا جائے۔شیخ الاسلام علامہ سید احمد زینی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں محمد بن عبدالوہاب نجدی کی بُرائیوں میں سے یہ بھی ہے کہ وہ نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے میلاد پڑھنے، اذان کے بعد منارہ پر درود شریف پڑھنے اور نماز کے بعد دعا مانگنے سے منع کرتا تھا اور درود خوانی سے جلتا تھا بلکہ ایسا کرنے والوں کو سخت تکلیف دیتا تھا۔ یہاں تک کے اس نے اذان کے بعد منارہ پر درود پڑھنے والے ایک نابینا خوش الحان موذن کے قتل کا حکم دے کر اسے شہید کرادیا اور کہا کہ رَنڈی کے گھر میں اس کے گانے بجانے والی چھوکری کی بہ نسبت مناروں پر درود پڑھنے والوں کا گناہ زیادہ ہے (الدرر السنیہ صفحہ ۴۱)

ابن عبدالوہاب نجدی نے اپنے پیروؤں کو کتب فقہ دیکھنے سے منع کر دیا

تھا اور بہت سی کتابیں جلا ڈالیں۔ اس نے اجازت دے دی کہ ہر شخص اپنی سمجھ کے مطابق معنی گھڑلیا کرے، جب کوئی شخص اس کے بہکانے میں آکر یا اس کے ظلم و ستم سے عاجز آکر مذہب وہابیہ میں داخل ہوتا تو اس سے پہلے کلمہ پڑھوایا جاتا اور پھر اسے کہا جاتا کہ تو اپنے آپ پر گواہی دے کہ تو اب تک کافر تھا۔ اب مسلمان ہوا ہے اور اپنے ماں باپ پر گواہی دے کہ وہ کافر مرے۔ اکابر آئمہ سلف سے ایک جماعت کا نام لے کر کہا جاتا کہ تو ان پر گواہی دے کہ یہ سب کافر تھے۔ پھر اگر اس نے یہ سب گواہیاں دے دیں تو مقبول ورنہ مقتول ہوتا ذرا سی پس و پیش کرنے پر بھی قتل کر دیا جاتا۔ ابوالوہابیہ صاف کہتا کہ چھ سو برس سے پوری امت کے سارے مسلمان کافر تھے اسے سر منڈانے میں اس قدر غلو[۱] تھا کہ جب کوئی مسلمان مذہب وہابیہ قبول کرتا تو اس کے سَر کے بال استرے سے منڈا دیتا یہاں تک کہ کوئی عورت وہابیہ بنتی تو اس کے سَر کے بال بھی منڈاتا اور کہتا کہ یہ کفر کے زمانے کے بال ہیں۔ ایک عورت نے اس کی اِس روش پر کہا کہ جو مرد تیرے مذہب میں داخل ہوتے ہیں تو ان کی داڑھیاں بھی منڈا دیا کر کہ یہ بھی تو زمانۂ کفر کے ہی بال ہیں مگر یہ داڑھیاں کیوں منڈاتا جب کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی علامت میں داڑھی منڈانا نہیں فرمایا تھا۔ بلکہ صرف سر منڈانا ہی ان کی علامت قرار دیا تھا۔

ابن عبدالوہاب نجدی آئمہ کے مذہب اور علماء کے اقوال پر طعن کرتا اور اس کے باوجود بطور تقیہ حنبلی ہونے کا دعویٰ بھی کرتا شیخ نجدی انبیاء کرام علیہم

---

[۱] اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ مخبر صادق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا۔ **سیماھم التحلیق** ان کا نشان خصوصیت کے ساتھ سَر منڈانا ہے۔ (مولف)۔

الصلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ سے توسل کرنے والوں کو صراحۃً کافر کہتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لئے حاضری دینے کو شرک صریح قرار دیتا۔ چنانچہ مقام احساء کے چند حضرات جو نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے روضۂ انور کے لئے مدینۂ منورہ گئے۔ تو ان کی واپسی پر اس نے سخت سزا دی۔ ان کی داڑھیاں منڈا کر انہیں اُلٹا سوار کر کے درعیّہ سے احساء پہنچایا گیا۔

ابن عبدالوہاب نجدی مشرکین کفار کے بارے میں نازل شُدہ آیات قرآن کو مسلمانوں پر چسپاں کر کے ان پر شرک و کفر کا فتویٰ لگاتا۔ (یہ خارجیوں کی مخصوص علامت ہے) دلائل الخیرات اور درود شریف کی دوسری کتب پڑھنے سے روکتا تھا اور ان کتابوں کو جلا دیتا تھا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شان اقدس میں تنقیص کرتا اور کہتا کہ وہ تو محض ڈاکیہ ہیں نیز وہابیہ کا مقولہ ہے کہ ہمارا عصا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر ہے کیوں کہ اس سے سانپ کو مارنے اور دیگر ضروریات میں نفع حاصل کیا جاتا ہے اور محمدؐ تو مر چکے ہیں ان میں اصلاً کوئی نفع باقی نہیں رہا۔ **نعوذ باللہ من ذالک**۔ نیز وہابیوں کا عقیدہ ہے کہ نماز پڑھتے ہوئے زنا کے وسوسے سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے کسی ولی اللہ یا محمد رسول اللہ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا تصور گدھے اور بیل کے خیال میں مستغرق ہونے سے زیادہ بُرا ہے۔

نیز ان کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا علم ملک الموت اور شیطان کے علم کے برابر بھی نہیں - ملک الموت اور شیطان کے علمِ غیب کی وسعت نص قرآن سے ثابت ہے مگر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لئے علمِ غیب ماننا اور ثابت کرنا شرک و کفر ہے۔

وہابی مولوی اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ سارے انسان بشر ہونے کے لحاظ سے برابر ہیں مگر چونکہ اللہ نے اولیاء اور انبیاء کو بڑائی دی ہے۔ اس لئے وہ

ہمارے بڑے بھائی ہوئے ۔ ان کی تعظیم بڑے بھائی کی سی کرنی چاہئے وغیرہ وغیرہ نعوذ باللہ من ہفوات الوہابیہ ۔ اگر وہابیہ کے عقائد تفصیل سے دیکھنے ہوں تو ان کی کتابیں ۔ کتابُ التوحید ۔ تقویۃُ الایمان ۔ صراطِ مستقیم ۔ براہینِ قاطعہ وغیرہ دیکھنی چاہئیں ۔

اس کے بعد اب وہابیوں کے متعلّق چند ناقابل تردید شہادتیں ملاحظہ ہوں :۔

وہابیوں کے متعلق چند ناقابل تردید شہادتیں :

تفسیر الصادی علی الجلالین مطبوعہ مصر صفحہ ۱۵۵ ، زیر آیہ ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا الایہ تحریر ہے وقیل ھذہ الایتہ نالت فی الخوارجِ الذین یحرفون تاویل الکتاب والسنتہ ویستحلون بذالک دماء المسلمین واموالھم کم ھومشاھدالان فی نظائرھم وھم فرقتہ بارض الحجاز یقال لھم الوھابیتہ یحسبون انھم علی شئی الاانھم ھم الکاذبون استحوذ علیھم الشیطان فانساھم ذکراللہ اولئک حزب الشیطان ھم الخاسرون نسئال اللہ الکریم ان یقطع دابرھم۔

علماء نے فرمایا کہ یہ آیت ان خارجیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو قرآن اور حدیث کی تاویل میں تحریف کرتے ہیں اور پھر اس تحریف کے ذریعے مسلمانوں کے خون بہانے اور مال و متاع لُوٹ لینے کو جائز ٹھہراتے ہیں جیسا کہ انہی جیسے لوگوں سے اس زمانے میں مشاہدہ میں آیا ۔ یہ لوگ ارض حجاز میں ایک فرقہ ہیں جنہیں وہابی کہا جاتا ہے ۔ ان کا خیال ہے کہ وہی حق پر ہیں ۔ حالانکہ درحقیقت یہ لوگ جھوٹے ہیں شیطان نے انہیں بہکا کر اللہ کی یاد سے بھلا دیا ہے یہ لوگ شیطانی گروہ ہیں اور حقیقتاً شیطانی گروہ کے لوگ ہی گھاٹے میں رہنے والے ہیں ۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ان کی جڑ کاٹ دے ۔

حضرت العلّامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمۃ کا ارشاد:

صاحب موصوف ملّتِ اسلامیہ کے باغیوں کے ذکر میں فرماتے ہیں۔ کما وقع فی زماننا فی اتباع ابن عبدالوھاب الذین خرجوامن نجدو تغلبوا علی الحرمین و کانوا ینتحلون مذھب الحنابلتہ لاکنھم اعتقدوا انھم ھم المسلمون وان من خالف اعتقادھم مشرکون واستبا حوابذالک قتل اھل السنتہ وعلماء ھم حتی کسراللہ شوکتھم وخرب بلادھم و ظفر بھم عساکرالمسلمین عام ثلاث وثلاثین وماتین والف۔

جیسے کہ ہمارے زمانے میں ابن عبدالوہاب کے متبعین کا واقعہ ہوا کہ یہ لوگ نجد سے اُٹھے اور انہوں نے حرمین (مکّہ مکّرمہ اور مدینۂ منوّرہ) پر غلبہ حاصل کرلیا۔ یہ لوگ خود کو حنبلی مذہب کی طرف منسوب کرتے تھے۔ لیکن ان کا عقیدہ تھا کہ صرف وہی مسلمان ہیں اور جو کوئی ان کا عقیدہ کے خلاف ہے وہ مشرک (کافر) ہے۔ اسی بناء پر ان لوگوں نے مسلمانان اہل سنّت اور علمائے اہلِ سنّت کے قتل کو جائز ٹھہرایا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی شوکت کو توڑ دیا۔ ان کے شہروں کو برباد کر دیا اور اسلامی افواج کو ان پر فتح دی۔ یہ واقعہ ۱۲۳۳ ھجری میں ہوا۔

دیو بندیوں کے مایۂ ناز مولوی عبید اللہ صاحب سندھی کی گواہی:

موصوف اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" صفحہ ۲۸ پر لکھتے ہیں۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب ابن سلیمان ہیں۔ شیخ موصوف ۱۱۱۵ ھجری میں نجد کی بستی عینیہ میں پیدا ہوئے اور آپ ہی کی طرف وہابی جماعت منسوب کی جاتی ہے۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب نے جب دعوت و تبلیغ شروع کی تو موصوف درعیہ تشریف لے گئے اور وہاں کے امیر محمد بن سعود نے آپ کی اطاعت کرلی۔

یہ واقعہ ۱۱۵۹ ھجری کا ہے۔ اس کے بعد وہابی تحریک کو فروغ حاصل ہوا اور نجد اور عمان تک اس کا اثر پھیل گیا۔ ۱۲۰۰ ھجری تک حجاز اور یمن پر بھی وہابیوں کی عملداری ہوگئی۔ امام شوکانی کے شاگرد محمد بن ناصر حازمی لکھتے ہیں۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب صاحب علم بزرگ تھے۔ آپ کا طبعاً دینی قیادت کی طرف رجحان تھا۔ موصوف کے رسالے مشہور خاص و عام ہیں۔ ان میں سے بعض تو قابل قبول ہیں اور بعض ایسے ہیں جو رد کئے جاتے ہیں۔ شیخ موصوف کی دو باتیں ہیں جو پسند نہیں کی جائیں ایک تو یہ ہے کہ انہوں نے چند بے اساس امور (بے بنیاد باتوں) کی بناء پر تمام دنیا کے مسلمانوں کو کافر قرار دیا ہے۔ چنانچہ داؤد بن سلیمان نے شیخ موصوف کے اس دعویٰ کا نہایت مناسب رَد لکھا ہے اور ان کی دوسری زیادتی یہ تھی کہ بلا کسی دلیل و حجت کے انہوں نے بے گناہوں کو قتل کرنے کی اجازت دی۔ چنانچہ شیخ موصوف یہ اعلان کیا کرتے تھے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی اور سے دعا کی یا کسی نبی، بادشاہ، عالم کو اس میں وسیلہ بنایا تو وہ مشرک ہے۔ خواہ دل سے چاہے یا انکار کرے اور اس کا عقیدہ رکھتا ہو یا نہ مانتا ہو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے روئے زمین کے سب مسلمانوں کو تکفیر کا نشانہ بنادیا۔ چنانچہ جو مسلمان اولیاء اللہ سے دعا کراتے ہیں۔ ان کو موصوف نے کافر قرار دیا اور جو ان کا کفر میں شک کرے۔ شیخ موصوف نے ان شک کرنے والوں کو بھی کافر ثابت کیا۔ ان لوگوں سے جو آپ کے مخالف تھے جہاد کرنا ضروری سمجھتے تھے اور جس طرح بھی بَس چلے ان کے قتل کو رَوا جانتے تھے اور ان کے مال و دولت کو لُوٹنے کی اجازت دیتے تھے۔ موصوف نے اِس طرح دنیا جہان کے مسلمانوں کو زمرۂ کفّار میں داخل کردیا۔ گو شیخ نے شریعت کے ایک حصّہ کو جانا تو ضرور لیکن آپ نے اس میں امعانِ نظر سے کام نہ لیا اور اصل شیخ موصوف نے کسی ایسے استاد سے علم حاصل نہ کیا تھا جو انہیں صحیح ہدایت پر لگاتا اور نفع مند

علوم کی طرف ان کی راہنمائی کرتا اور دین کے معاملات میں ان میں تفقّہ اور سمجھ پیدا کرتا۔ طالب علم کے سلسلہ میں موصوف نے صرف اتنا کیا کہ شیخ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کی بعض کتابیں پڑھ لیں اور ان کی تقلید کی درآنحالیکہ یہ دونوں بزرگ تقلید کو جائز نہ سمجھتے تھے۔ محرم کی آٹھویں تاریخ ۱۲۱۸ھ میں ہفتہ کے روز دن دہاڑے انہوں نے حرم محترم پر حملہ کیا تھا شیخ محمد بن عبدالوہاب اس سے پہلے ۱۲۰۶ ھجری میں انتقال کرچکے تھے۔ یہ حملہ شیخ موصوف کے صاحبزادے عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب کے عہد میں ہوا۔ ابجدالعلوم صفحہ ۸۷۱۔

ثابت ہوا کہ۔ ۱۔ ابن عبدالوہاب نجدی کی پیروی کرنے والے وہابی ہیں۔ ۲۔ شیخ نجدی اور ابن سعود نجدی کے باہمی معاہدہ کے بعد بے گناہ مسلمانوں کے قتلِ عام اور باقاعدہ لوٹ مار کا آغاز ہوا۔ ۳۔ وہابیوں کا قرآن پر ایمان نہیں اس لئے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا واضح ارشاد ہے :۔

من یقتل مومنا متعمداً فجزائه جهنم خالداً فیها وغضب الله علیه ولعنه۔ واعدله عذابا الیما ○ جس نے کسی ایک مومن کو عمداً قتل کیا تو اس کی جزا ہمیشہ کے لئے جہنّم ہے۔ اللہ نے اس پر غضب کیا اور اس پر لعنت کی اور اس کے لئے تیار کر رکھا ہے دردناک عذاب۔" اگر وہابیہ کا قرآن پر صحیح معنوں میں ایمان ہوتا تو شرعی جواز کے بغیر محض حصول دنیا و اقتدار کے لئے مسلمانوں کے قتل عام کو جائز نہ ٹھہراتے۔

۴۔ وہابیہ کا حدیث رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر بھی ایمان نہیں۔ اس لئے سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے۔ **لایحل دم امری مسلم یشهد ان لااله الاالله وانی رسول الله الا باحدی ثلاث الثیب الزان والنفس بالنفس والتارک لدینه المفارق للجماعته۔** (مسلم صفحہ ۵۹ جلد ۲۔)

زانی محصن، قاتل اور مُرتد کے سوا کسی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ کی گواہی لینے والے مسلمان کو قتل کرنا حلال نہیں۔

اگر وہابیہ کا حدیث پر ایمان ہوتا تو مسلمانوں کو بے بُنیاد حیلوں بہانوں سے بِلا کسی دلیل و حجّت شرعی کے قتل کرنے کے فتوے نہ دیتے۔ اہلِ اسلام قتل و غارت کرنے کو حلال نہ ٹھہراتے اور ان کا قتل عام نہ کرتے۔

۵۔ وہابیوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلّی اللہ علیہ و سلّم کے احکام کی کچھ بھی قدر اور احترام نہیں۔ اس لئے کہ قرآن و حدیث میں حرم کعبہ میں قتل و قتال کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے من دخله کان آمنا (پ ۴۔ ع۔ ۱) جو "اس حرم میں آئے امان میں ہو" اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و سلّم نے فرمایا وانه لم یحل القتال فیه لاحدقبلی ولم یحلی لی الاساعته من نهار فهو حرام بحر مته الله الی یوم القیامته۔

"مجھ سے پہلے حرمِ مکہ میں کسی کے لئے قتال حلال نہ ہوا اور میرے لئے بھی دن کی ایک ساعت کے سوا حلال نہ ہوا۔ پس اللہ کے حرام ٹھہرانے سے حرمِ مکّہ میں قیامت تک قتال حرام ہے" (مشکوٰہ کتاب المناسک باب حرم مکّہ فصل اوّل)۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق صلّی اللہ علیہ و سلّم نے حرمِ محترم میں قتل و قتال کو تا قیامت حرام کیا۔ مگر وہابیوں نے حلال ٹھہرایا اور حرم مکہ میں جنگ و جدال اور قتل و قتال کرتے رہے۔

۶۔ وہابیوں کی مسلمانوں کے خلاف ظالمانہ و سفّاکانہ کاروائیوں سے ان کا مقصد محض حصولِ اقتدار تھا۔ مسلمانوں کے علاقوں شہروں اور آبادیوں پر تسلّط جما کر ہوسِ ملک گیری کو پُورا کرنا تھا اور چونکہ مسلمانوں کو مسلمانوں کے

خلاف وسیع پیمانے پر برسرِپیکار کر دینا مشکل تھا اس لئے شیخ نجدی نے توحید و شرک کی آڑ میں کچھ بے بنیاد و من گھڑت اصول بنا کر ان کے تحت صرف اپنی جماعت کو مسلمان اور باقی سارے مسلمانوں کو مشرک کافر قرار دے کر ان کے قتل و غارت کو واجب ٹھہرایا اور پھر جن آیاتِ قرآن میں مسلمانوں کو کفّار کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا ہے ان آیات کے تحت جماعتِ وہابیہ پر مسلمانوں کے خلاف جہاد کو فرض قرار دے دیا اور اس طرح ان وہابیوں پر رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان صادق آیا۔ **یقتلون اهل الاسلام ویدعون اهل الاوثان۔** (مسلم صفحہ ۳۴۰ جلد ۲) یہ لوگ مسلمانوں کو قتل کریں گے اور بُت پرستوں سے تعرض نہ کریں گے۔

۷۔ مولوی عبید اللہ صاحب سندھی کے بیان سے بھی یہی واضح ہوا کہ وہابیہ کا امام دینِ اسلام کی تعلیمات سے بے بہرہ تھا۔ دین کے معاملات میں سمجھ بوجھ سے عاری اور کوتاہ نظر تھا۔

۸۔ نجدی وہابی بنیادی طور پر جہلِ مرکّب میں گرفتار ہیں کہ ایک طرف تو ان لوگوں نے آئمہ مجتہدین کی تقلید کو ناجائز حرام اور وسیلہ کفر و ذلالت ٹھہرایا اور دوسری طرف خود کو امام مجتہد احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ' کا مقلّد بھی بتایا پھر تماشہ یہ کہ انہوں نے حنبلی ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے حنبلی مسلک کے مطابق عمل کرنے کے بجائے تقلید کی بھی ابن قیم اور ابن تیمیہ کی جو بجائے خود تقلید کو حرام و ناجائز کہتے ہیں۔

وہابیوں کی تقیہ بازی کا نمونہ ملاحظہ ہو:

ابن عبدالوہاب نجدی کی "کتابُ التّوحید" کے مقدمہ میں صفحہ ۱۰ پر تقلید آئمہ مجتہدین کو دین کی تباہی و بربادی کا ذریعہ اور وسیلہ شرک و کُفر قرار دیا گیا ہے اور آئمہ مجتہدین کا مذاق اُڑاتے ہوئے لکھا ہے۔ "یہ بارہویں صدی ہجری

کے آخر کا واقعہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نجات کے اسباب غیب سے مہیّا کئے اور چند نیک نفوس کی بدولت دین کے بچے کچے حصّے کو بربادی سے بچا لیا۔ یہ جماعت مدینۂ منوّرہ سے نکل کر متفرق ممالک و دیار میں پہنچی اور اسلام کے زنگار تلوار کو صِقل و جِلاء کے ذریعے پھر سے چمکدار و آبدار کیا۔ قلبِ عرب میں شیخ محمد بن عبدالوہاب کو اللہ تعالیٰ نے یہ خدمت عطاء کی، ہند میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو بلادِ مغرب میں شیخ سنوسی کو غرض اس طرح سے ایک اصلاحی لہر تمام عالَم میں پھیل گئی مُردہ قوم میں زندگی کے آثار شروع ہوگئے۔ بدعات و رسم وشرک و کُفر و جہل و نفاق کی علامات بدلنے لگیں۔ ان لوگوں نے عِلمی و عملی ہر حیثیت سے اصلاح کی اور اسلام کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کو پھر سے روشن کردیا۔ ان کی بدولت تحقیق و اتباعِ سنّت کا دروازہ کھُلا جسے اہلِ بدعت و مقلّدین عرصہ سے بند کر چکے تھے۔ حتمی اور آخری فیصلہ جو قرآن کے نص سے زیادہ صحیح اور واضح سمجھا جاتا ہے اجماع کے نام سے مشہور کر چکے تھے۔ "اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا۔ کتاب و سنّت کے سمجھنے والے مَر چکے اور تمام اُمتِ محمّدیہ میں صرف یہ چار شخص ایسے ہوئے ہیں جنہیں یہ فہم نصیب ہوئی باقی سب پر تقلید فرض ہے۔" اس غلط اور پُرازافک و بہتان دعویٰ نے دین کو انتہائی پستی اور تحقیق و تدبّر کو بیکار کر دیا تھا اس حصن باطل اور وسیلۂ کفر و ضلالت کو انہوں نے پُوری کوشش سے مٹایا اور برباد کردیا۔

مندرجہ بالا عبارت میں ابن عبدالوہاب نجدی شاہ ولی اللہ دہلوی اور شیخ سنوسی کو نہ صرف غیر مقلّد بلکہ تقلید کو مٹانے والے بیان کیا گیا ہے اور مقلّدین اور آئمہ مجتہدین پر کمالِ بے حیائی کے ساتھ پھبتی کسی گئی ہے۔ مگر یہ تماشہ دیکھیئے کہ اسی مقدمہ میں ہی صفحہ ۱۷ پر بتلایا گیا ہے کہ ابن عبدالوہاب نجدی تقلید کو مٹانے والا غیر مقلّد نہیں تھا بلکہ امام مجتہد احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کا مقلّد

تھا۔ کمال ڈھٹائی کے ساتھ صاف لکھ دیا کہ شیخ ابن عبدالوہاب اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔ منجملہ ان کے ایک بیت یہ ہے۔

وبالنعمته العظمی اعتقاد ابن حنبل
علیها اعتقادی لوم کشف السرائر

یعنی میں اللہ کا شکر کس زبان سے کروں جس نے مجھ پر یہ عظیم نعمت فرمائی کہ مجھے احمد بن حنبل کا معتقد بنایا جو سلف صالحین کا اعتقاد ہے۔ یہی میرا عقیدہ روز محشر ہوگا۔

غور کا مقام ہے کہ وہابی مضمون نگار نے سنحہ ۱۰ پر تقلید کو وسیلۂ ضلالت و کفُر اور دین کی تباہی و بربادی کا موجب لکھا۔ لیکن صفحہ ۱۷ پر شیخ نجدی ہی کی زبان سے کہلوادیا کہ جب مجتہدین کی تقلید اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے امام احمد بن حنبل کا مقلّد بنایا سچ ہے۔ اذ لم تستحی فاصنع ماشئلت۔(بخاری)۔ بیحیا باش وہرچہ خواہی کُن۔

اس کے علاوہ وہابی مقدّمہ نویس نے شاہ ولی اللہ کو بھی غیر مقلّد۔ تقلید کو مٹانے والا۔ اور تحریک کے بانیوں میں شمار کیا ہے تو اس کے متعلق واضح رہے کہ یہ بات شاہ صاحب موصوف کی زندگی کے آخری دَور کے متعلق کسی حد تک درست کہی جاسکتی ہے لیکن انہیں تحریکِ وہابیہ کے بانیوں میں شمار کرنا صریحاً غلط اور ظلم عظیم ہے۔ چونکہ شاہ صاحب موصوف کے متعلق صحیح صورت حال سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے سنی، حنفی یا غیر مقلّد وہابی ہونے کی تحقیق مختصراً جان کر دی جائے تاکہ ناظرین صحیح نتیجے تک پہنچ سکیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے سنّی، حنفی یا غیر مقلّد وہابی ہونے کی تحقیق:

واضح رہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی زندگی کے پہلے دَور میں پکے

حنفی اور عقائد اہل سنّت و جماعت کے نہ صرف حامل بلکہ مبلّغ و داعی تھے مگر افسوس کہ زندگی کے دوسرے دَور میں یعنی نجد و حجاز میں ابن الوہاب نجدی سے ملنے کے بعد وہابیت سے متاثر ہوگئے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی زندگی کا پہلا دَور:

مولوی عبیداللہ صاحب سندھی شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک کے صفحہ ۱۰۲ اور ۱۰۳ پر لکھتے ہیں۔ "بات دراصل یہ ہے کہ امام ولی اللہ اگرچہ اپنے والد کی طرح حنفی مذہب کے پابند تھے مگر وہ حنفی اور شافعی دونوں مذہبوں کی کتابیں محققین کی طرح پڑھاتے تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی کتاب فیوض الحرمین میں فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جناب میں توجّہ کی اور ان سے یہ معلوم کرنا چاہا کہ وہ مذاہبِ فقہ میں سے کس مذہب کی طرف زیادہ میلان رکھتے ہیں تاکہ میں اس کو مضبوطی سے پکڑوں۔ چنانچہ مجھ پر یہ کھلا کہ ان کے نزدیک سب مذہب برابر ہیں اور ان کی روح اقدس کو اس حالت میں فروعات کے معلوم کرنے کا خیال نہیں ہے۔" اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب مقلد حنفی تھے۔

نیز شاہ صاحب موصوف رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو نجدی وہابیوں کی طرح نعوذ باللہ مُردہ اور بے خبر نہیں جانتے تھے بلکہ حیاتُ النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم پر اس قدر یقین اور اعتماد رکھتے تھے کہ حل مشکلات کے لئے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں متوجہ ہوتے اور کامیاب بھی ہوتے تھے۔ حالانکہ وہابی اس عقیدہ کو شرک وکفر قرار دیتے ہیں اس کے علاوہ شاہ صاحب موصوف "فیوض الحرمین" میں کئی مقامات پر اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر آن مخلوق کی طرف متوجہ ہیں اور خلق خدا پر رحم فرماتے ہیں اور مظلوموں اور مصیبت زدوں کی فریاد رسی اور مدد فرماتے ہیں۔

درود شریف پڑھنے والے کو جانتے پہچانتے ہیں اور اس سے خوش ہوتے ہیں نیز یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر مومن نمازی کے وجود میں موجود ہوتے ہیں، تمام مخلوق کے نہایت قریب اور نگہبان ہیں۔ محتاجوں کی دستگیری فرماتے ہیں۔ روضۂ انور پر حاضر ہونے والوں کو دیکھتے اور جانتے پہچانتے ہیں۔ سائلوں کے سوالات پورے فرماتے اور بعض خوش نصیبوں سے کلام بھی فرماتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہابی صاحبان ان میں سے کسی بات کو صحیح تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ ایسے عقائد رکھنے والوں کو قطعاً مشرک کافر اور گردن زدنی قرار دیتے ہیں۔

بہ بین تفاوت رہ کز کجاست تا بہ کجا

نیز شاہ صاحب موصوف اپنی تالیف "قول الجمیل" میں بیعت طریقت کو قرآن و حدیث سے ثابت کرکے سنت قرار دیتے ہیں۔ اور راہ سلوک کی وضاحت فرماتے ہوئے ذکرِ نفی و اثبات۔ پاسِ انفاس، طریقِ مراقبہ، طریقۂ ربطِ قلب بہ شیخ، تصوّرِ شیخ، کشفِ قبور اور مزاراتِ مقدّسہ اولیاء اللہ سے فیوض و برکات حاصل کرنے کا طریقہ تعلیم فرماتے ہیں۔ اس کے برعکس وہابی صاحبان ان جملہ اُمور کی تردید کرتے اور عین شرک و کفر ٹھہراتے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی اور ابن عبدالوہاب نجدی کے عقیدہ و تعلیم کا موازنہ:

ملاحظہ ہو شفاء العلیل ترجمہ قول الجمیل صفحہ ۷۴، ۷۵ شاہ صاحب موصوف فرماتے ہیں۔ "وقالوا اذا دخل مقبرہ قراسورۃ انا فتحنا فی رکعتین ثم یجلس مستقبلا الی المیت مستدبر الکعبتہ فیقرا سورۃ الملک ویکبر یھلل ویقرا سورۃ الفاتحۃ احدی عشر مرۃ ثم یقرب من المیت فیقول یارب احدی وعشرین مرۃ ثم یقول یا روح الروح یضربہ فی القلب حتی یجد انشراحاً و نوراً ثم ینتظر

لما یفیض من صاحب القبر علی اقبلہ"

ترجمہ : مشائخ چشتیہ نے فرمایا کہ جب قبرستان میں داخل ہو تو سورۃ اِنَّا فَتَحۡنَا دو ۲ رکعت میں پڑھے اور میّت کے سامنے ہو کر کعبہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھے پھر سُورۃ ملک پڑھے اور تکبیر و تہلیل کہے اور گیارہ بار سُورہ فاتحہ پڑھے پھر میّت کے قریب ہوجائے پھر کہے یارب یارب اِکیس بار، پھر کہے یا رُوح اور پھر اس کو آسمان کی طرف ضرب کرے اور یا روح الروح کی دِل میں ضرب لگائے یہاں تک کشائش و نُور پائے۔ پھر اس فیضان کا منتظر رہے۔ جو صاحبِ قبر سے حاصل ہوسکے اس کے دل پر۔" شاہ صاحب کا بیان محتاجِ بیان نہیں۔

اب اس کے مقابلے میں ابن عبدالوہاب نجدی کا فتویٰ دیکھئے۔ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ نوح کی قوم نے جو کام کیا یعنی قبر پرستی کی وہ بہترین عبادت ہے پس جس چیز کو اللہ اور رسول اللہ صلّی اللہ علیہ و سلّم نے حرام کیا اس کا اعتقاد رکھا۔ حالانکہ یہ ایک ایسا صریح کفر ہے جس سے مال اور خون حلال ہوجاتا ہے۔ (کتاب التوحید صفحہ ۲۷۔)

شاہ صاحب جو تعلیم دیتے ہیں، ابن عبدالوہاب نجدی اُسے ایسا صریح کفر کہتا ہے کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو، اسے قتل کرنا اور اس کے مال و متاع کو لُوٹ لینا جائز ہوجاتا ہے نیز شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی نے سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ و سلّم کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ **اطیب النعم فی مدح سید العرب و العجم** بزبانِ عربی لکھا ہے۔ اس کے صرف پانچ اشعار بطور نمونہ درج کرتا ہوں۔

۱۔ وصلی اللہ علیک یا خیر خلقہ
و یا خیر ما مول و یا خیر واھب

اے بہترین کائنات آپ صلّی اللہ علیہ و سلّم پر اللہ تعالی کا درود ہو، اے

بہترین امید گاہ اور اے بہترین صاحبِ عطا۔

۲۔ فاشهدان الله راحم خلقه

وانک مفتاح لکنز المواهب

میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ ہی بخشش کے خزانوں کی کنجی ہیں یعنی آپ کے وسیلہ کے بغیر اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے کسی کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

۳۔ ومعتصدالکروب فی کل غمره

و منتجع الغفران من کل تائب

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بغیر مجھے دُوسرا کوئی نظر نہیں آتا۔ جہاں کہ مصیبت زدہ امداد کے لئے ہر سختی کے وقت ہاتھ مارے اور جہاں سے ہر توبہ کرنے والا طلب مغفرت کرسکے۔

۴۔ انت مجیری من سجوم ملمة

و اذانشبت فی القلب شر المخالب

یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سختی کے حملوں سے آپ ہی مجھے پناہ دینے والے ہیں جب دل میں پنجہ ڈال دے مصیبت بلا کی۔

۵۔ فما انا اخشی اذمة مدلهمة

ولا انا من ریب الزمان براهب۔

پس چونکہ آپ میرے حمایتی ہیں اس لئے میں سختیوں کی تاریکیوں سے نہیں ڈرتا اور نہ مجھے گردش زمانہ کا خوف ہے۔

شاہ صاحب موصوف رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو حاضر ناظر جان کر حرفِ خطاب "یا" سے نِدا کرتے ہیں، آپ کو مخلوق کے لئے اُمید گاہ عطا فرمانے والے، پناہ دینے والے اور مددگار سمجھ کر آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے فریاد و

استغاثہ کرتے ہیں اور اِس امر کی گواہی دیتے ہیں کہ رحمت و بخشش الٰہی کے خزانوں کی آپ کنجی ہیں۔

اس کے بالمقابل ابن عبدالوہاب نجدی کہتا ہے۔ "شرک اکبر۔ اصل اور بڑا شرک یہی ہے کہ انسان غیر اللہ کو پکارے اور اس سے مدد طلب کرے۔ (کتابُ التّوحید صفحہ ۵۷۔) حتی کہ وہابیوں کا یہ پیشوا شیخ نجدی حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے متعلق لکھتا ہے۔"جب حضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کسی کے کام نہیں آسکتے تو اور کون آسکتا ہے۔" (کتابُ التوحید صفحہ ۵۹۔)

اس موازنہ سے ثابت ہوا کہ شاہ ولی اللہ صاحب محدّث دہلوی اور ابوالوہابیہ شیخ نجدی ابن عبدالوہاب کے عقائد میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ دونوں کے راستے جُدا ہیں۔ جن امور کو شاہ صاحب موصوف عین اسلام سمجھتے ہیں، انہی امور کو شیخ نجدی عین شرک و کفر قرار دیتا ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اگر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مقلّد، حنفی اور عقائد اہلِ سنّت و جماعت کے حامی تھے تو پھر ان کی بعض کتابوں میں ایسی عبارتیں کیوں کر موجود ہیں جنہیں موجودہ وہابی اپنے عقائدِ باطلہ و خیالاتِ فاسدہ کی تائید اور عقائدِ اہل سنّت کی تردید میں پیش کرتے ہیں تو اس کے متعلق عرض ہے کہ شاہ صاحب موصوف کی بعض کتابوں کی یہ عبارتیں ان کے وہابیّت سے متاثّر ہو جانے کے بعد کی ہیں۔ یعنی ان کی زندگی کے دوسرے دَور کی ہیں۔

شاہ ولی اللہ کی زندگی کا دُوسرا دَور:

شاہ ولی اللہ صاحب کا نام احمد ہے، آپ کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب مقلّد حنفی اور مشہور اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے تمام علوم اپنے والد سے حاصل کئے اور جیسے کہ آپ ابھی پڑھ چکے ہیں آپ بھی مقلد حنفی اور علوم شریعت و طریقت عالِم باعمل تھے۔

اپنے والد کی وفات کے بعد آپ ان کے جانشین بنے آپ کو اس قدر شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی کہ آپ کو شاہ ولی اللہ اور قطب الدین جیسے معزّز القاب سے نوازا جانے لگا۔ واضح رہے کہ شاہ صاحب موصوف ابن عبدالوہاب نجدی کے ہم عصر ہیں۔ جس زمانے میں آپ ہندستان میں دینی خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ اسی زمانے میں شیخ نجدی نجدو حجاز میں وہابیّت کے فروغ، قتل وغارت اور لُوٹ مار میں مصروف تھا۔ جب شاہ ولی اللہ صاحب فریضۂ حج ادا کرنے حجازِ مقدس پہنچے تو وہاں آپ کی ملاقات ابن عبدالوہاب سے ہوگئی، شیخ نجدی یہ جان کر کہ آپ عالم شہیر اور مسلمانانِ ہند کے ذی اثر رہنما ہیں۔ آپ سے بڑی گرم جوشی کے ساتھ پیش آیا اور میل جول بڑھتے بڑھاتے ان دونوں میں بے تکلفی کی حد تک دوستانہ تعلقات قائم ہوگئے۔ شاہ صاحب تحریکِ وہابیت کی سیاسی سرگرمیوں کو دیکھ کر بڑے متاثر ہوئے اور ہندوستان میں سلطنت مغلیہ کے تزلزل اور انحطاط کا نقشہ تصوّر میں گھوم گیا۔ مسلمانوں کی اس ڈگمگاتی حکومت کے خلاف انگریزوں کی ایسٹ انڈیا کمپنی کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو یاد کرکے بے قرار ہوگئے۔ چنانچہ آپ نے پختہ فیصلہ کرلیا کہ آپ ہندوستان پہنچ کر ابن عبدالوہاب نجدی کے طریقے اور اصولوں پر مسلمانوں کی تنظیم اور تحریک اقامت دین چلاکر پورے ہندوستان میں ایک مضبوط اسلامی حکومت قائم کرنے کی جدوجہد میں لگ جائیں گے۔ آپ نے شیخ نجدی کے طریقۂ کار اور اس کے اصولوں کی اسلامیانِ ہند کی زبوں حالی کا مکمل علاج قرار دے کر ابن عبدالوہاب کی ہدایات اور مشورہ سے ایک منصوبہ بنایا اور اس پر غور و خوض کرنے کے بعد لائحہ عمل مرتب کرکے مراجعت فرمائے ہند ہوئے۔

مگر چونکہ شیخ نجدی کی تحریک و سیاست کی بنیاد اصولِ وہابیّت پر قائم تھی اس لئے شاہ صاحب موصوف نے جب مسلمانانِ ہند کی تنظیم و اصلاح کے

پیش نظر اس کے اُصولوں کو اپنایا تو گویا اصولِ وہابیّت کو ہی اپنا لیا اور اس طرح آپ پر بایں ہمہ علم و فضل وہابیّت کا رنگ چڑھ گیا۔ اپنے والدِ ماجد کی تعلیم و تربیت سے آپ ان بلند مقامات تک پہنچے تھے۔ تو ابوالوہابیہ ابن عبدالوہاب نجدی کی صحبت کے اثر سے غیر ارادی طور پر ان مقامات سے آپ کی نظر اٹھ گئی اور انھوں نے مسلمانانِ ہند کی سیاسی کامیابی حکومتِ اسلامیہ کے استحکام اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو شکست دینے کے جوش او جذبہ میں مغلوب اور ابن عبدالوہاب نجدی کی کامیابیوں سے مرعوب ہوکر اصول وہابیت کو قبول اور اختیار کرتے ہوئے اس امر پر غور نہ فرمایا کہ وہابیت کے اصول اور عقائد جمہورِ اہل سنّت و جماعت کے اصول و عقائد سے یکسر مختلف اور حقیقتاً اصل اسلام ہی کے خلاف ہیں اور در حقیقت ایک فتنۂ عظیم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس پر بھی توجہ نہ کی کہ ہندوستان میں اصولِ وہابیّت کے تحت تحریکِ اقامتِ دین کو مسلمانانِ ہند قبول و برداشت نہیں کریں گے اور ان کی شخصیت پر بھی بُرا اثر پڑے گا۔ بس ان پر جو دُھن سوار ہوگئی تھی اسی دُھن میں ترویجِ وہابیّت کا پختہ فیصلہ کر بیٹھے۔

ہندوستان واپس پہنچنے پر آپ کی حالت ہی بدلی ہوئی تھی نہ وہ عالمانہ رنگ تھا اور نہ ہی طریقت کے اطوار باقی تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔ "حجاز سے واپس آنے کے بعد والدِ ماجد کی نسبت باطنی اور علم و تقریر کی حالت کچھ اور ہی ہو گئی تھی۔ جو آپ کے پُرانے شاگرد تھے وہ آپ کی حالتِ حاضرہ کا حالتِ سابقہ سے مقابلہ کرتے تھے تو ان کو اس کی نوعیت میں نمایاں فرق نظر آتا۔" (حیات شاہ ولی اللہ۔ صفحہ ۳۱) پس جب آپ کے شاگردوں اور آپ کے والد محترم کے تربیت یافتہ اور سلجھے ہوئے عقیدت مندوں نے خلاف توقع آپ کے منھ سے نامانوس باتیں اور عقائد اہلِ سنّت کے خلاف آپ کی گفتگو سنی تو حیران

و ششدر رہ گئے اور رفتہ رفتہ آپ سے بے تعلق ہوتے چلے گئے۔ تاہم شاہ صاحب اپنے طے کردہ پروگرام کے مطابق اصول و عقائدِ وہابیت کی ترویج میں کوشاں رہے۔ نیز اس سلسلے میں بھی چند کتابیں بلاغ المبین اور تحفۃ الموحدین وغیرہ تصنیف کیں۔ (انہی کتابوں کو وہابی صاحبان بکثرت شائع کرتے اور مفت تقسیم کرتے ہیں) مسلمانوں نے شاہ صاحب کے ان انوکھے وہابیانہ خیالات و عقائد کو قبول نہ کیا۔ دہلی اور اطراف و جوانب میں شور بپا ہوگیا کہ ولی اللہ وہابی ہوگیا۔ علمائے اہل سنّت شاہ صاحب کی اس غلط رَوی کے خلاف کمر بستہ ہوگئے اور انہوں نے وہابیانہ عقائد کی نہایت فرض شناسی کے ساتھ برمحل تردید کی۔ شاہ صاحب نے خود کو بجائے اہل سنّت کے محمّدی کہلانا شروع کیا اور دوسرے وہابی بھی ان کی پیروی میں محمّدی کہلانے لگے۔ اس طرح شاہ ولی اللہ کے ذریعے اس ملک میں بھی وہابیت کی داغ بیل پڑ گئی اور مسلمان قوم سنّی وہابی کے جھگڑے میں پھنس کر باہم دست بگریباں ہوگئی اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ چونکہ ابھی آپ کی تبلیغ سے کچھ زیادہ لوگ متاثر نہ ہوئے تھے اور وہابیوں کی تعداد اقل قلیل تھی لہٰذا آپ مسلمانوں کی روز افزوں مخالفت کی تاب نہ لاسکے اور دلبرداشتہ ہوکر دوبارہ ملکِ عرب کو چلے گئے۔

متعصب غیر مقلد وہابی مرزا حیرت دہلوی اپنی کتاب "حیاتِ طیّبہ" صفحہ ۲۶ تا ۲۹ میں ان کے خلاف مسلمانوں کی برانگیختگی کا اپنے ڈھنگ سے ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:—

"اُسی شب تمام کنبہ کے ممبر جمع ہوئے اور انہوں نے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے یہ صاف معلوم ہوگیا تھا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے مُلّا نے جانی دشمن ہوگئے ہیں اور انہیں شیعہ سرداروں نے بھی اکسایا ہے کہ وہ شخص آپ کو یا تو شہید کر ڈالیں یا شہرِ دلّی سے نکال دیں۔ قصّہ مختصر یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب

نے سفرِ عرب اختیار کیا اور منافقانِ اسلام کو دانت پیستا ہوا اور ہاتھ ملتا ہوا چھوڑ گئے۔"

شاہ صاحب کچھ مدّت تک نجد و حجاز میں رہ کر آخیر عمر میں پھر ہندستان واپس آئے اور "تحریک اقامت دین" کے نام سے ایک تنظیم کا آغاز کیا۔ مگر عمر نے وفا نہ کی اور اس تحریک کو نا مکمل حالت میں چھوڑ کر اِس عالمِ فانی سے انتقال کر گئے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدّث دہلوی اور شاہ رفیع الدین صاحب اپنے جدّ امجد شاہ عبدالرحیم صاحب کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے عقائدِ اہل سنّت و جماعت اور حنفی مذہب کے پابند رہے۔ اگرچہ ان پر بھی شاہ ولی اللہ صاحب کا معمولی سا رنگ چڑھا تو ہی مگر علمائے عصر نے بروقت اور کافی جواب دے دیا۔

شاہ ولی اللہ صاحب کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب نے تحریکِ اقامت دین کی قیادت سنبھالی اور تحریک کو صحیح اصولوں پر چلانے کی طرف توجّہ مبذول فرمائی جس کے نتیجے میں تحریک کافی مشہور اور مقبول ہوگئی۔ مگر افسوس کہ آپ کو زیادہ عرصہ تک کام کرنے کی مہلت نہ ملی اور داعیٔ اجل کو لبیک کہتے ہوئے رحلت فرما گئے۔

سیّد احمد رائے بریلوی اور مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کے جہاد کی حقیقت:

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی علیہ الرّحمۃ کے بعد "تحریکِ اقامتِ دین" کی عنانِ قیادت مولوی محمد اسحاق اور سید احمد رائے بریلوی کے ہاتھوں میں آگئی۔ مولوی عبید اللہ سندھی اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک" کے صفحہ ۱۷ پر لکھتے ہیں "۱۲۳۱ ھجری میں امام عبدالعزیز محدّث دہلوی فوت ہوئے تو آپ نے اپنا مدرسہ مولانا محمد اسحاق صاحب کے سُپرد کر دیا یہ حزب ولی اللہ کی امامت

کا عرفی دستور تھا۔"

سید احمد شہید کا قافلہ جب حج سے واپس آیا تو انہوں نے امام عبدالعزیز کے بعد شاہ محمد اسحاق صاحب کی امامت کو تسلیم کیا۔ اس زمانہ میں اگر جمعیت کا اجلاس مدرسہ میں ہوتا تو مولانا محمد اسحاق صدارت کرتے اور سید احمد شہید حلقے میں بیٹھتے اور جب مدرسہ سے باہر مجلس منعقد ہوتی تو سید احمد صدر بنتے اور مولانا محمد اسحاق حلقہ میں شریک ہوتے، اس طرح حزب ولی اللہ کی اساسی مصلحت کی حفاظت اور رجال و اموال جمع کرنے کے لئے دعاۃ کا سلسلہ امام عبدالعزیز کے مدرسہ سے متعلق رہا اور عسکری و سیاسی قیادت سید احمد شہید کی جماعت سے وابستہ ہوئی۔

واضح رہے کہ جہاد کے نام پر لشکر اور روپیہ کی فراہمی مولوی محمد اسحاق کے سپرد تھی اور سیاسی امور اور لشکر کی قیادت سید احمد کے ہاتھ میں تھی اور مولوی اسمعیل دہلوی سید احمد کے نائب اور لشکر کے کمانڈر انچیف تھے' ملاحظہ ہو کتاب حیاتِ طیبہ صفحہ ۲۹۳۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کافی زور پکڑ چکی تھی سلطنتِ مغلیہ زوال پذیر تھی، ملک میں سخت انتشار اور غیر یقینی حالات پیدا ہوچکے تھے۔ پنجاب کے علاقہ پر سکھ اپنی حکومت قائم کئے ہوئے تھے اور سکھا شاہی پنجاب کے مسلمانوں کو کچلنے میں مصروف تھی۔ مغل تاجدار انگریزوں کا دست نگر اور وظیفہ خوار بن کر رہ چکا تھا۔ اُس وقت کی سیاست عملاً یہ صورت اختیار کرچکی تھی کہ "ملک اللہ کا حکومت بادشاہ کی اور حکم ایسٹ انڈیا کمپنی بہادر کا" اس پُر آشوب دَور میں ضرورت اس امر کی تھی کہ راہنمایان قوم ایسٹ انڈیا کمپنی کے اس بڑھتے ہوئے خطرہ کے سدِباب کی منظم، مؤثر تدابیر اختیار کرتے اور ملک و ملّت کی صحیح راہنمائی کرکے غاصب انگریز کے قدم جماتے ہوئے اقتدار کو بیخ و بُن سے اکھاڑ پھینکتے اور مسلمانوں کی متزلزل حکومت

کو سہارا دینے کی خاطر قوم کو دشمنانِ ملک و مِلّت کے خلاف صَف آراء کر دینے کی جدوجہد کرتے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی قائم کردہ تحریکِ اقامتِ دین و شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کی کوششوں سے کافی شہرت و مقبولیّت حاصل کر چکی تھی، اس مقصد کے حصول کا مؤثّر ذریعہ بن سکتی تھی، اس تحریک کے موجودہ قائدین ملک و ملّت کے اجتماعی مفاد میں اپنی ذمّہ داریوں کو محسوس کر لیتے۔ مگر افسوس کہ اس تحریک کی زمامِ قیادت ایسے افراد کے ہاتھوں میں آگئی تھی جنہیں مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کے بجائے ذاتی و گروہی مفاد عزیز تھا۔ اس لئے انہوں نے انگریز سامراج کے خلاف مجاہدانہ کارروائی کرنے کے بجائے انگریز سامراج کی غلامی اور وفاداری کو بہتر سمجھا۔ ان لوگوں نے انگریزی حکام کو اپنی مکمل وفاداری کا یقین دلا کر ان سے اپنی تحریک کے لئے تائید و حمایت کا وعدہ لیا۔ سید احمد اور اسماعیل دہلوی نے انگریز سے ساز باز کرتے ہوئے یہ اچھّی طرح واضح کر دیا کہ ان کی تحریک کا مقصد کسی بھی طرح انگریز کے اقتدار کی مخالفت یا انگریزی حکومت کو کسی قسم کا نقصان پہنچانا نہیں، بلکہ اس تحریک کے تحت نعرۂ جہاد کا مقصد یہ ہے کہ ہم پٹھانوں کے سرحدی علاقوں میں اپنا فوجی ہیڈ کوارٹر قائم کر کے سکھوں کے خلاف جنگ کریں اور پٹھانوں کو اپنے ساتھ ملا کر یا انہیں بزورِ طاقت زیر کر کے لڑ بھڑ کر پٹھانوں اور سکھّوں سے کچھ علاقہ چھین کر اپنی ایک چھوٹی موٹی ریاستِ دہابیہ قائم کر لیں چونکہ ان کا یہ منصوبہ انگریز کے مفاد میں تھا۔ اس لئے اس نے ان کی تائید و حمایت سے دریغ نہ کیا۔

متعصّب وہابی مرزا حیرت دہلوی لکھتا ہے "سید صاحب کے پاس مجاہدین جمع ہونے لگے۔ سیّد صاحب نے مولانا اسماعیل کے مشورے سے شیخ غلام علی رئیس الہٰ آباد کی معرفت لفٹننٹ گورنر ممالک مغربی شمالی کی خدمت میں اطّلاع دی کہ ہم لوگ سکھّوں پر جہاد کرنے کی تیاری کرتے ہیں، سرکار کو تو اس میں اعتراض نہیں

ہے؟ لفٹننٹ گورنر صاحب نے صاف لکھ دیا کہ ہماری عملداری اور امن میں خلل نہ پڑے تو ہمیں آپ سے کچھ سروکار نہیں۔ (حیات طیبہ صفحہ ۵۲۳)۔

نیز محمد جعفر تھانیسری جو اِس تحریک کا سرگرم رُکن تھا لکھتا ہے " اس سوانح اور نیز المکتوبات منسلکہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ سیّد صاحب کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سرکار انگریزی اس وقت سیّد صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سیّد صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی، مگر سرکار انگریزی اس وقت دل سے چاہتی تھی کہ سکھّوں کا زور کم ہو (تواریخ عجیبیہ صفحہ ۱۸۲)۔

نیز متعصّب وہابی مسعود عالم ندوی کا بیان ہے۔ "کمپنی کی حکومت نے پہلے پہل مجاہدین کے آنے جانے میں کوئی روک ٹوک نہیں کی"۔ ہنٹر ایک جگہ لکھتا ہے کہ بعض کارخانوں کے مسلمان ملازم اپنے انگریز مالکوں سے چھٹّی لے کر جہاد کو جایا کرتے تھے۔ سرسید نے ایک اور دلچسپ واقعہ کا ذکر کیا ہے، دھلی کے ایک ہندو مہاجن نے جس کے پاس جہادیوں کی امدادی رقمیں جمع تھیں کچھ غبن کیا۔ تو مولانا محمد اسحاق نے مسٹر ولیم فریزر کمشنر دھلی کے اجلاس میں نالش کی اور مدعی کے حق میں ڈگری ہوئی، وصول شدہ رقم پھر دوسرے ذریعہ سے سرحد کو بھیجی گئی۔ اس مقدمے کا اپیل صدر کورٹ الہٰ آباد میں ہوا، وہاں بھی عدالت ماتحت کا فیصلہ بحال رہا کہ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک صفحہ ۱۳۵، ۱۳۶ وہابی مولوی اسماعیل پانی پتی مقالات سرسیّد حصّہ شاز دہم صفحہ ۳۴۹ حاشیہ کے حاشیہ پر لکھتا ہے۔ " ان ہم عصر کے بیانات کی موجودگی میں اب ایک سو سترہ سال بعد یہ کہنا کہ "نہیں حضرت (سیّد احمد) شہید انگریزوں کے خلاف جہاد کا عزم بالجزم رکھتے تھے " ایک ایسا ہی دعویٰ ہے، جو اپنے ساتھ کوئی عقلی یا نقلی دلیل نہیں رکھتا"۔

مندرجہ بالا کتب وہابیہ سے ثابت ہوا کہ تحریکِ اقامتِ دین کے قائدین

انگریزی حکومت سے مکمل ساز باز کر چکے تھے۔ ان کی تحریک انگریزوں کے خلاف ہرگز نہ تھی، یہ لوگ انگریز کی حکومت کو اپنی حکومت سمجھتے تھے اور انگریز حکام بھی ان کی مدد اور پُشت پناہی کر رہے تھے، یہاں تک کہ انگریز کارخانہ دار خود چھٹی دے کر مسلم ملازمین کو اس نام نہاد جہاد میں بھیجتے تھے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر سید احمد اور اسماعیل دہلوی اور ان کے نام نہاد مجاہدین وہابی ملک و ملّت کی آزادی کی خاطر لڑ رہے ہوتے یا ان کی تحریک حکومتِ برطانیہ کے خلاف ہوتی، تو انگریز انہیں کھلی دینے کی. بجائے ان کی امداد اور "پشت پناہی" کیوں کرتے؟ بلاشبہ سید احمد کا سکھوں کے خلاف "یہ نعرۂ جہاد" حکومتِ برطانیہ کے استحکام کی خاطر حکومت برطانیہ سے ساز باز کر لینے کے بعد ہی لگایا تھا۔

قائدین تحریک اقامتِ دین کی انگریز سے ملی بھگت کا مزید ثبوت

ملاحظہ ہو، وہابی مولوی ابوالحسن ندوی لکھتا ہے۔ اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں میں کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا کہ پادری صاحب (سیّد احمد صاحب) کہاں ہیں، حضرت نے کشتی پر سے جواب دیا کہ میں یہاں موجود ہوں، انگریز گھوڑے پر سے اُترا اور ٹوپی ہاتھ میں لئے کشتی پر پہنچا اور مزاج پُرسی کے بعد کہا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم یہاں کھڑے کر دئیے تھے کہ آپ کی اطلاع کریں، آج انہوں نے اطّلاع کی کہ اغلب یہ ہے کہ حضرت قافلہ کے ساتھ تمہارے مکان کے سامنے پہنچیں، یہ اطلاع پا کر غروبِ آفتاب تک کھانے کی تیاری میں مشغول رہا۔ تیار کرانے کے بعد لایا ہوں۔ سید صاحب نے حکم دیا کہ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کر لیا جائے، کھانا لے کر قافلہ میں تقسیم کر دیا گیا اور انگریز دو تین گھنٹہ ٹھہر کر چلا گیا"۔ (سیرت سید احمد صفحہ ۱۹۰، جلد ۱)۔

غور کا مقام ہے کہ اگر سید احمد رائے بریلوی اسماعیل دہلوی اور ان کے ساتھی انگریزوں کے واقعی دشمن تھے، تو کیا انگریز ان سے خوف زدہ ہو کر ڈر کی وجہ سے

مجبور ہوکر ان کے ساتھ ایسے دوستانہ یا خوشامدانہ برتاؤ کررہے تھے ؟ یا یہ کہ انگریز حکام اس قدر کمزور تھے کہ وہ ان کی سرگرمیوں کو روک نہیں سکتے تھے ، اس لئے ان کی خوشامد کررہے تھے کہ شاید اسی طرح یہ نام نہاد مجاہدین انگریزوں کی حالت پر رحم فرمادیں ۔ ظاہر ہے کہ ایسی کوئی بات نہ تھی ۔ بلکہ در حقیقت سید احمد اور ان کے رفقاء اپنے ذاتی و گروہی مفادات کے پیش نظر انگریز کی گود میں بیٹھ چکے تھے اور برطانوی حکومت کے آلۂ کار بن چکے تھے ۔ یہی وجہ تھی کہ انگریز ان کی سرپرستی اور مدد کرکے اپنی خوشنودی اور تعاون کا اظہار کررہے تھے اور اس کے جواب میں قدم بہ قدم انگریزی حکام کو مزید مطمئن کرنے کیلئے

سید احمد اور اسمٰعیل دھلوی انگریزوں کی وفاداری کے اعلانات کرنے میں مصروف تھے

وہابی مولوی محمد جعفر تھانیسری کا بیان ہے کہ "یہ بھی صحیح روایت ہے کہ اثنائے قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسمٰعیل وعظ فرمارہے تھے ، ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے رو رعایا اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے "۔ (سوانح احمدی مطبوعہ فاروقی ، دھلی صفحہ ۷۳) نیز دیکھئے کتاب "حیاتِ طیبہ" مطبوعہ فاروقی ، "دھلی صفحہ ۲۹۶" ۔

کلکتہ میں جب اسمٰعیل صاحب نے جہاد کا وعظ شروع کیا ہے ، اور سکھوں کے مظالم کی کیفیّت پیش کی ہے ، تو ایک شخص نے دریافت کیا کہ "آپ انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے ؟" آپ نے جواب دیا کہ "ان پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے ۔"

ناظرین ذرا اس "کسی طرح بھی" اور "کسی طرح" کے عموم واطلاق کو ذہن میں رکھتے ہوئے اسماعیل دھلوی کا مندرجہ ذیل فتویٰ بھی دیکھیں اور اندازہ لگائیں

کہ موجودہ دیوبندی وہابی اور دوسرے وہ صاحبان جو سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی کے نام نہاد جہاد کا رات دن ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں، اس میں کہاں تک صداقت ہے۔

اسمٰعیل دہلوی کس ڈھٹائی کے ساتھ اعلان کرتا ہے "بلکہ ان پر (برٹش پر) کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اس (حملہ آور) سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں[1]۔ (حیات طیبہ)

اسی سلسلہ میں تحریک اقامت دین کے امیر سید احمد صاحب کا اعلان بھی قابل دید ہے کہ فرماتے ہیں "ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصول مذہب طرفین کا خون بلا سبب گرادیں" (تواریخ عجیبیہ صفحہ ۹۱)۔

سید احمد اور اسمٰعیل دہلوی کے ان واضح اعلانات سے صاف ظاہر ہے کہ ان کی جدوجہد انگریزوں کے خلاف ہرگز نہیں تھی۔ وہابیہ کے یہ امام و پیشوا حکومت برطانیہ کے مخالف نہیں تھے، بلکہ یہ لوگ تو انگریز کے اقتدار کو اپنا اقتدار اور برٹش گورنمنٹ کو "اپنی گورنمنٹ" قرار دے کر مسلمانوں کو یہ تلقین کرتے رہے کہ برطانوی حکومت کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کردیں۔

ناظرین بہ نظر انصاف فیصلہ کریں کہ جو لوگ سید احمد اور اسماعیل دہلوی کو مجاہدین اسلام، مجاہدین آزادی انگریز دشمن اور تحریک آزادی کے ہیرو قرار دیتے اور ان کی شان میں قصیدہ خوانی کرتے نہیں تھکتے، وہ کہاں تک حق بجانب ہیں، پھر لطف کی بات تو یہ ہے۔ کہ امیرِ تحریک سید احمد نے اپنے اعلان میں انگریزوں

---

[1] واضح رہے حیات طیبہ مطبوعہ فاروقی دہلی کی یہ دونوں عبارتیں کتاب شمع ہدایت سے ماخوذ ہیں۔ "مکتبہ السلام لاہور کی شائع کردہ کتاب حیات طیبہ" میں یہ عبارتیں موجود نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر مصلحتاً انہیں حذف کردیا گیا ہے۔ تاہم صفحہ ۲۹۰ پر یہ اعلان موجود ہے، سرکار انگریزی سے ہمارا مقابلہ نہیں اور نہ ہی ہمیں اس سے کچھ مخاصمت ہے (مولف)

کے خلاف جہاد کو خلاف اصول مذہب کہہ کر اپنے ہر اس حمائیتی و مدّاح کا مُنہ بند کردیا ہے۔ جو یہ کہے ان لوگوں نے سیاسی اور وقتی مصلحت کے پیش نظر انگریزوں کی حمایت میں یہ بیانات دیئے تھے اور اگر اس کے باوجود بھی کوئی یہ کہتا ہے، تو اس کی دیانت پر سوائے اِنّا لِلّٰہِ واِنّا اِلیہ رَاجِعُون پڑھنے کے اور کیا کیا جاسکتا ہے۔

پھر اگر ان کے اعلانات کو نظر انداز بھی کردیا جائے تو اس کا کیا علاج کہ ان کے عمل سے یہی ثابت ہوتا ہے، کہ یہ لوگ حقیقتاً انگریزوں کے وفادار اور خیر خواہ تھے، یہاں تک کہ انہیں انگریزوں کے معتمد خصوصی ہونے کا شرف حاصل تھا۔ ایک واقعہ ذیل میں پیش خدمت ہے، جسے پڑھ کر آپ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوجائیں گے کہ!

سید احمد انگریزوں کا وفادار ایجنٹ تھا

سید احمد صاحب نے اپنے والد کی وفات کے بعد تلاشِ معاش میں لکھنؤ کا سفر کیا مگر کچھ کام نہ بنا تو ۱۲۲۱ ھ میں دہلی آیا اور حضرت شاہ ولی اللّٰہ صاحب محدّث دہلوی قدس سرہٗ کے حلقۂ درس میں شامل ہوکر تعلیم حاصل کرنا چاہی۔ مگر غبی اور کُند ذہن ہونے کے باعث کچھ بھی نہ پڑھ سکا[۱] حتیٰ کہ شاہ عبدالعزیز بھی اس کو

---

[۱] سید احمد صاحب کے ذہن اور حافظہ کی کیفیت کا اندازہ ان کے معتقد و مداح مرزا حیرت دہلوی کے بیان سے کیجئے۔ "کریما کا پہلا مصرعہ خالصاً دعائیہ ہے، مگر یہ بھی بزرگ سید کو تین دن میں یاد ہوا تھا۔ اس پر بھی کبھی "کریما" بھول گئے تو کبھی "بر حال ما" کو دل سے محو کردیا۔ اب تو میاں جی (استاد صاحب) کے ہوش اڑے کہ قرآن پڑھنے میں تو یہ بڑا ذہین تھا۔ کتاب میں اسے کیا ہوگیا۔ بہتیرا سر پٹکا اور مغز پچی کیا۔ مگر بزرگ سید کے کان پر جوں تک بھی نہیں رینگی، یہ نہیں تھا کہ پیارا اور واجبُ الاحترام سید سبق کے یاد کرنے میں محنت نہ کرتا ہو، اور شرارت سے ڈھیٹ بنا خاموش بیٹھا رہتا ہو، نہیں وہ بخوبی محنت بھی کرتا تھا۔ میاں جی کے کہنے کے موافق مکتب کے وقت کی پابندی بھی کرتا تھا۔ اس پر بھی اسے یاد نہ ہوتا تھا۔ اس کے ذہن اور یادداشت کا یہ اتار چڑھاؤ دیکھ کر یہ خیال آتا تھا کہ

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

پڑھانے سے عاجز آگئے ۔ تقریباً دو سال بعد ۱۲۲۳ھ میں "مالوہ" کے امیر خان پنڈوری کی فوج میں سوار کی حیثیت سے ملازمت اختیار کرلی اور کچھ عرصہ بعد امیر خاں پنڈوری نے اس کی خدمات اور وفاداری کے پیش نظر اسے اپنا مشیر بنالیا حتیٰ کہ کوئی کام اس کے مشورہ کے بغیر نہ کرتا۔

مگر افسوس کہ سید احمد نے امیر خان پنڈوری کے اس اعتماد سے ناجائز فائدہ اٹھایا کہ ایک طرف تو اس کی وفاداری اور خیر خواہی کا دم بھرتا رہا اور دوسری طرف انگریز کا ایجنٹ بن کر انجام کار امیر خان پنڈوری کو انگریز کے شکنجہ غلامی میں جکڑ کر دم لیا۔ اسے کہتے ہیں "نمک خوردن و نمک دان شکستن۔"

امیر خان نہایت شجاع اور جنگجو تھا۔ اس کے بے پناہ حملوں سے جے پور، جودھ پور اور دوسری ریاستوں پر ہیبت طاری تھی اور اس نے انگریزوں کا بھی ناک میں دَم کر رکھا تھا۔ جب انگریزوں کو اس مصیبت سے نجات کی اور کوئی صُورت نظر نہ آئی تو انہیں سید احمد کے ذریعہ امیر خاں کو پھانسنے کی سوجھی۔ انگریز حکّام کی طرف سے یہ مہم سید احمد کو سونپی گئی اور سید احمد صاحب نے اس مہم کو اس خوش اسلوبی کے ساتھ سر کیا کہ انگریز خوش ہوگیا اور سید احمد صاحب انگریزوں کے منظور نظر بن گئے۔ مرزا حیرت دہلوی لکھتا ہے کہ ۱۲۳۱ھ تک سید صاحب امیر خان کی ملازمت میں رہے۔ مگر ایک ناموری کا کام آپ نے یہ کیا کہ انگریزوں اور امیر خان کی صلح کرادی اور آپ ہی کے ذریعہ جو شہر بعد ازاں دیئے گئے اور جن پر آج

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

جیسے چلتی گاڑی میں کوئی روڑا اٹکا دیتا ہے اور پھر وہ بیلوں کی طاقت سے بھی نہیں چلتی سوائے اس کے کہ اس پر انتہائی درجہ کا زور لگا دیا جائے پہیہ دو چار انچ زمین سے رگڑ کھاتا ہوا بہ مشکل آگے بڑھے گا۔ یہی کیفیت بزرگ سید کی تھی جب وہ ایک ایک جملہ کئی گھنٹوں جپے جاتا۔ جب کہیں کسی قدر یاد ہوتا تھا اور دوسرے دن تماشہ یہ تھا کہ وہ بھی چوپٹ۔"
(حیات طیبہ صفحہ ۴۸۶-۴۸۷)

تک امیر خان کی اولاد حکمرانی کرتی ہے، دینے طے پائے تھے، لارڈ ہیسٹنگ، سید احمد کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خان، لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب (حیات طیبہ صفحہ ۵۳۱)۔

غور کا مقام ہے کہ سید احمد صاحب کے دل میں اگر جذبۂ ایمانی ہوتا یا آزادی وطن کی تڑپ ہوتی تو وہ دشمن اسلام انگریزی حکومت کے استحکام کی خاطر ہرگز ان کا آلۂ کار نہ بنتا۔ بلکہ ملک کو فرنگی اقتدار سے آزاد کرانے کی جدوجہد کرتا۔ امیر خان کو انگریزوں کی غلامی پر رضامند کرنے کی. بجائے اسے انگریزوں کے خلاف جہاد میں اور زیادہ تیزی و تندہی اختیار کرنے کا مشورہ دیتا۔ امیر خان کے پاس پچیس تیس ہزار کا لشکرِ جرار موجود تھا۔ اس میں ترقی و اضافہ کی کوشش کرتا مگر اس کے برعکس اس نے ناموس اسلام اور آزادی ملک کی کچھ بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے دشمن ملک و ملّت انگریز کا منظور نظر بننا پسند کیا اور اپنی تمامتر صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر پہلے تو امیر خان اور اس کے لشکریوں کو وہابی مذہب کی تبلیغ کر کے وہابی بنایا جیسے کہ مرزا حیرت دہلوی کا بیان ہے۔ "اس مستعدی، اور زبانی پندو نصائح کا عملی شرعی معاشرت کے ساتھ یہ اثر ہوا کہ امیر خان معہ اپنے بھائی بندوں اور اولاد کے سچا محمدی (وہابی) بن گیا اور اس نے تمام ناروا باتوں سے توبہ کی جب لشکر نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ بھی پورا محمدی بن گیا۔" (حیات طیبہ صفحہ ۵۱۲)۔

ان سیدھے سادھے اہل سنّت و جماعت مسلمانوں کے دین و ایمان پر ڈاکہ ڈالا اور پھر بکمال چالاکی ان کے جذبۂ جہاد اور جوش شجاعت کو بھی کچل کر رکھ دیا۔ اور شیران اسلام کو انگریزی اقتدار کے پنجرہ میں مقید بنا دیا۔ متعصب وہابی مرزا حیرت دہلوی لکھتا ہے۔ "سید احمد صاحب نے امیر خان کو بڑی مشکل سے شیشہ میں اتارا تھا۔ آپ نے اسے یقین دلادیا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا بھڑنا اگر

تمہارے لئے بُرا نہیں ہے تو تمہاری اولاد کے لئے سمّ قاتل کا حکم رکھتا ہے۔ یہ باتیں امیر خان کی سمجھ میں آگئی تھیں، اور اب وہ اس بات پر رضامند تھا کہ گذارہ کے لئے کچھ ملک مجھے دے دیا جائے۔ تو میں بہ آرام بیٹھوں امیر خان نے ریاستوں اور ان کے ساتھ انگریزوں کا بھی ناک میں دم کردیا تھا۔ آخر ایک بڑے مشورے کے بعد سید احمد صاحب کی کارگزاری سے ہر ریاست میں سے کچھ کچھ حصّہ دے کر امیر خان سے معاہدہ کرلیا۔ جیسے جے پور سے ٹونک دلوا دیا اور بھوپال سے "سرونج" اسی طرح سے متفرق پرگنے مختلف ریاستوں سے بڑی قیل و قال کے بعد انگریزوں سے دلواکر بپھرے ہوئے شیر کو اس حکمت سے پنجرہ میں بند کر دیا۔" (حیات طیبہ صفحہ ۵۱۲)۔

اگر اس قدر تاریخی شہادتوں اور ثبوت کے بعد بھی کوئی شخص انہیں انگریزوں کے وفادار و تابعدار نہیں سمجھتا تو اس کے متعصّب یا کج فہم ہونے میں کونسا شک باقی رہ جاتا ہے۔ اگر بالغ نظری سے غور کیا جائے تو اصل حقیقت بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ان کا اصلی جہاد نہ انگریزوں کے خلاف تھا اور نہ سکھوں کے! اگر وہ سکھوں کے خلاف جنگ کرنے کی بات کرتے بھی تھے تو محض اس لئے کہ مسلمانوں سے چندہ وصول کرنے میں آسانی ہو اور بھولے بھالے مسلمان جہاد کے پُر کشش نعرہ سے متاثّر ہوکر ان کے رضاکاروں میں شامل ہوتے رہیں اور سرحدی پٹھان بھی ان کی تحریک میں شامل ہوکر ان کے حصول مقصد میں ممدو معاون بن سکیں۔ ورنہ در حقیقت ان کا اصل جہاد مسلمانوں کے ہی خلاف تھا۔ انہیں ہندوستان، افغانستان اور دوسرے علاقوں کے مسلمان مشرک و کافر نظر آرہے تھے اور اصول وہابیت کی رُو سے ان کی اصل جدوجہد ان مسلمانوں کے ہی خلاف تھی اور سکھوں کے خلاف جنگی نعرہ ان کے منزل مقصود تک پہنچنے کی ایک کڑی تھی۔

امیر تحریک سید احمد صاحب کے اعلانات اور بیانات سے یہ امر اظہر مِنَ الشمس ہے "کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے نہ انگریزوں کا نہ سکھوں کا۔"

(سوانح احمد صفحہ ۹۱) سید احمد صاحب کے اس اعلان کے بعد ملاحظہ فرمائیے کہ ان کا اصل مقصد کیا تھا۔ "نواب وزیر الدولہ کی روایت ہے، کہ سید صاحب بار بار فرمایا کرتے تھے کہ فیض ایمانی جو خلقت کو مجھ سے پہنچا ہے روز بروز ترقی پر رہے گا اور انشاء اللہ تعالیٰ ہندوستان اور خراسان چرک شرک اور پلیدی بدعت سے میرے ہاتھ سے یکسر پاک و صاف ہوکر انوارِ اسلام میں منوّر اور دیانت و امانت سے مالا مال ہوکر رشک افزائے زمن بن جائے گا۔" (سوانح احمدی صفہ ۹۲) نیز اسی کتاب کے اسی صفحہ پر ہے "سید محمد یعقوب آپ کے بھانجے سے روایت ہے کہ بروقت روانگی ملک خراسان آپ اپنی ہمشیرہ یعنی والدہ سید محمد یعقوب سے رُخصت ہونے گئے تو آپ نے فرمایا اے میری بہن میں نے تم کو خُدا کے سپرد کیا اور یہ یاد رکھنا جب تک ہند کا شرک اور ایران کا رفض اور چین کا کفر اور افغانستان کا نفاق میرے ہاتھ سے محو ہوکر ہر مُردہ سنّت زندہ نہ ہولے گی۔ ربُّ العزّت مجھے نہیں اٹھائے گا۔"

لیجئے امیر تحریک وہابیہ سید احمد صاحب نے خود ہی واضح کردیا کہ ان کی جنگی تیاریاں اور نعرہ ہائے جہاد انگریزوں یا سکھوں کے خلاف نہیں بلکہ بدعتی مشرک اور کافر مسلمانوں کے خلاف ہیں۔ ثابت ہوا کہ وہابیوں کے ان نام نہاد مجاہدین کے پیش نظر صرف ابن عبدالوہاب نجدی کے مشن کی تکمیل تھی اور یہ لوگ ابوالوہابیہ شیخ نجدی کے نقش قدم پر چل کر برطانوی حکومت کی سرپرستی میں ان کی طفیلی ریاست وہابیہ کی تشکیل کے لئے کوشاں تھے۔ یہی بات ان کے عمل و کردار اور ان کے کارناموں سے ثابت ہوتی ہے جو انہوں نے سرانجام دیئے۔

لیجئے ملاحظہ فرمائیے:

سید احمد و اسمٰعیل دہلوی کی حکومت کا قیام اور وہابیوں کے کارنامے

مسلک دیوبندیہ کے مایۂ ناز مولوی محمد عبید اللہ صاحب سندھی کا بیان ہے سید احمد شہید صاحب معہ اپنے ہمراہیوں کے ۲۹ شعبان ۱۲۳۹ھ کو دو سال گیارہ ماہ

بعد سفر حج سے واپس آئے تھے، ذوالحجہ ۱۲۳۹ھ سے جہاد کی تیاری شروع کر دی گئی۔ مولانا محمد اسماعیل اور مولانا عبدالحئی نے تربیت جہاد کے لئے اطراف ہند کا دورہ کیا۔ جب تقریباً دو ہزار مجاہدین کا اجتماع ہوگیا تو امیر شہید نے ان کے تین حصے کر دیئے اور کوچ کا حکم دیا۔ "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صفحہ ۹۸)۔

غور کا مقام ہے کہ جن دنوں سید احمد، امیر خان پنڈوری کا مشیر خاص تھا۔ شیر دل امیر خان کے پاس پچیس تیس ہزار کا لشکر جرار بندوقوں، توپوں اور دوسرے تمام ضروری سامان حرب سے لیس تھا۔ ان دنوں سید احمد کو سکھوں کے خلاف جہاد کی کیوں نہ سوجھی تھی جبکہ امیر خان پنڈوری ان کے ہر مشورے پر ہر کام کرنے کو تیار تھا۔ اس وقت تو پرپیگنڈہ باز وہابیہ کے "مجاہد اعظم" نے امیر خان پنڈوری کو مجبور کر کے انگریزوں کے آگے ہتھیار ڈلوا دیئے اور اب حال یہ ہے کہ چلے ہیں سکھوں کے خلاف جنگ کرنے تو ان کے نام نہاد بے سروسامان مجاہدین کی تعداد کتنی ہے؟ صرف دو ہزار! اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ سید احمد کے پیش نظر چونکہ بہر حال برصغیر میں اقتدار برطانیہ کو مستحکم کرنا تھا۔ اس لئے اس نے حسبِ موقعہ وہی کچھ کیا جس سے انگریزوں کو فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ اس لئے کہ فرنگی حکومت کے استحکام کی صورت میں ہی وہابیہ کی دیرینہ خواہش اور دلی تمنا کی تکمیل ممکن نظر آتی تھی۔

یعنی "تاج برطانیہ کے زیر سایہ ایک ریاست وہابیہ کا قیام اور اسی مقصد کے پیش نظر سید احمد صاحب کے حکم سے ان کے رضا کار پشاور کے علاقہ میں پہنچ گئے۔ خود سید احمد صاحب کچھ عرصہ ٹونک رہ کر پہلے اجمیر اور پھر دہلی آئے ۱۲۴۱ھ کے آغاز میں دیوبند، سہارنپور، پانی پت، کرنال اور تھانیسر وغیرہ سے گزرتے ہوئے ملیر کوٹلہ پہنچے، وہاں سے ممدوٹ، بہاولپور، حیدر آباد سندھ، شگار پور، جاگن خان گڑھ، درہ ڈھاور، درہ بولان، پشین، قندھار، کابل سے گزر کر براستہ خیبر پشاور آئے۔ پشاور

سے ہشت نگر گئے اور وہاں موضع خویشگی میں قیام کیا۔ سید احمد، اسمٰعیل دہلوی اور انکے کارکنوں نے اقامت دین اور غلبہ اسلام کے نعرے بلند کر کے اپنی تحریک کا خوب پروپیگنڈہ کیا اور مسلمان پٹھانوں کو ترغیب دی کہ وہ بھی اس جہاد میں شامل ہو جائیں۔ سیدھے سادے پٹھانوں کو کیا خبر تھی کہ یہ اسلامی نعرہ باز وہابی ہیں اور اپنی ریاست وہابیہ قائم کرنے کی فکر میں ہیں۔ انہوں نے انہیں مجاہدین اسلام سمجھ کر ان کی خاطر مدارات اور مدد کی اور اسلام کی سربلندی کے پیش نظر ان سے ہر ممکن تعاون پر رضامند ہو گئے۔ حتیٰ کہ سید احمد کی امارت کو تسلیم کر کے جذبۂ اسلامی کے تحت سکھوں کے خلاف لڑنے کے لئے کمربستہ ہو گئے۔ مولوی عبیداللہ صاحب سندھی لکھتے ہیں۔

"الغرض ۱۲۴۱ھ میں ہجرت شروع ہوئی اور ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ (۱۰ر جنوری ۱۸۲۷ء) کو افغان قبائل نے بھی "ہنڈ"[۱] کے مقام پر سید احمد کو اپنا امیر مان لیا۔" (شاہ ولی اللہ اور ان کی تحریک صفحہ ۹۹)۔

تحریک میں پٹھانوں کی شمولیت سے سید احمد و اسمٰعیل دہلوی کی جماعت کو بڑی تقویت حاصل ہوئی۔ اسکے بعد اس مختصر علاقہ پر مشتمل باقاعدہ نظام حکومت کے استحکام کی تجاویز عمل میں لائی گئیں۔ مگر افسوس کہ سید احمد صاحب اور اسمٰعیل دہلوی نے تمام محکموں میں بالخصوص اپنے ساتھیوں کو ہی عہدے تقسیم کر دیئے اور خود اسمٰعیل دہلوی فوج کے حاکم اعلیٰ یعنی کمانڈر انچیف بن گئے۔ اس کے نتیجہ میں وہابی صاحبان خود کو حاکم اور مقامی باشندوں کو محکوم سمجھنے لگ گئے۔ تاہم ایک سال بخیرو خوبی گزر گیا۔ مولوی عبیداللہ صاحب سندھی لکھتے ہیں۔ "اس کے بعد ایک سال تک مولانا عبدالحئی زندہ رہے انکی موجودگی میں کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوا۔

---

[۱] "ہنڈ" دریائے سندھ کے کنارے ایک مشہور مقام ہے اور اٹک سے پندرہ میل کے فاصلہ پر لاہور اور پشاور کی قدیم شاہراہ سے تیس میل دور ہے۔ (مؤلف)

سید احمد شہید انکے سامنے اپنی ذاتی رائے پر عمل نہیں کر سکتے تھے بلکہ اجتماعی فیصلہ پر حکومت کا تمام تر دارومدار تھا۔" (شاہ ولی اللہ اور انکی سیاسی تحریک صفحہ ۹۹، ۱۰۰)

مولوی عبدالحئی صاحب کی وفات کے بعد سید احمد اور اسماعیل دہلوی نشۂ اقتدار میں اس قدر مست ہوگئے کہ اجتماعی مشوروں اور فیصلوں کا نظام درہم برہم ہوگیا اور نوزائیدہ حکومت وہابیہ کا نظام ڈکٹیٹر شپ کے تحت آگیا۔ ان کی ذاتی رائے کو آئین مملکت اور ان کے ہر فرمان کو قانون کا مقام حاصل ہوگیا۔ مزید برآں یہ خرابی واقع ہوئی کہ یہ وہابی صاحبان جو مصلحت اور دباؤ کی وجہ سے عقائد و اعمال وہابیہ کو پوشیدہ رکھے ہوئے تھے۔ اس حالت پر قائم نہ رہ سکے[۱] اپنی طاقت و اقتدار

---

[۱] واضح رہے کہ اسماعیل دہلوی کے عقائد و اعمال کی تبلیغ اور انبیاء کرام علیہم الصلوۃ و السلام و اولیاء اللہ کی شان میں دریدہ دہنی کی وجہ سے شہر دہلی اور دوسرے شہروں میں شورش بپا تھی فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی تھی۔ اسمٰعیل دہلوی نے فتنہ فساد کو اور تیز تر کرنے کی خاطر بڑے بڑے غنڈوں پر مشتمل اپنی "مخصوص جماعت" تیار کرلی تھی۔ جس کے ذریعہ وہ سنی مسلمانوں پر رعب جمانے کی غرض سے ہر روز نیا جھگڑا اور ہر شب جدید فتنہ کھڑا کرتے رہتے تھے، مرزا حیرت دہلوی لکھتا ہے۔ "آپ (اسمٰعیل صاحب) نے پہلے چند بڑے بڑے بدمعاشوں کے سرغناؤں کو اپنی جادو بھری تقریر سنا کر مرید کیا۔ انہیں اپنا ایسا معتقد بنایا کہ وہ اپنی جان قربان کرنے پر آمادہ ہوگئے۔" (حیات طیبہ صفحہ ۸۴) اور جب سید احمد صاحب اور اسمٰعیل دہلوی نے علاقہ پشاور میں جانے کا فیصلہ کیا تو سید احمد نے سوچا کہ سرحدی پٹھان سب کے سب اہل سنت ہیں، اگر اسمٰعیل صاحب اور اس کی "مخصوص جماعت" نے وہاں پہنچ کر بھی اپنی یہی حرکتیں شروع کردیں، تو غیور پٹھان ہمیں وہابی جان کر ہم سے متنفر ہوجائیں گے اور ہمارا سارا کھیل بگڑ کر رہ جائے گا اور کیا عجب کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ اس خدشہ کے پیش نظر انہوں نے اسمٰعیل صاحب کو سمجھا بجھا کر ان حرکتوں سے روک رکھا تھا۔ مولوی عبیداللہ صاحب سندھی لکھتے ہیں "بعد میں جب افغانی علاقہ میں ہجرت کا فیصلہ ہوا تو امیر شہید نے مولانا اسمٰعیل سے دریافت کیا کہ مولانا آپ رفع یدین کیوں کرتے ہیں۔ مولانا نے کہا رضائے الہیٰ حاصل کرنے کے لئے امیر شہید نے کہا مولانا اب رضائے الہیٰ حاصل کرنے کے لئے رفع یدین کرنا چھوڑ دیجئے اور اس کے بعد مولانا شہید کی خاص جماعت نے بھی ان کی اطاعت میں یہ اعمال چھوڑ دیئے، (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صفحہ ۱۰۶)

کے زعم میں یہ سمجھ بیٹھے کہ اب ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے، انہوں نے یہاں بھی رفتہ رفتہ عقائد وہابیہ کی تبلیغ شروع کردی اور اپنے وہابیانہ خیالات و عقائد کا علی الاعلان اظہار کرنے لگے اور ساتھ ہی اعمال وہابیہ کا آغاز بھی کردیا اور تھوڑی ہی مدّت بعد یہ جماعت وہابیہ سنّت کا مصنوعی لبادہ اُتار کر اپنی اصلی صوُرت میں نمودار ہوگئی۔ سُنّی پٹھان جو ان کی دعوت جہاد پر لبّیک کہتے ہوئے ان کی تحریک میں شامل ہوئے تھے۔ انکی وہابیت کو دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئے۔ افغان علمائے اہل سنّت نے بھی جب یہ دیکھا کہ یہ لوگ انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللہ قدسنا اللہ باسرارہم کے انتہائی بے ادب اور گستاخ وہابی ہیں تو انکی مخالفت اور تردید پر کمربستہ ہوگئے۔ انہوں نے پٹھان مسلمانوں کو برمحل خبردار کیا کہ "خود غلط بود آنچہ ماپنداشتیم!"

اب صورت حال یہ ہوگئی کہ ایک طرف سُنّی مسلمان وہابیت قبول کرلینے پر کسی طرح رضامند نہ تھے اور دوسری طرف یہ نجدی وہابی اپنی مذموم حرکتوں سے باز رہنے پر تیار نہ تھے۔ اس کشمکش کے نتیجہ میں پٹھانوں میں سید احمد اسمٰعیل دہلوی اور ان کی جماعت کے خلاف نفرت اور بیزاری بڑھنے لگی اور اس کے جواب میں وہابیوں کی حاکمانہ اکڑفوں اور زیادہ سخت ہوگئی۔ سید احمد صاحب نے اس بگڑتی ہوئی صورت حال کو سنبھالنے کی خاطر اپنے ہمراہیوں کو سمجھانے کی بڑی کوشش کی مگر یہ لوگ اپنی روش سے باز رہنے پر تیار نہ ہوئے انہیں اپنی ہٹ پر قائم دیکھ کر سید احمد صاحب افغان علماء اور عوام کو سمجھانے بجھانے کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہوں نے کہا میں حنفی ہوں، اہل سنّت ہوں۔ آپ لوگ جماعت میں شامل وہابیوں کی باتوں پر نہ جائیں۔ انہیں ان کے حال پر رہنے دیں اور تحریک سے علیحدہ نہ ہوں، مگر یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہابی تو اپنی وہابیانہ حرکات میں مصروف رہیں، اور سُنّی مسلمان ان کی خرافات اور بیہودگیوں کو برداشت کرتے رہیں جس طرح

روشنی اور تاریکی یا نور و ظلمت کا اجتماع محال ہے اسی طرح غیور اور باادب سُنّی کا کسی دریدہ دہن اور گستاخ وہابی سے اشتراک ناممکن ہے۔ لہٰذا سید احمد صاحب کی مصلحت نوازی کا کچھ مفید نتیجہ برآمد نہ ہوسکا اور فریقین میں رنجشیں بڑھتے بڑھتے عداوت کی حد تک پہنچ گئی۔

مولوی عبیداللہ صاحب سندھی لکھتے ہیں اس اساسی تغیر سے یہ ہوا کہ حزب ولی اللہ کی خصوصیات پر زور نہ دیا جاتا بلکہ نجدی اور یمنی طریقوں پر کام کرنے والے ہندوستانی تو حنفی فقہ کی پابندی بھی اپنے لئے ضروری نہ سمجھتے اس کی وجہ سے افغانوں کی ان مجاہدین سے مذہبی عداوت[1] ہوگئی۔ امیر سید احمد شہید نے بارہا علمائے افاغنہ وعوام کو یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ امیر اور ان کا خاندان ہمیشہ محققین حنفیہ کے طریقہ کا پابند رہا ہے۔ یہ لوگ (وہابی) تھے کہ حضرت ولی اللہ کی امتیازی خصوصیات کی پابندی کو قبول نہ کرتے اور اس طرح معاملہ روز بروز بگڑتا ہی چلا گیا۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صفحہ ۱۰۳)۔

سنی پٹھانوں پر وہابیوں کے ظلم وستم کا آغاز

سید احمد صاحب کے ساتھی وہابیوں نے مذہبی مخالفت پیدا کرچکنے کے بعد اب اپنی حاکمانہ شان کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے محسن و میزبان سنی پٹھانوں پر طرح طرح کی سختیوں اور ظلم و ستم کا آغاز بھی کردیا حیلوں بہانوں سے انہیں ذلیل و رُسوا اور تنگ کیا جانے لگا ان کے حوصلے یہاں تک بڑھ چکے تھے کہ یہ لوگ حاکمانہ قوت دکھا کر غیور پٹھانوں کی عفت مآب بیٹیوں کو جبراً اٹھالے جانے لگے

مولوی عبیداللہ سندھی لکھتے ہیں "فکری اعتبار سے ایک تو یہ نزاع تھا جو اس

---

[1] موجودہ وہابیوں نے یہ مشہور کررکھا ہے کہ افغان سرداروں نے طمع اور لالچ میں آکر سکھوں کی سازش میں شریک ہوکر سید احمد اور ان کی جماعت سے غداری کی تھی، سچ ہے،
"بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن" (مولف)

وقت ایک طرف افغانوں میں اور دوسری طرف نجدی یمنی ذہنیت سے متاثر ہندوستانیوں میں پیدا ہوگیا۔ لیکن عملی زندگی میں بھی اس کی وجہ سے بعض قباحتیں ظاہر ہوئیں اس میں شک نہیں کہ افغان شرفا دوسری مسلم قوموں کے شرفا سے رشتہ ناطہ معیوب نہیں سمجھتے۔ چنانچہ ہندوستانی مہاجرین اپنے ساتھ اہل و عیال تو لے نہیں گئے تھے اسلئے جب یہ لوگ مستقل طور پر افغانی علاقوں میں رہنے لگے تو ان کی شادی بیاہ افغانوں کے ساتھ ہونے لگی مگر خرابی یہ ہوئی کہ امیر شہید کے دعوائے خلافت کی اشاعت کرنیوالے ہندوستانی اپنی حاکمانہ قوت دکھا کر بہ جبر افغان لڑکیوں سے نکاح کرنے لگے" (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صفحہ ۱۰۸)

اب متعصّب وہابی مرزا حیرت کی گواہی بھی ملاحظہ ہو۔ "احکام شریعت ناگوار صورت میں پبلک کے آگے پیش کیے جاتے تھے۔ سید صاحب نے صدہا غازیوں کو مختلف عہدوں پر مقرر فرمایا تھا کہ وہ "شرعِ محمدی" سے موافق عمل درآمد کریں مگر ان کی سختیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں اور بعض اوقات بیوہ خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کرلیں۔ اکثر خواتین جو بعض حالات میں نکاح ثانی کرنا پسند نہ کرتیں زبردستی مسجد میں لے جاکر نکاح پڑھا جاتا"۔ (حیات طیبہ صفحہ ۳۵۵)

واضح رہے کہ مذہب وہابیہ میں "شرعِ محمدی" کی اصطلاح سے ان کے وہ خانہ ساز اور من گھڑت اصول مراد ہیں جو وہ حسب ضرورت و موقع گھڑلیں پھر خواہ قرآن و حدیث کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں، یہ اپنے انہی اصولوں کو شرعِ محمدی کہے جائیں گے۔

ان کی "شرعِ محمدی" کا یہی نمونہ کیا کم دلچسپ ہے جو آپ ان کی نکاح خوانی کے متعلق دیکھ رہے ہیں۔ شریعت کی رُو سے انعقاد نکاح کے لئے بالغ طرفین کی رضامندی اور گواہوں کے رُوبرو بلا جبر اکراہ ایجاب و قبول شرط ہے۔ لیکن وہابیہ کی "شرع محمدی" میں انعقاد نکاح کی کیفیت بھی آپ کے سامنے ہے کہ اگرچہ لڑکی نکاح

کرنے پر راضی نہیں، انکاری ہے اور جو وہابی مجاہد صاحب اسے کھینچ رہا ہے، اس سے متنفّر ہے اور خود کو اس کی زوجیت میں دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ لڑکی کے والدین بھی اپنی لڑکی کو اس کے نکاح میں دینے سے شدّت کے ساتھ انکار کر رہے ہیں۔ مگر وہابی مجاہد صاحب ہیں کہ لڑکی اور اس کے والدین کو قتل و غارت کی دھمکیاں دیتے ہوئے اپنے خونخوار مسلح ہمراہیوں کی مدد سے تلواروں کے سایہ میں لڑکی کو زبردستی اٹھا کر یا کھینچ کھانچ کر مسجد میں لاتے ہیں، اور خود ہی یک طرفہ اعلان فرما دیتے ہیں کہ ہم نے اس لڑکی سے نکاح کرلیا اور اپنی زوجیت میں لے لیا ہے اور سارے موجود وہابی تصدیق کر دیتے ہیں، کہ بس نکاح منعقد ہوگیا، اور جبری کارروائی کے بعد وہابی مجاہد صاحب اس بے بس لڑکی کو بطور بیوی کے استعمال کرنے لگتے ہیں۔ لاحول ولاقوة الا باللہ!

مرزا حیرت دہلوی لکھتا ہے۔ "ایک نوجوان خاتون نہیں چاہتی کہ میرا نکاح ثانی ہو، مگر مجاہد صاحب زور دے رہے ہیں کہ نہیں ہونا چاہیئے۔ آخر ماں باپ اپنی نوجوان لڑکی کو حوالہ مجاہد کرتے تھے۔ اس کے سوا ان کو کچھ چارہ نہ تھا۔" (حیات طیبہ صفحہ ۳۵۷)۔ ناظرین غور فرمائیں کہ ایک وہابی مورخ کی اس مختصر سی عبارت میں کس قدر دردناک داستانیں اور وہابیوں کی کتنی شرمناک کارروائیاں مضمر ہیں۔

یاد رہے کہ یہ تو بطور 'مشتے نمونہ از خروارے' بیان کیا گیا ہے ورنہ حقیقت یہ ہے، کہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی کی اس چند روزہ حکومت کے بے گناہ مسلمانوں پر مظالم کی داستان طویل جگر پاش اور ناقابل تحریر و بیان ہے۔ تاہم وہابی مورخ مرزا حیرت دہلوی کی کتاب سے گواہی پیش خدمت ہے۔ "ایک ایک چھوٹے ضلع، قصبہ، گاؤں میں ایک ایک عامل (عہدہ دار) سید صاحب کی طرف سے مقرر ہوا تھا۔ وہ بے چارہ جہانداری کیا خاک کر سکتا۔ الٹے سیدھے شریعت کی آڑ میں نئے نئے

احکام بے چارے کسانوں پر جاری کرتا تھا اور وہ اُف نہ کر سکتے تھے۔ کھانا پینا، بیٹھنا، اُٹھنا، شادی کرنا سب ان پر حرام ہوگیا تھا نہ کوئی منتظم، نہ کوئی دادرس۔ معمولی باتوں پر کفر کا فتویٰ ہوجانا کچھ بات ہی نہ تھی۔ کاش مولانا سید پشاور کے عامل ہوتے تو پشاوریوں پر یہ ظلم نہ ہوتا۔ کسی کی لبیں بڑھی ہوئی دیکھیں۔ اس کے سب بال کترواد یئے ٹخنوں کے نیچے تہبند دیکھی، ٹخنہ اڑا دیا۔ تمام ملک پشاور پر آفت چھا رہی تھی۔ (حیات طیبہ صفحہ ۲۵۶) پھر ذرا آگے چل کر اسی صفحہ پر ہے۔ "اور پھر غضب یہ تھا کہ ان پر کوئی حاکم مقرر نہ تھا کہ پبلک ان کی اپیل اعلیٰ حکام کے آگے پیش کرے۔"

اسی سلسلہ میں شیخ محمد اکرام صاحب ایم اے کا بیان بھی ملاحظہ ہو۔ "اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سید صاحب کے بعض ساتھیوں کا رویّہ ہمدردی اور معاملہ فہمی کا نہ تھا۔ بلکہ وہ جلد ہی فاتحانہ تشدّد پر اُتر آئے، مثلاً خان اللہ بخش ہی سید صاحب کے مقرر کردہ ایک قاضی صاحب کی نسبت لکھتے ہیں۔ ایک موقع پر جب مذکورہ جماعت کے ایک قاضی سید محمد جہان کے اس ارشاد پر کہ جو اہل رسوم خدا اور رسولؐ کے حکم کے خلاف باپ دادا کی ریت پر چلتے ہیں، وہ عملاً کافر ہیں۔ کسی نے کہہ دیا کہ مغنیۃ المصلیٰ میں اہل رسوم کو کافر نہیں کہا گیا، تو اس کا جواب گھونسوں سے دیا گیا اور قاضی موصوف نے اس وقت تک معترض کو نہ چھوڑا جب تک اس نے دوبارہ کلمہ نہ پڑھ لیا یا بالفاظ واضح تر اسے دوبارہ مسلمان بنا یا گیا۔" نیز ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔ "لیکن مجاہدین اور مقامی باشندوں میں تو بنیادی نقطہ نظر کا اختلاف تھا۔ قبائل کو جو رسمیں عزیز تھیں وہ مجاہدین کے نزدیک کفر تھیں۔"
(موجِ کوثر صفحہ ۳۱)

ناظرین غیر جانبداری کے ساتھ فیصلہ کریں کہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی اور ان کے عمال حکومت کے ناقابلِ بیان مظالم اور تشدّد اور ان کی شرمناک

کارروائیوں کو غیور اور بہادر سنی پٹھان کہاں تک برداشت کرتے اور کیا اگر کوئی بھی حکومت ہم آپ کے ساتھ ایسا برتاؤ اور یہی سلوک کرے تو ایمان سے کہیئے کہ ہم آپ ایسی بد کردار ظالم و جابر حکومت کو بہ رضا و رغبت برداشت کرلیں گے؟

پس جب پٹھانوں پر وہابیہ کے مظالم کی انتہا ہوگئی اور انہیں یقین ہوگیا کہ جن لوگوں کو ہم نے مجاہدین اسلام سمجھ کر محض جذبہ اسلامی کے تحت اقامت دین کی خاطر ہر ممکن رودی وہ ہماری جان مال عزّت و آبرو لوٗٹنے اور ہمارے دین و ایمان کو تباہ و برباد کر دینے کے دَر پے ہیں اور افہام و تفہیم اور اصلاحِ احوال کی کچھ گنجائش بھی باقی نہ رہی تو انہوں نے ان نام نہاد مجاہدین خونخوار و ظالم وہابیوں کے منحوس غلبہ و تسلّط سے نجات حاصل کرنے کی خاطر ایک بھرپور مدافعانہ تدبیر کی جس کے نتیجہ میں

سید احمد اور اسماعیل دہلوی کی حکومت وہابیہ کا خاتمہ ہوگیا

مولوی عبید اللہ صاحب سندھی لکھتے ہیں "چنانچہ ایک متعین رات میں امیر شہید (سید احمد) کے تمام معزّز مقرر کردہ اہلِ مناصب (حکّام و عہدیدار) قتل کر دیئے گئے اور حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ امیر شہید اس واقعہ سے کہ قاضی مفتی حاکم سپاہی غرض ساری جماعت قتل کردی گئی تھی بہت متاثر ہوئے۔" (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک)۔

موجودہ وہابی صاحبان پروپیگنڈہ کے زور سے یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ سید احمد اور اسماعیل صاحب اور ان کے ہمراہی اسلام کے سچے مجاہد تھے۔ ملک کی آزادی کے لئے انگریزوں کے خلاف برسرپیکار تھے اور محض پٹھانوں کی غداری کی وجہ سے ناکام ہوئے۔ حالانکہ حقیقت سراسر اس کے برعکس ہے۔ ان کے کارنامے تاریخ سے محو نہیں کئے جاسکتے۔ تاریخ کو بدلا نہیں جاسکتا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ ان نام نہاد و مجاہدین کے حالات، اقوال اور اعمال خود وہابی مصنفین اور سوانح

نگاروں کی کتب اور رسائل میں بھی محفوظ ہیں۔

تعجّب ہے کہ سُنّی مظلوم پٹھانوں کو غدّار ٹھہرانے والے پروپیگنڈہ باز وہابی صاحبان اپنے پیشواؤں کے کرتوت کیوں کر نظر انداز کردیتے ہیں۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ یہی لوگ سید احمد اور اسماعیل دہلوی کو اپنی تقریروں اور تحریروں میں بڑے التزام کے ساتھ شہید قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ انہیں کسی بھی لحاظ سے "شہید" قرار نہیں دیا جاسکتا۔ ناظرین ان کے جہاد کی حقیقت سے تو واقف ہوچکے ہیں اب :

سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی کے شہید ہونے کی تحقیق :

بھی ملاحظہ فرمائیں، شرعاً شہید وہ ہے جو دینِ اسلام کی سربلندی کے لئے خالصتہً لِوَجہ اللہ لڑے اور کفّار کے ہاتھوں قتل ہو۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی کو جو وہابی بڑی شدّومد کے ساتھ شہید کہتے ہیں، وہ کہاں تک حق بجانب ہیں۔

گذشتہ اوراق میں بالتحقیق واضح کیا جاچکا ہے، کہ سید احمد اور اسمعیل دہلوی کی تمامتر جدوجہد کا مقصد استحکامِ سلطنتِ برطانیہ اور گورنمنٹ برطانیہ کے زیرِ سایہ ریاستِ وہابیہ کا قیام تھا اور ان کا سکھوں کے خلاف نعرۂ جنگ منجملہ دیگر مقاصد کے ریاست وہابیہ کی توسیع اور مسلمانوں کی توجّہ کو انگریزوں کی طرف سے ہٹانے کا ایک حیلہ تھا۔ پھر اس کے علاوہ انہیں سکھوں سے زیادہ بدعتی، مشرک اور کافر مسلمانوں کے استحصال و استیصال کی زیادہ فکر تھی، جیسے کہ ان کے اعلانات سے بھی واضح ہے اور واقعات بھی اس کی تصدیق کرتے ہیں۔

مسلک دیوبندی کے مولوی رشید احمد گنگوہی کا بیان ہے۔ "حافظ جانی ساکن انبیٹھ نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ ہم قافلہ میں ہمراہ تھے بہت کرامتیں وقتاً فوقتاً حضرت سیّد صاحب سے دیکھیں۔ مولوی عبدالحیٔ صاحب، مولوی محمد اسماعیل صاحب دہلوی اور مولوی محمد حسن صاحب رامپوری بھی ہمراہ تھے اور یہ سب

حضرات سید صاحب کے ہمراہ جہاد میں شریک تھے۔ سید صاحب نے پہلا جہاد مسمیٰ یار محمد خاں حاکم یاغستان سے کیا تھا۔" (تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۷۰۔ ج ۲)

یہ لوگ پہلا جہاد یار محمد خان سے کیوں نہ کرتے۔ جبکہ یہ لوگ مسلکِ وہابیہ کے تحت ہر اس مسلمان کو گردن زدنی قرار دیتے ہیں جو ان کی تاویلاتِ فاسدہ اور ان کے عقائد باطلہ کو قبول نہ کرے۔ چنانچہ اسماعیل دہلوی کے حالات میں لکھا ہے۔

"دوران زمانۂ جہاد میں آپ (اسماعیل دہلوی) کی عادت تھی کہ گلے میں حمائل اور کمر میں تلوار لٹکائے رکھتے۔ کوئی مسئلہ پوچھنے آتا تو قرآن سے حل فرماتے اور آیت نکال کر دکھاتے اور سُنت سے اس کی تائید فرماتے پھر بھی اگر کوئی کج فہم اپنی ہٹ پر قائم رہتا تو تلوار سے اس کا سَر قلم کر دیا کرتے تھے۔" (مقدمہ تقویۃ الایمان صفحہ ۷)

بتائیے اسماعیل دہلوی کی اس خونریزی اور مسلم کُشی کا کیا جواز ہے؟ پھر جب ان کی جدّوجہد اور ان کے نام نہاد جہاد کی یہ کیفیت ہے تو ان کی جنگی کارروائیوں کو "جہاد فی سبیل اللہ" کیوں کر قرار دیا جاسکتا ہے؟

نیز لطف کی بات تو یہ ہے کہ سیّد احمد صاحب کے متعلّق خود ان کے معتقدین و متبعین کا اس پر اتفاق نہیں کہ وہ سکھوں کے ہاتھوں معرکہ بالاکوٹ میں مارے گئے یا مفرور ہو کر روپوش ہو گئے تھے۔

اس سلسلہ میں مختلف روایات ملاحظہ ہوں، مسلک دیوبندیہ کے مایۂ ناز مولوی عبیداللہ صاحب سندھی فرماتے ہیں۔ "چنانچہ موصوف (سیّد احمد) نے اپنا فوجی مرکز کشمیر میں منتقل کرنے کا فیصلہ کیا۔ بالاکوٹ راستہ کی ایک منزل تھی یہاں سکھوں کے ولی عہد سلطنت شیر سنگھ نے حملہ کر دیا۔ مجاہدین ایسے میدان میں گِھر چکے تھے کہ نہ کوئی سردار باقی رہا تھا اور نہ کوئی سپاہی۔ تحقیق سے یہی ثابت ہوتا ہے

کہ امیر شہید کا سر کاٹ کر رنجیت سنگھ کو دکھانے کے لئے لاہور لایا گیا اور بغیر سر کے آپ کا جنازہ مولانا محمد اسماعیل شہید کے جنازے کے ساتھ بالاکوٹ میں دفن ہوا۔ (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک)۔

مولوی عبیداللہ صاحب سندھی سید احمد کا سکھوں کے ہاتھوں مقتول ہونا بیان کرتے ہیں۔ اب اس کے بعد صاحب سوانح احمدی، (تواریخِ عجیبہ) کی روایت دیکھئے۔ "وعدۂ فتح پنجاب کے الہام کا آپ کو ایسا وثوق تھا کہ آپ اس کو سراسر صادق اور ہونہار سمجھ کر بارہا فرماتے اور اکثر مکتوبات میں لکھا کرتے تھے کہ اس الہام میں وسوسۂ شیطانی اور شائبہ نفسانی کو ذرا بھی دخل نہیں ہے۔ ملک پنجاب ضرور تیرے ہاتھ پر فتح ہوگا اور اس سے پہلے مجھ کو موت نہ ہوگی۔ لیکن معاملۂ بالاکوٹ خواہ شہادت ہو یا غیوبت بظاہر سراسر اس یقینی الہام کے خلاف ہوا۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ سید صاحب کو ماشاء اللہ الہام بھی ہوا کرتا تھا اور انہیں اصرار تھا کہ یہ الہامات منجانب اللہ ہیں نہ کہ شیطانی یا نفسانی مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

واقعات نے ثابت کر دیا کہ یہ الہامات من گھڑت تھے۔ چنانچہ ان کے معتقد و مدّاح قلم روکتے روکتے لکھ ہی گئے کہ "بظاہر سراسر اس یقینی الہام کے خلاف ہوا۔" خیر ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ اس روایت سے سیّد احمد کے معرکۂ بالاکوٹ ۱۲۴۶ھ (۱۸۳۱ء) میں مقتول ہونے کی توثیق نہیں ہوتی بلکہ مقتول ہوئے یا مفرور۔ دونوں کا احتمال ظاہر ہوتا ہے لیکن سوانح احمدی صفحہ ۱۷۸ کی روایت سے اس کے غائب ہونے کی شہادت ملتی ہے، لکھا ہے "سید صاحب مثل شیر آپ کی جماعت میں کھڑے تھے کہ اس وقت یک بہ یک آپ نظروں سے غائب ہوگئے۔" اس کے بعد مندرجہ ذیل روایتوں سے توثیق اور تصدیق ہوجاتی ہے کہ سید احمد صاحب معرکہ بالاکوٹ میں یقیناً مقتول نہیں ہوئے۔ بلکہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے تھے۔ چنانچہ

"سوانح احمدی کے صفحہ ۱۷۰ پر ہی موجود ہے۔ "مولوی جعفر علی نقوی جو آپ کا باڈی گارڈ تھا اور آپ کے کندھے سے کندھا ملائے کھڑا تھا کہتا ہے۔ "جناب حضرت امیر المومنین درہمہ جماعت از نظر من غائب شدند، یہ واقعۂ جگر سوز ۲۴ ذی قعد ۱۲۴۶ھ میں واقع ہوا اس وقت بوجہ آپ کے غائب ہوجانے کے سارے لشکر اسلام میں ہلچل پڑگئی۔ غازیوں نے سارا میدان ڈھونڈ مارا۔ مگر سیّد صاحب کا پتہ نہ ملا۔" پھر اس کے آگے صفحہ ۱۷۹ پر ہے۔ "ایسی بھی بہت روایتیں ہیں کہ اس واقعہ بالاکوٹ کے بعد متعدّد لوگوں نے سیّد صاحب اور ان کے رفیقوں کو دیکھا ہے۔" پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۵ پر یہاں تک وضاحت ہے کہ "مولوی حیدر علی صاحب دہلوی ثم ہوشیار پوری اور ان کے بیٹے نے ۱۳۱۲ھ میں ہی سیّد صاحب کی زیارت کی ہے۔" اس کے علاوہ دیوبندی مولوی عاشق الہیٰ کی کتاب تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۷۰، ۲۷۱ پر ہے۔ "جب لاشیں سنبھالی گئیں تو سیّد صاحب اور ان کے ساتھیوں کا پتہ نہ لگا۔ لوگ تلاش میں نکلے۔ ادھر ادھر جستجو کرنے لگے۔ چند آدمی مختلف دیہات اور پہاڑوں میں جاکر ڈھونڈا کرتے تھے۔ اور کسی کو نہ ملتے تھے۔ گاؤں میں برابر پتہ چلا جاتا کہ یہاں تھے وہاں تھے۔ ایک شخص نے بیان کیا کہ مجھے سخت بخار تھا۔ اسی حالت میں میں نے تین شخصوں کو جاتے دیکھا۔ جن میں ایک سید صاحب تھے۔"

نیز اسی کتاب کے اِسی صفحہ پر مُندرجہ ذیل روایات سے انشاء اللہ ناظرین کی تسلّی ہوجائے گی۔ "دوسرے شخص نے بیان کیا کہ ہم ان ہی دنوں سیّد صاحب کو ایک پہاڑ میں تلاش کررہے تھے۔ دفعتہً کچھ فاصلہ پر کچھ گڑگڑاہٹ سنی، میں وہاں گیا تو دیکھوں کیا کہ سیّد صاحب اور انکے دو ہمراہی بیٹھے ہیں، میں نے سلام و مصافحہ کیا اور عرض کیا کہ حضرت کیوں غائب ہوگئے۔ سب لوگ بغیر آپ کے پریشان ہیں۔ مجبور ہوکر ہم نے فلاں شخص کو اپنا خلیفہ بنالیا ہے اور ان سے بیعت کرلی ہے، آپ نے اس پر تحسین کی اور فرمایا ہم کو اب غائب رہنے کا حکم ہوا ہے۔ اس لئے ہم نہیں آسکتے۔

میدان جنگ سے مفرور ہوجانے کے بعد رُوپوشی کے دوران بھی سید احمد صاحب کے وہابیانہ عزائم اور کارناموں کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔ "تیسرے ایک اور شخص نے بیان کیا کہ سید صاحب کو ڈھونڈتے ہم ایک گاؤں میں ایک جگہ اُترے وہاں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ قبر ڈھئی ہوئی تازہ پڑی ہے۔ اس کو سیّد صاحب ابھی ڈھواکر گئے ہیں، کیونکہ اُونچی تھی اِدھراُدھر دیکھا تو کہیں پتہ نہ لگا۔" (تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۷۱)

منشی محمد ابراہیم نے کہا۔ "سید (احمد) صاحب تیرہویں صدی کے آغاز میں پیدا ہوئے تھے اور اب ۱۳۱۸ھ میں ممکن ہے حیات ہوں، تو حضرت امامِ ربّانی (رشید احمد گنگوہی) نے ارشاد فرمایا بلکہ "امکن" یعنی اس کا زیادہ امکان ہے۔ (ارواحِ ثلاثہ صفحہ ۱۴۱)

اب ناظرین غیر جانبداری کے ساتھ فیصلہ کریں کہ سیّد احمد کو "شہید" قرار دینے والے کس قدر دیانتدار ہیں۔ ان روایات سے روزِ روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ سید احمد صاحب معرکۂ بالاکوٹ میں مقتول نہیں ہوئے۔ بلکہ جب انہیں شکست کے آثار دکھائی دیئے تو اپنے جان نثاروں سے کمالِ بیوفائی کرتے ہوئے چُپ چُپاتے کچھ ساتھیوں کے ہمراہ میدانِ جنگ سے فرار ہوگئے اور مدّت تک مُنہ چھپائے اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے رہے۔ رہی یہ بات کہ ان کی وفات کب اور کہاں واقع ہوئی اور کس جگہ مدفون ہوئے۔ یہ یا تو کسی کو معلوم نہیں یا یہ مسئلہ مصلحتاً راز درون پردہ ہے۔

خیر ہمیں اس سے کچھ سرور کار نہیں۔ مقصود تو یہ ثابت کرنا ہے کہ سیّد احمد کو "شہید" سمجھنا شہید کہنا اور شہید لکھنا شرعاً ناجائز ہے، اور دیانت کے خلاف ہے اب رہا سید احمد صاحب کے دست راست اسماعیل دہلوی کے شہید ہونے کا مسئلہ تو یہ بھی صاف ہوا جاتا ہے۔

غیر مقلد وہابی مرزا حیرت دہلوی کا بیان ملاحظہ ہو۔ "بہت سے لوگوں کا یہ بھی مقولہ ہے کہ سیّد صاحب کے ساتھ مولانا محمد اسماعیل بھی آسمان پر چلے گئے۔" یہ لوگ آسمان پر تو کیا گئے ہوں گے۔ البتہ اس سے یہ ضرور واضح ہوگیا کہ اسماعیل صاحب بھی سید صاحب کے ہمراہ میدانِ جنگ سے فرار ہوگئے تھے۔ میدانِ جنگ سے سیّد احمد صاحب کے فرار کے بعد ان کے لشکریوں کو اسماعیل دہلوی بھی نظر نہ آئے اور نہ مقتولین میں ان کی لاش ملی ورنہ یہ بات "بہت سے لوگ" کیوں کر کہہ سکتے تھے، کہ سیّد صاحب کے ساتھ مولانا محمد اسماعیل بھی آسمان پر چلے گئے۔ اس کے ساتھ ہی مرزا حیرت نے یہ حیرت انگیز بات بھی لکھ ماری کہ "مگر یہ خبر معتبر معلوم ہوتی ہے کہ دوسرے دن شیر سنگھ نے ان دونوں بزرگوں کی نعشوں کو شناخت کراکر نہایت عزت کے ساتھ انہیں بالاکوٹ ہی میں دفن کرادیا مولانا شہید کی قبر تو موجود ہے اور سیّد صاحب کی قبر حضرت موسیٰؑ اور حضرت علیؓ کی قبر کی طرح مشتبہ ہے[1]۔ (حیاتِ طیبہ صفحہ ۵۳۴، ۵۳۵)

سوچنے کی بات ہے کہ اگر بقول اس کے یہ خبر معتبر ہے کہ اسماعیل صاحب اور سید احمد دونوں کی نعشوں کو شناخت کراکر بالاکوٹ ہی میں دفن کرادیا تھا۔ تو پھر یہ کیوں کر لکھ مارا کہ مولانا شہید کی قبر تو موجود ہے اور سید صاحب کی قبر مشتبہ ہے۔ بھلا مشتبہ خبر معتبر کیوں کر ہوسکتی ہے۔ خبر تو وہی معتبر ہوگی جس خبر کو بہت سے لوگ بیان کریں۔ خصوصاً وہ لوگ جو ان کے ساتھ معرکہ بالاکوٹ میں شریک تھے اور خوش قسمتی سے قتل ہونے سے بچ گئے تھے اور سید احمد صاحب کی

---

[1] سید احمد رائے بریلوی کی قبر کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اور حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ، کی قبور مقدسہ سے تشبیہ و نسبت دینا انتہائی گستاخی اور بیہودگی ہے۔ یہ جسارت قابل مذمّت ہے۔

"چہ نسبت خاک رابہ عالمِ پاک" (موئف)

تلاش میں سرگرداں رہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض اشخاص نے سید احمد صاحب کو ان کے میدانِ جنگ (معرکۂ بالاکوٹ) سے فرار ہوجانے کے بعد رُوپوش ہوجانے کے زمانہ میں دیکھا۔ بعض نے ان سے ملاقات اور گفتگو بھی کی اور نہ صرف یہ کہ معرکۂ بالاکوٹ سے چھیاسٹھ سال بعد مولوی حیدر علی اور اس کے بیٹے نے سیّد احمد صاحب سے ملاقات کی بلکہ بہتّر سال بعد بھی مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کہتے ہیں کہ اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ سید احمد صاحب اب بھی زندہ ہوں جبکہ ان باتوں کی گواہی خود وہابی صاحبان اور ان کی کتابیں دے رہی ہیں تو پھر آنکھیں بند کرکے اندھیرے میں تیر چلانے سے کیافائدہ پھر جب سید احمد صاحب اور اسماعیل دہلوی کے ساتھیوں میں سے ہی بہت سے لوگوں کا مقولہ ہے کہ سید صاحب کے ساتھ مولانا اسماعیل بھی آسمان پر چلے گئے۔ "یعنی دونوں مفرور اور رُوپوش ہوگئے تو پھر ان دونوں کو بالاکوٹ میں مقتول اور مدفون ہونے کی خبر کچھ بھی معتبر نہ رہی۔ بلکہ یوں کہنا مبنی بر حقیقت اور صحیح ہوگا کہ یہ خبر سراسر غلط اور قطعاً خلافِ واقعہ ہے۔ الغرض خود وہابیہ کی تحریروں سے ہی ثابت ہوتا ہے کہ سیّد احمد اور اسمٰعیل دہلوی معرکہ بالاکوٹ میں مقتول نہیں ہوئے اور نہ ہی وہاں دفن کیے گئے۔

ہاں یہ دوسری بات ہے کہ شیر سنگھ نے ازروئے مغالطہ یا کسی مصلحت سے دوسرے مقتول وہابیوں کی نعشوں میں سے کسی دو نعشوں کو سید احمد اور اسماعیل دہلوی کی نعشیں قرار دے کر دفن کرادیا ہو۔ جو بعد میں ان ہی کی قبریں مشہور ہوگئیں واللہ اعلم بالصواب۔

اب اس سلسلہ میں ۱۸۹۰ء میں مطبوعہ گواہی ملاحظہ ہو۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ **اسماعیل دہلوی بمقام پنجتار مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہوئے مسلمانوں کے ہاتھوں مقتول ہوئے**

مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ جب کبھی ملّتِ اسلامیہ پر بُرا وقت آیا تو کچھ لوگ

اُمّتِ مرحومہ کی پریشانیوں سے وقتی فائدہ اٹھانے کیلئے میدان میں آگئے اور اپنے خود ساختہ نظریات و عقائد کی تبلیغ شروع کردی۔ ہندوستان میں بھی یہی ہوا۔ مغل سلطنت کا چراغ گُل ہو رہا تھا۔ مسلمان حیات و موت کی کشمکش میں تھے۔ اِسی زمانہ میں مولوی اسماعیل دہلوی ظاہر ہوئے اور اپنے غیر اسلامی خود ساختہ عقائد کی ترویج و اشاعت میں مشغول ہوگئے۔ اللہ ربُّ العزّت اور اس کے محبوب محمدؐ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلّم اور دیگر تمام انبیاء و رسل علیہم السّلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی تذلیل و اہانت کو اپنا شعار مذہب بنالیا۔ مشرق و مغرب میں بڑے زور و شور سے اس کی تبلیغ شروع کردی، صحابۂ کرام علیہم الرضوان سے لے کر اپنے زمانہ کے تمام مسلمانوں کو مشرک و مُرتد ٹھہرایا اور اسی مشرک گردی کے سلسلہ میں یُوسف زئی پٹھانوں کی دو۲ لڑکیاں اپنے قبضہ میں لائے اور پُورے قبیلہ کو حکم دیا کہ اپنی لڑکیاں اسماعیلی گروہ کے حوالے کردیں۔ پٹھانوں کے انکار پر مولوی دہلوی نے مشرک قرار دے کر جہاد بالسیف شروع کردیا۔ جس میں بکثرت یوسف زئی پٹھان مارے گئے بالآخر مولوی اسماعیل صاحب ان ہی پٹھانوں کی گولی سے بمقام پنجتار مارے گئے اور اس طرح مسلمانوں کے خلاف مقاتلہ کا انجام سخت عبرتناک ہوا۔ اب ان کو شہید کہیئے۔ قاتل کہیئے مقتول کہیئے اختیار ہے۔" (منقول از ماہنامہ تاج کراچی بابت ماہ فروری ۱۹۵۷ء بحوالہ "فریاد المسلمین" مطبوعہ ۱۸۹۰ھ وہابی کیس ہنٹر)

بہرحال از رُوئے تحقیق ثابت ہوا کہ سیّد احمد اور اسماعیل دہلوی معرکۂ بالاکوٹ میں مقتول نہیں ہوئے۔ انہیں شہید قرار دینا ہر لحاظ سے غلط اور خلاف حقیقت ہے۔

معرکۂ بالاکوٹ کے بعد سیّد احمد کے خلفاء اور متبعین کے کارنامے:

معرکۂ بالاکوٹ کے بعد سیّد احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی کی تحریک کا زور اگرچہ ٹوٹ چکا تھا تاہم ان کے جانشین یکے بعد دیگرے سرحدی علاقہ میں پھر

سے اپنے قدم جمانے اور ریاستِ وہابیہ قائم کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے، یہ لوگ کبھی تو جہاد کا نعرہ بلند کرکے افغان سرداروں کی مدد حاصل کرتے اور سکھوں سے لڑائی چھیڑ دیتے کہ شاید سکھوں سے ہی کوئی علاقہ چھین لیں اور کبھی اپنی وہابیانہ ذہنیت سے مجبور ہوکر افغانوں پر شرک و کفر کا فتویٰ لگا کر ان کے خلاف جنگ وجدال شروع کردیتے تاکہ سُنّی پٹھانوں کو مغلوب کرکے ان پر مسلّط ہوجائیں۔

شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں۔ "میدانِ جنگ (بالاکوٹ) سے جو لوگ کسی طرح بچ نکلے۔ ان میں سے بعضوں نے ہندوستان کی راہ لی۔ گنتی کے چند افراد اس علاقے میں رہ گئے۔ ان میں سے شیخ ولی محمد پھیلتی جنہیں اس مختصر جماعت کا امیر منتخب کیا گیا اور مولوی نصیر الدین منگلوری جنہوں نے مجاہدین کی عملی قیادت کی، قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے بعض مقامی خواتین اور پیروں کے ساتھ مل کر سکھوں کے خلاف تھوڑا بہت جہاد کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ لیکن اس میں چنداں کامیابی نہ ہوئی۔ بلکہ مجاہدین مقامی جھگڑوں میں بُری طرح پھنس گئے۔ مولوی نصیر الدین منگلوری نے ایک مقامی رئیس فتح خان پنجتاری سے لڑائی کے دوران میں ۱۸۳۰ء کے قریب شہادت پائی۔ (موج کوثر صفحہ ۴۰)۔

ان کی ان مجنونانہ کارروائیوں اور وہابیانہ حرکات کے نتیجہ میں افغان ان سے بیزار اور مایوس ہوتے چلے گئے۔ ان کے آئے دن کے حملوں سے تنگ آکر چند افغان سردار انگریزی حکومت کے حلیف بن گئے تھے اور دوسری طرف سکھوں نے بھی حالات سے مجبور ہوکر انگریزوں سے صلح کرلی اور اس بناء پر انگریزی افواج کو اپنے حلیفوں پر وہابیوں کے جارحانہ حملوں کی مدافعت کے لئے میدان میں آنا پڑگیا اور اس طرح وہابیوں اور انگریزوں کے درمیان بھی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

وہابی مصنّف مسعود عالم ندوی لکھتا ہے۔ "یہ ہم ابھی لکھ آئے ہیں کہ مولانا عنایت علی کی جہادی سرگرمیوں کا چوتھا دَور مولانا ولایت علی کے انتقال کے

بعد شروع ہوتا ہے (محرم ۱۲۶۱ھ/۱۸۵۲ء) یہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ وہ انگریزوں کے حلیف والئی امب پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ مگر مولانا ولایت علی نے اجازت نہ دی جب زمامِ قیادت ان کے ہاتھ میں آئی تو ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ جہانداد خان والئی امب سے ٹکر ناگزیر ہوگئی۔ (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک صفحہ ۷۷) نیز اسی کتاب کے صفحہ ۹۷ پر انگریز کلکٹر پٹنہ کا بیان منقول ہے کہ "۱۸۵۲ء کے ریکارڈ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مذہبی دیوانوں نے ہمارے حلیف جہانداد خان والئی امب پر حملہ کیا جس کے باعث آگے چل کر ۱۸۵۷ء میں ضروری ہوگیا کہ سَر سڈنی کاٹن کی سرکردگی میں ان کے خلاف ایک مہم بھیجی جائے۔"

ان وہابیوں نے جب دیکھا کہ وہ انگریزی افواج کا خود تنہا مقابلہ نہیں کر سکیں گے تو ان لوگوں نے اسلام کا واسطہ دے کر مختلف افغان قبائل میں انگریزوں کے خلاف جہاد کی تبلیغ شروع کردی اور خُدا اور رسُول کے نام پر چند افغان قبائل کو انگریزوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوکر سُنّی پٹھانوں کی مدد سے انگریزوں کے خلاف محاذ کھول دیا۔

شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں "اکثر بڑی لڑائیوں کے موقع پر جری قبائلی لشکر جمع ہوجاتا چنانچہ انگریزوں کو متعدد مرتبہ بڑی بڑی فوجیں مجاہدین اور قبائل کے خلاف بھیجنی پڑیں اور کئی اہم لڑائیاں وقوع پذیر ہوئیں۔ (موج کوثر صفحہ ۵۳)

لیکن اس کے باوجود ان وہابیوں اور سُنّی پٹھانوں کے مابین سُنّی وہابی کا جھگڑا بھی بدستور چلتا رہا وہابی صاحبان اپنی مذموم حرکات سے باز نہ رہتے اور سُنّی پٹھان ان کی ان سرگرمیوں کو برداشت نہ کرتے۔ لہذا باہمی اتفاق و اتحاد قائم نہ ہوسکا اور ان وہابیوں کے ساتھ تعاون کرنے کے نتیجہ میں سُنّی پٹھانوں کو بجائے کسی فائدہ کے زبردست نقصانات اُٹھانے پڑے۔

دریں اثناء انگریز کے جاسوس اس خلفشار اور تمام صورت حال کی اطلاعات

برابر پہنچا رہے تھے اور انگریز حکّام مناسب موقعہ کے انتظار میں تھے۔ باالآخر میجر سڈنی کاٹن کے زیرِ قیادت پانچ ہزار فوج کا لشکر اِس مقصد کے لئے تیار ہوا کہ مجاہدین کے تمام مرکزوں کو تباہ و برباد کردیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اپریل ۱۸۵۸ء کے آخری ہفتے میں پنجتار اور "منگل تھانہ" کو تباہ و برباد کردیا۔ ۴ مئی کو یہ فوج ستھانہ کی طرف بڑھی اور نتیجۃً انگریزوں نے ستھانہ کو بری طرح تباہ کیا۔ توپیں لگا کر گاؤں مسمار کر ڈالا۔ ہاتھیوں سے مجاہدین کا قلعہ تڑوایا۔ سایہ دار درختوں کو بھی کاٹ ڈالا۔" (موج کوثر صفحہ ۵۲، ۵۳)

الغرض سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے متبعین وہابیوں نے اپنے پیشروؤں کی پالیسی کے خلاف جب اپنی سرگرمیوں کا رُخ انگریزوں کی جانب موڑا اور انگریزی حکومت کو اپنے مفادات پر زد پڑتی نظر آئی تو برطانوی حکّام نے فوجی اور قانونی دو طرفہ کارروائی کر کے

وہابیہ کے اس ڈرامے کا ڈراپ سین کردیا

برطانوی حکّام نے اس مرحلہ پر وہابیہ کی اس فوجی تنظیم کو مکمّل طور پر کچل دینے کا حتمی فیصلہ کرلیا، چونکہ جس مقصد کی خاطر انگریز نے سید احمد اور اسماعیل دہلوی کو اپنی گود میں لیا تھا، اب وہ مقصد کافی حد تک پُورا ہوچکا تھا برطانوی حکومت برِّصغیر ہندوپاک میں اپنے قدم مضبوطی سے جماچکی تھی۔ مسلمانوں کی اجتماعی قوت کو پارہ پارہ کیا جاچکا تھا۔ فتنۂ وہابیت شہر بہ شہر اور قریہ بہ قریہ پھیل چکا تھا۔ مسلمان سُنی وہابی کے جھگڑوں میں اُلجھ رہے تھے۔

مزید برآں انگریز حکام کو ملک میں انگریزوں کی وفاداری کا درس دینے والے اور ملّتِ اسلامیہ میں فتنۂ وہابیت برپا رکھنے والے بہت سے ابنُ الوقت وہابی مولوی دستیاب ہوچکے تھے۔ اس لئے اب سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے خلفاء و متبعین کی مزید خرمستیاں برداشت کرنے کی چنداں ضرورت بھی باقی نہیں رہ گئی تھی۔ لہٰذا

برطانوی حکّام نے ایک طرف سرحدی علاقہ میں جنگجووہابیوں کوفوجی قوت سے کچل ڈالا اور دوسری طرف ان نام نہاد مجاہدین کو اندرونِ ملک سے امداد پہنچانے والے وہابیوں کے خلاف آہنی قانونی پنجہ کو حرکت میں لاکر انہیں مختلف شہروں اور مقامات سے گرفتار کر کے ان پر بغاوت کے الزام میں مقدمات چلائے اور انہیں سزائیں دے کراس تحریک کو ختم کردیا۔

شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں۔ " انگریزی حکومت نے نہ صرف مجاہدین کے خلاف فوجی اقدامات کئے بلکہ ملک بھر میں ان کے معاونین کے خلاف مقدمے چلائے۔ ان کی جائیدادیں ضبط کیں اور دوسری سخت سزائیں دیں" (موج کوثر صفحہ ۵۳)۔

موجودہ وہابی اپنے پیشروؤں کو مجاہدینِ اسلام اور انگریز دشمن ثابت کرنے کے لئے سیّد احمد کے خلفاء و متبعین کی انگریزوں سے جھڑپوں اور اندرون ملک ان کے معاونین کی گرفتاریوں اور ان کے خلاف مقدمات کو بڑی رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کرتے ہیں، مگر ناظرین گزشتہ صفحات میں سیداحمد صاحب اور اسماعیل دہلوی کے اعلانات بیانات اور انگریزوں کی وفاداری میں ان کے کارنامے ملاحظہ کرچکے ہیں اور ان کے خلفاء و متبعین کے حالات بھی پڑھ چکے ہیں۔ ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھ کر منصف مزاج فیصلہ کرسکتا ہے کہ یہ لوگ کہاں تک حق بجانب ہیں۔

اس کے علاوہ یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ اگر یہ لوگ حقیقتاً انگریز کے دشمن ہوتے اور ان کی تحریک حکومتِ برطانیہ کے خلاف ہوتی تو برطانوی حکومت اس تحریک کو پھلنے پھولنے کا موقع ہی کیوں دیتی جبکہ بقول مسعود عالم ندوی اس پوری مدّت ۱۸۳۱ء، ۱۸۶۸ء میں پٹنہ سازش کا مرکز تھا۔ وہابی مبلّغ ہندوستان اور دوسرے قریب کے ملکوں میں اپنے مشن کی تبلیغ کر رہے تھے۔" (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک صفحہ ۱۳۰)۔

یہ تحریک ۲۷ برس تک سرگرمِ عمل رہی تو کیا گورنمنٹ برطانیہ ۲۷ برس کی طویل مدت تک ان وہابیوں کی سرگرمیوں اور ان کی تحریک سے بے خبر رہی یا اِس قدر کمزور اور بے بس تھی کہ ان پر قابو نہیں پاسکتی تھی؟ ظاہر ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں تھی، بلکہ صحیح بات وہی ہے جو قائدین تحریک کے اعلانات و بیانات اور ان کے عمل سے اظہر من الشمس ہے۔ جس کی گواہی اسی تحریک کے سرگرم کارکن محمد جعفر تھانیسری دے رہے ہیں، "سید صاحب کا سرکارِ انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ وہ (سید احمد) اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عملداری سمجھتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ سرکار انگریزی اس وقت سید صاحب کے خلاف ہوتی تو ہندوستان سے سید صاحب کو کچھ بھی مدد نہ پہنچتی۔" (سوانح احمدی یا تواریخ عجیبہ صفحہ ۱۸۲)۔

اس امر کی تائید مزید کے طور پر مندرجہ ذیل حوالہ ملاحظہ ہو۔ جس سے یہ بات قطعی طور پر پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ سیّد احمد اور ان کے متبعین کا سکّھوں کے خلاف نام نہاد جہاد حقیقتاً حکومت برطانیہ ہی کی جنگ تھی جو ان نام نہاد مجاہدین کی آڑ میں لڑی جارہی تھی، تاکہ سکھوں کو پریشان کر کے حکومت برطانیہ کے سامنے جھک جانے پر مجبور کیا جاسکے۔

چنانچہ ۱۸۴۸ء میں جب سکھوں سے انگریزوں کا معاہدہ ہوگیا تو حکومت برطانیہ نے نام نہاد مجاہدین کے امیر کو حکم بھیجا کہ "اب جنگ بندی کردی جائے۔" یہ حکم پہنچتے ہی سید احمد کے جانشین وہابیہ نے جنگ بند کردی اور خود انگریز حکام کی خدمت میں حاضر ہوکر ہتھیار واپس کردیئے۔ انگریزوں نے ان کی خدمات کے اعتراف میں ان کا شاندار استقبال کیا۔ انہیں دعوتیں کھلائیں اور نقد معاوضہ بھی ادا کردیا۔

سید احمد کی تحریک مجاہدین کے سرگرم رُکن محمد جعفر تھانیسری کا بیان ہے کہ:

جب گلاب سنگھ اور سرکار انگریزی کا آپس میں معاہدہ ہوگیا تو اس وقت سرکار انگریزی نے ایک خط بنام مولوی ولایت علی صاحب کو لکھا کہ اب گلاب سنگھ سرکار انگریزی کی حمایت میں ہے، اس وقت اس سے لڑنا عین گورنمنٹ سے لڑنا ہے، لہٰذا تم کو چاہیئے کہ اس کے ساتھ لڑائی بند کردو۔" (حیات سید احمد شہید صفحہ ۳۴۰)۔

"اس کے بعد مجاہدین نے لڑائی بند کردی ہتھیار سرکار کے پاس جمع کرادیئے اور قیمت وصول کرلی۔ انگریزوں نے مجاہدین کا شاندار استقبال کیا اور ان کی دعوتیں بھی کیں۔" (ملخصاً، حیات سید احمد شہید صفحہ ۳۴۱)۔

اور پھر جب سکھوں کو شکست دے کر انگریزوں نے پنجاب فتح کرلیا تو سیّد احمد کے متبعین نے مسرّت کا اظہار کرتے ہوئے اعلان کیا کہ "سلطنتِ پنجاب متعصّب اور ظالم سکھوں کے ہاتھ سے نکل کر ایک ایسی عادل اور آزاد اور لامذہب قوم کے ہاتھ میں آگئی کہ جس کو ہم مسلمان (وہابی) اپنے ہاتھ پر فتح ہونا تصوّر کرسکتے ہیں۔" (حیات سیّد احمد شہید صفحہ ۳۵۱)۔

فقیر کے خیال میں خود وہابیہ کی مستند کتابوں سے اِس قدر کھُلی وضاحت کے بعد اگرچہ مزید کسی وضاحت کی قطعاً کچھ ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، لیکن چونکہ موجودہ وہابی صاحبان کمال ڈھٹائی کے ساتھ تاریخ کو مسخ کرنے کی منظم کوششوں میں مصروف ہیں، اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ ان کے بڑوں سے لے کر زمانۂ حال کے وہابیوں تک کا کچا چٹھا بیان کردیا جائے۔

غور کا مقام ہے کہ اگر وہابی مولوی واقعی انگریزوں اور ان کے اقتدار کے مخالف اور دشمن تھے تو ۱۸۵۷ء میں جبکہ حقیقی مجاہدین آزادی نے رہنمایانِ ملک و مِلّت علمائے اہل سنّت و جماعت کی قیادت میں برطانوی حکومت کے خلاف عَلَمِ جہاد بلند کیا اور ملک میں ہر طرف انگریزوں کے خلاف شعلے بھڑک اٹھے تھے اور

ہندوستان کی سرزمین انگریزوں پر تنگ ہو گئی تھی اور بظاہر یہ دکھائی دیتا تھا کہ انگریز کی حکومت اب گئی اور اب گئی تو اس وقت وہابیوں نے انگریزوں کے خلاف کس لئے کوئی اقدام نہ کیا اس نازک وقت میں وہابیوں نے حقیقی مجاہدین آزادی کا ساتھ دینے کے بجائے انگریزوں کی حمایت اور مدد کرنا کیوں ضروری سمجھا۔ اگر یہ وہابی صاحبان ملک کی آزادی اور اسلام کی سربلندی کے خواہش مند ہوتے تو ان کے لئے یہ ایک سُنہری موقع تھا کہ مجاہدین کے ساتھ مل کر انگریزوں کو ملک بدر کر دینے کی خاطر پُورا زور لگا دیتے۔ مگر چونکہ

ہیں وہابی کچھ، نظر آتے ہیں کچھ دھوکہ دیتے ہیں یہ بازی گر کھُلا

(شاعر کی روح سے معذرت کے ساتھ)

وہابی صاحبان نے ایسے وقت میں بھی انگریزوں سے اپنی مکمل وفاداری اور جان نثاری کا پورا پورا ثبوت دیا اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ بلکہ خود وہابی مصنفین کی تحریریں علی الاعلان بتا رہی ہیں کہ:

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں وہابیوں نے کوئی حصّہ نہیں لیا بلکہ یہ لوگ انگریزوں کی حمایت میں لڑتے بھی رہے ہیں:

لیجئے ملاحظہ فرمائیے متعصّب وہابی مسعود عالم ندوی کا بیان ہے کہ مجاہدین کے ہم خیال وہم مشرب اصحاب بہار و بنگال خفیہ طور پر چندے کر کے سرحد بھیجتے تھے اور بیرون ہند کی امارت کی تائید کے لئے اندرون ہند بھی ان کا خاص نظام تھا۔ یہ سلسلہ برابر جاری رہا اور سارا کام حسن و خوبی کے ساتھ چلتا رہا کہ اسی دوران ۱۸۵۷ء کا پُر آشوب حادثہ پیش آیا اور گو مجاہدین اور ان کے معاونین ایک دینی (یعنی وہابی) نظام سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اس قومی لڑائی میں غیر جانبدار رہے، پھر بھی پٹنہ کے کمشنر ٹیلر نے مولانا احمد اللہ صادقپوری (مہتمم مقدمہ سازش پٹنہ ۱۸۶۵ء ف، درانڈیمان ۲۸ ذی الحجۃ ۱۲۹۸ھ) وغیرہ کو بہت دِق

کیا۔" (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک صفحہ ۷۹، ۸۰)

اس حوالہ سے ثابت ہوا کہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے ساتھی وہابی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے بالکل الگ تھلگ رہے ہیں۔ اب اس کے بعد سلسلہ وار وہابی گروہوں کے کارنامے پیش خدمت ہیں۔

سرسید احمد علی گڑھی اور اسکے گروہ کی گورنمنٹ برطانیہ سے وفاداری

کے ثبوت میں خود ان کا بیان ملاحظہ ہو۔ "انگلش گورنمنٹ ہندوستان میں خود اس فرقے کے لئے جو وہابی کہلاتا ہے ایک رحمت ہے۔ جس آزادی مذہب سے انگلش گورنمنٹ کے سایۂ عاطفت میں رہتے ہیں دوسری جگہ ان کو میسّر نہیں، ہندوستان ان کے لئے دارالامن ہے۔" نیز فرمایا۔ "اب تو کیا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں بھی (وہابیوں نے) گورنمنٹ پر جہاد نہیں کیا۔ جس کے برابر آج تک ہندوستان میں کوئی ہنگامہ نہیں ہوا۔" (مقالات سرسیّد حصّہ نہم صفحہ ۱۸۹۔۲۱۲)

سر سیّد احمد علیگڑھی کے متعلق مولوی عبدالحق اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"خانصاحب بہادر مولوی مخصوص اللّٰہ کی خدمت میں حاضر ہوکر کسی قدر صَرف و نحو سے آشنا ہوئے اور تعویذ گنڈے بھی سیکھے لیکن جب یہ نسخہ نہ چلا تو گورنمنٹ برٹش کی طرف رجوع کیا اور اپنی لیاقت خداداد سے کوئی اچھا عہدہ بھی پایا۔ پھر تو پکّے وہابی متبع مولوی اسماعیل ہوگئے۔ اِس عرصہ میں غدر ۱۸۵۷ء ہوگیا اور سید صاحب اپنی خیرخواہی اور حکام رسی سے بڑی ترقی کر گئے اور اپنی خوش بیانی اور عالی دماغی سے انگریزوں میں بڑے فاضل یا فلاسفر یا ریفارمر مانے گئے اور سی۔ ایس۔ آئی کا لقب حاصل کیا۔" (تفسیر حقانی جلد دوم صفحہ ۲۱۲)۔

سرسید احمد انگریز کے معتمد علیہ وفادار تھے

حالی نے سرسید کا بیان یوں لکھا ہے۔ "وہابی وہ ہے جو خالصتاً خدا کی عبادت کرتا ہو۔ موحّد ہو اور اس کا اسلام ہوائے نفسانی اور بدعت کی آمیزش سے پاک

ہو۔ اس کو یہ کہنا کہ وہ ہمیشہ درپردہ تخریب سلطنت کی فکر میں رہتا ہے اور چپکے چپکے منصوبے باندھا کرتا ہے اور غدر و بغاوت کی تحریک کرتا ہے محض تہمت ہے ہم (سرسیّد) اس وقت بہت سے ایسے آدمی کا نشان (اور پتہ) دے سکتے ہیں، جو (انگریزی) سرکار کے ایسے ملازم ہیں کہ ان سے زیادہ (انگریزی) سرکار کا خیر خواہ اور معتمد کوئی نہیں بایں ہمہ وہ اپنے تئیں علی الاعلان اور بے تامل فخریہ طور پر وہابی کہتے ہیں اور سرکار نے بے سوچے سمجھے ان کو معتمد علیہ نہیں گردانا بلکہ غدر ۱۸۵۷ء کے زمانے میں جبکہ فتنہ کی آگ ہر طرف مشتعل تھی ان کی وفاداری کا سونا اچھی طرح ناپا گیا اور وہ خیر خواہی سرکار میں ثابت قدم رہے۔ اگر وہ جہاد کا وعظ کہتے ہوتے اور بغاوت وہابیّت کی اصل ہوتی تو جو کچھ ان سے ظہور میں آیا یہ کیوں کر ظہور میں آتا۔" (حیات جاوید صفحہ ۱۸۴)۔

وہابی ہونا جرُم نہیں بلکہ (انگریزی) گورنمنٹ کی بدخواہی اور بغاوت جرُم ہے

سرسیّد کے داہنے بازو الطاف حسین حالؔی نے حیاتِ جاوید، باب پنجم صفحہ ۱۸۲، ۱۸۳ پر لکھا ہے۔ "انہوں نے (سرسیّد نے) اس ریویو میں بہت صاف اور روشن شہادتوں سے ڈاکٹر ہنٹر کی غلطیاں ظاہر کی ہیں اور وہابیوں کی مختصر تاریخ اول سے آخر تک اور وہابیت کے اصول شرعی بیان کئے ہیں اور صاف اقرار کیا ہے کہ میں خود وہابی ہوں۔ وہابی ہونا جرم نہیں ہے بلکہ (انگریزی) گورنمنٹ کی بدخواہی اور بغاوت جرم ہے۔"

قائدین وہابیہ اور عام وہابیوں کی حکومتِ برطانیہ سے انتہائی وفاداری کے بارے میں سرسید علی گڑھی کا بیان شاہد ہے کہ جملہ وہابیوں نے من حیثُ القوم ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مطلقاً حصّہ نہیں لیا اس لئے وہابی انگریزی حکومت کو اپنے لئے ایک رحمت، سایۂ عاطفت اور ہندوستان کو "دارالامن" بنانے کا موجب

جانتے تھے۔

اور قطع نظر دیگر وجوہات کے سرسیّد علی گڑھی بحیثیت ایک وہابی ہونے کے بھی حکومت برطانیہ کے وفادار اور استحکام سلطنت برطانیہ کے خواہشمند تھے۔ شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں۔ "حقیقت یہ ہے کہ سرسید مولانا (سید احمد) کے ہمخیال اور ان کے نہایت عقیدت مند مدّاحوں میں سے تھے۔ اس کا ثبوت ان مضامین میں سے مل سکتا ہے جو انہوں نے ڈاکٹر ہنٹر کے خلاف اور وہابی عقائد کے حق میں لکھے تھے (موج کوثر صفحہ ۲۴)۔

سرسیّد علی گڑھی کے عقائد باطلہ

الطاف حسین حالی نے سرسید کے عقائد "حیاتِ جاوید" میں تحریر کئے ہیں ان میں سے چند عقائد ملاحظہ ہوں:

(۱) اجماع امت حجّت شرعی نہیں ہے (۲) قیاس آئمہ حجّت شرعی نہیں ہے۔ (۳) تقلید آئمہ واجب نہیں ہے (۴) شیطان یا ابلیس کا لفظ جو قرآن میں آیا ہے اس سے کوئی ہستی مُراد نہیں بلکہ انسان کے نفس امّار، یا قوتِ بہیمیہ کا نام ابلیس ہے۔ (۵) نصاریٰ (عیسائیوں) نے جن چوپایوں کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا ہو مسلمانوں کو ان کا کھانا حلال ہے۔ (۶) معراج خواہ مکّہ سے مسجد اقصیٰ تک ہو یا مسجد اقصیٰ سے آسمانوں تک بہر حال بیداری میں نہیں بلکہ خواب میں ہوئی ہے اور یُوہی شق صدر بھی خواب میں ہی ہوا ہے۔ (۷) فرشتوں کا کوئی الگ وجود نہیں ہے، بلکہ برق کی قوت، جذب و رفع پہاڑوں کی صلابت، پانی کا سیلان، درختوں کا نمو وغیرہ جیسی قوتوں کا نام فرشتہ ہے۔ (۸) آدم، فرشتے اور ابلیس کا جو قصّہ قرآن میں بیان ہوا تو ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا بلکہ یہ ایک مثال ہے جس کے پیرایہ میں انسان کی فطرت جذبات اور اس کی قوت بہیمیہ بیان کی گئی ہے۔ (۹) قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے کسی معجزہ کے صادر ہونے کا ذکر

نہیں ہے۔ (۱۰) مرنے کے بعد اٹھنا، حساب و کتاب، میزان، پُل صراط جنّت و دوزخ وغیرہ سب مجاز پر محمول ہیں نہ کہ حقیقت پر۔ (۱۱) خُدا کا دیدار کیا دنیا میں اور کیا عقبیٰ میں نہ ان ظاہری آنکھوں سے ممکن نہ دِل کی آنکھوں سے۔ (۱۲) قرآن مجید میں جو جنگ بدر و حنین کے بیان میں فرشتوں کی مدد کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے ان لڑائیوں میں فرشتوں کا آنا ثابت نہیں ہوتا۔ (کیونکہ خود فرشتوں کا جب کوئی وجود نہیں تو آنا جانا کیسا)۔ (۱۳) چور کے ہاتھ کاٹنے کی سزا جو قرآن میں بیان ہوئی ہے لازمی نہیں ہے۔ (حیات جاوید حصہ دوم، صفحہ ۲۵۶ تا ۲۶۳)۔

سرسیّد پر کفر کے فتوے

سرسیّد کے اِن نیچری عقائد کی وجہ سے اس کے ہم مسلک وہابی مولوی امداد العلی نے اس کی وہابیت کا کچھ بھی لحاظ کئے بغیر اس پر کفر و ارتداد کے فتوے حاصل کر کے شائع کئے، جیسا کہ حالی، حیاتِ جاوید حصّہ دوم صفحہ ۲۸۲ میں لکھتا ہے۔ "مولوی امداد العلی نے جو تین استفتے ہندوستان کے تمام بڑے بڑے شہروں میں بھیج کر سرسیّد کے کفر و ارتداد کے فتوے حاصل کئے تھے، ان میں سے ایک استفتاء اس مضمون کا تھا کہ جس شخص کے ایسے اور ایسے عقائد اور اقوال و افعال ہوں وہ مسلمان ہے یا نہیں۔" مدرسہ دیوبند کے صدر شیخ الحدیث انور شاہ صاحب مقدمہ مشکلات القرآن صفحہ ۳۲۰ میں لکھتے ہیں "سر سید ھو رجل زندیق ملحد او جاھل ضال" یعنی سرسیّد بے دین ہے۔ ملحد ہے یا جاہل گمراہ ہے۔

سرسیّد کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے ایمان تباہ و برباد ہو گئے:

دیوبندی وہابیہ کے پیشوا مولوی اشرف علی تھانوی کا بیان ہے کہ "یہ سب انگریزی تعلیم اور نیچریت کی نحوست ہے کہ لوگوں کے عقائد، اعمال، صورت سیرت بدل گئے اور دین بالکل تباہ و برباد ہوگیا۔ ان کی رفتار، گفتار، نشست و برخاست،

خوردونوش سب میں دہریت و نیچریت والحاد کا رنگ چھلکتا ہے اور ہندوستان میں نیچریت کا بیج سرسید کا بویا ہوا ہے۔" (الافاضات الیومیہ جلد ششم صفحہ ۶۰۰)۔

نیز ملاحظہ ہو "ایک صاحب نے عرض کیا کہ سرسیّد کی وجہ سے زیادہ ہندوستان میں گڑبڑ پھیلی، لوگوں کے عقائد خراب ہوئے، فرمایا گڑبڑ کیا معنی، اس شخص کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کے ایمان تباہ و برباد ہوگئے ایک بڑا گمراہی کا پھاٹک کُھل گیا۔ اس کے اثر سے اکثر نیچری ایمان سے کورے ہوئے ہیں۔" اس کے بعد مولوی تھانوی نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ سرسیّد احمد خان کی وجہ سے بڑی گمراہی پھیلی۔ یہ نیچریت زینہ ہے اور جڑ ہے الحاد کی۔ اس سے پھر شاخیں چلی ہیں یہ (مرزا غلام احمد) قادیانی اس نیچریت ہی کا اوّل شکار ہوا۔ آخر یہاں تک نوبت پہنچی کہ "استاد یعنی سرسیّد احمد خان سے بھی بازی لے گیا کہ نبوّت کا مدّعی بن بیٹھا۔" (الافاضات الیومیہ۔صفحہ ۱۰۶۔ جلد ۵)۔

سرسید کی حکمران انگریز کے ساتھ اس قدر وفاداری کی کیا وجہ تھی اس امر کی عقدہ کشائی کے لئے

سرسیّد کے متعلق مشہور سیاسی لیڈر سید جمال الدین افغانی کا تبصرہ

ملاحظہ ہو "کتّا ایک ہڈی حاصل کرنے کے لئے خوشامد کرتا ہے۔ اپنی دُم ہلاتا ہے۔ اپنے محسن کے پاؤں پر خواہ وہ اپنا ہو یا بیگانہ سَر رکھ دیتا ہے۔ انسان کتّے سے بھی گیا گزرا ہے لاحول ولا! اسے چاہیئے کہ خوشامد اور عاجزی میں کتّے سے بُہت آگے نکل جائے۔ اگر اس کے دُم نہیں تو کم از کم داڑھی تو ہے، ناستودہ مرگ (سرسیّد) خان نے یہ نکتہ سمجھ لیا تھا اور اس بات کے لئے تیار رہتا کہ آواز نکالے داڑھی کو حرکت دے اور جو روٹی کے ٹکڑے اسے ملے ہیں انہیں اس طرح حلال کرے، خُدا کرے کہ یہ شکر مزید عنایات کا ذریعہ ہو (ترجمہ عبارت فارسی از شیخ محمد اکرام ایم اے بر شبلی نامہ۔صفحہ ۱۱۸)۔

حقیقت واضح ہے کہ سرسیّد نے اصلاحِ قوم کی آڑ میں مسلمانوں کے عقائد بگاڑنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ عقائدِ وہابیّت کے علاوہ نیچریت و الحاد کی نشرو اشاعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اس کے علاوہ قوم کی گردن میں انگریزی اقتدار کے شکنجہ کو مزید کسنے میں دوسرے وہابی مولویوں کے مشن میں بھی برابر شریک رہے، اب رہی یہ بات کہ اس نے علی گڑھ میں ایک انگریزی درسگاہ "مدرسۃ العلوم" (جو بعد میں مسلم یونیورسٹی کے نام سے مشہور ہوئی) قائم کر کے مسلم قوم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ تو آیا اس کے صرف ایک مدرسہ قائم کردینے سے اس کی نیچریت کو اسلام قرار دے دیا جائے گا اور اس کی قرآن میں تحریف اور احادیث کی تردید کو صحیح تسلیم کر لیا جائے گا اور کیا اس کے سیاسی کارنامے فراموش کر دیئے جائیں گے؟

پرنس آف ویلز کی شان میں، الطاف حسین حالیؔ کا قصیدہ

جب انگریز ولی عہد سلطنت برطانیہ "پرنس آف ویلز" ہندوستان کے دَورے پر آیا تو وہابیہ کے مشہور شاعر مولوی الطاف حسین حالیؔ نے اس کے دربار میں ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا۔ اس کے چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔

مُژدہ ہو اہلِ مشرق اب دن پھرے ہمارے
مغرب سے سوئے مشرق آیا ہے مہرِ تاباں

گلہ کی اپنے لینے آیا خبر کہاں سے
ہے ایسے گلہ بان پر گلہ کی جان قرباں

ہندوستان بھی تجھ سے کچھ آج کل نہیں کم
اے معدنِ بزرگی اے خاکِ انگلستان

تیرے نصیب کا کیا پُوچھنا ہے لیکن
ہند بھی اِن دنوں ہے قسمت پہ اپنی نازاں

مہماں ہے آج اس کا شاہِ ولی عہد
روئے زمیں کے سلطاں جس کے ہوئے ہیں مہماں
(کلیاتِ حالی صفحہ ۱۱۴۔مطبوعہ دہلی)

ندوی گروہ کی حکومتِ برطانیہ سے وفاداری

مولوی شبلی صاحب سرسیّد احمد خان کے لفٹینینٹ اور حکومت برطانیہ کے خطاب یافتہ "شمسُ العلماء" تھے انہوں نے انگریز کی تائید و امداد سے لکھنؤ میں "دارالندوہ" کا ڈھونگ رچایا صلح کلی کا لبادہ اوڑھ کر مختلف الخیال علماء کو برٹش گورنمنٹ کے استحکام کی خاطر ایک پلیٹ فارم پر جمع کردینے کی تحریک چلائی تاکہ انگریزوں کے خلاف کوئی آواز بلند نہ کرسکے۔ شیخ محمد اکرام صاحب شبلی نامہ صفحہ ۱۷۸ میں لکھتے ہیں "ندوہ کی تاریخ میں ۱۹۰۸ء کا سال ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس سال صوبہ (یو پی) کے گورنر نے دارالعلوم کی وسیع عمارت کا سنگ بنیاد رکھا اور (انگریزی) حکومت کی طرف سے ندوہ کو بعض مقاصد کے لئے پانچ سو روپیہ ماہوار امداد ملنی شروع ہوئی۔

ناظرین ان بعض مقاصد کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے ندوۃ العلماء کے بانی مولوی شبلی کا بیان ملاحظہ فرمائیں جس میں مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ

مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی اطاعت و وفاداری مذہباً فرض ہے

شبلی نامہ میں ہے کہ "میں مدّتُ العمر کبھی انگریز گورنمنٹ کا بدخواہ نہیں رہا ہوں میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ مشرق و مغرب (ایشیا و یوُرپ) کے درمیان یگانگت بڑھے اور ایک دوسرے کی طرف سے جو غلط فہمیاں مدّتِ دراز سے چلی آتی ہیں، دُور ہوں، چنانچہ اس پر میری تمام تصنیفات شاہد ہیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ۱۸۰۸ء میں مَیں نے (ماہانہ رسالہ) "الندوہ" میں ایک مستقل مضمون کے ذریعہ یہ ثابت کیا کہ مسلمانوں پر انگریزی حکومت کی وفاداری مذہباً فرض

ہے۔" (شبلی نامہ صفحہ ۲۴۵)۔

ندوی گروہ کے مکرو فریب

مولوی ابوالکلام آزاد کا بیان ملاحظہ ہو "ندوۃ العلماء کے اجتماع سے مجھے روشن خیال علماء کی جو حالت منکشف ہوئی کیونکہ منتسبین ندوہ کی طرف میرا ایسا ہی حسن ظن تھا۔ اس سے طبیعت کو اور زیادہ مایوسی اور طبقہ علماء کی طرف سے سخت وحشت پیدا ہوگئی مخالفین ندوہ وہاں جو کچھ کہہ رہے تھے اور کر رہے تھے ان کی نسبت تو خیال تھا کہ یہ روشن خیال نہیں ہیں لیکن جو لوگ ندوہ کے لئے سرگرم تھے ان کی بھی عجیب حالت نظر آتی تھی۔ چونکہ پانچ چھ مہینہ تک ان سرگرمیوں کو بالکل قریب سے دیکھتا رہا۔ اس لئے اندرونی حالت بالکل میرے سامنے تھی۔ میں نے دیکھا کہ بالکل چالاک دُنیاداروں کی سی کارروائیاں کی جارہی ہیں اور وہ تمام وسائل بے دریغ عمل میں لائے جاتے ہیں، جو اپنی کامیابی کے لئے ایک شاطر سے شاطر اور عیار سے عیار جماعت کرسکتی ہے۔ لوگوں کو ندوہ کی تحریک میں شامل کرنے کے لئے ہر طرح کی عیاریاں کی جاتی تھیں۔ میرے سامنے ایک واعظ نے ندوہ کے ایک سرگرم ایجنٹ سے مشورہ کیا کہ مجلس وعظ میں کیوں کر ان کو اظہارِ جوش و خروش کرنا چاہئیے اور کیوں کر آخر میں نالہ و بکا (رونا دھونا) شروع کردینا چاہیئے۔ چنانچہ تجویز پختہ ہوگئی۔ اس کے بعد واعظ نے جوں ہی مثنوی کی ایک حکایت شروع کی دوسرے صاحب نے معاً کھڑے ہوکر چال بازوں کی طرح حرکتیں شروع کردیں، اس سے مجلس میں بڑی رقّت طاری ہوگئی اور اس قدر آہ و بکا ہوا کہ اس پر وعظ ختم کردیا گیا۔ اس طرح کی بیسیوں باتیں (مکاری عیّاری کی) روز میں دیکھتا تھا اور میرے دل میں اس طبقے (ندوہ والوں) کی طرف سے وحشت بڑھتی جاتی تھی۔" (آزاد کی کہانی صفحہ ۲۱۷۔۲۱۸)۔

ندوی وہابی مولویوں کے عقائد

کے متعلق مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کا بیان ملاحظہ فرمائیں تاکہ وہابیہ

کے سیاسی کردار کے ساتھ ساتھ ان کی دینداری کی حقیقت بھی آشکار ہوجائے۔
مولوی اشرف علی صاحب نے "ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ فلاں صاحب نعمانی (یعنی شبلی نعمانی اعظم گڑھی) یہ بھی سرسیّد احمد خان کے قدم بہ قدم ہی ہیں۔ سیرت نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھی ہے۔ جس پر آج کل کے نیچری فریفتہ ہیں۔" (الافات الیومیہ صفحہ ۱۵۲ جلد ۵)

نیز مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے فرمایا۔ "پھر خود ندوہ کا جو حشر ہوا۔ سب کو معلوم ہے۔ وہ ایسوں کے ہاتھ میں مدّت تک رہا، جن کی طبیعت میں بالکل نیچریت تھی۔ وہی سرسیّد احمد خان کے قدم بہ قدم ان کی رفتار رہی۔ وہی جذبات وہی خیالات کوئی فرق نہ تھا۔" (الافاضات الیومیہ، جلد پنجم صفحہ ۱۱۰)

ایک مرتبہ ندوہ کے جلسہ میں مولوی شبلی کے خلاف جب ہلچل مچی تو انہوں نے فضا کو سازگار بنانے کے لئے عبدالسّلام، مالک مطبع فاروقی دہلی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ایک فتویٰ شائع کیا جس میں لکھا کہ میں عقیدۃً وفقہاً دونوں لحاظ سے اہلسنّت و جماعت سے ہوں۔ دیوبندی مفتی کفایتُ اللہ صاحب دہلوی نے اس کے رَد میں ۱۳۳۲ ھجری میں ایک فتویٰ مرتب کر کے "تحفۂ ہندیہ" پریس دہلی میں چھپوا کر شائع کیا۔ اس مطبوعہ فتویٰ میں تحریر ہے کہ "جس باخبر شخص نے علامہ شبلی کی تصنیفات پڑھی ہیں اس پر علّامہ کے عقائد و خیالات روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ مگر اس فتویٰ سے ان پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اصل یہ ہے کہ علّامہ نے الکلام میں جن عقائد و خیالات کو صراحتہً یا کنایتہً حق مانا ہے، وہ زیادہ تر معتزلہ اور فرق ضالہ اور ملحدین کے عقائد و خیالات ہیں، اس لئے ان کی تصنیفات کو دیکھ کر اہلِ اسلام کے ہر طبقہ کی مذہبی غیرت میں تموّج پیدا ہوا اور چاروں طرف سے علّامہ کے خلاف صدا بلند ہوئی کہ علّامہ اہل سنّت و جماعت سے خارج اور معتزلہ اور ملاحدہ (بے دینوں) کے

ہمنوا بلکہ چودہویں صدی میں ان کی یادگار ہیں۔" (تواریخ مجددین حزبِ وہابیہ، صفحہ ۲۳)

شبلی نعمانی کے متعلق مولوی انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں

"وانما البوح علیٰ اعین الناس اذیس من الدّین ان یغمض عن کافر" (مقدمہ مشکلات القرآن۔ صفحہ ۳۲) میں شبلی نعمانی کی یہ بدعقیدگی اور بدمذہبی لوگوں کے سامنے اس لئے ظاہر کرتا ہوں کہ دینِ اسلام میں کافر کے کُفر کو چھُپانا جائز نہیں۔

مندرجہ بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ وہابی مولوی جبکہ مسلمانوں میں پھُوٹ ڈالنے کے لئے عقائدِ وہابیہ کو فروغ دے رہے تھے۔ سرسیّد اور شبلی نعمانی نے سیاست کے ساتھ ساتھ دینی امور میں ایک نیا فتنہ نیچریت کھڑا کردیا۔ ندوی مولوی ایک طرف تو صلح کُل ہونے کا اعلان کر کے ہمدردِ اسلام ہونے کا ڈھونگ رچا رہے تھے اور دوسری طرف دہریت و نیچریت کی اشاعت سے مسلمانوں میں ایک نیا انتشار برپا کرنے میں مصروف تھے اور حکومتِ برطانیہ کے استحکام کیلئے خدمات سرانجام دے رہے تھے،

اس کے بعد ناظرین!

غیر مقلّد وہابیوں کی گورنمنٹ برطانیہ سے وفاداری کی کیفیت

ملاحظہ فرمائیں، واضح رہے کہ غیر مقلّدین خود کو وہابی کہنے میں فخر محسوس کرتے تھے مگر جب گورنمنٹ برطانیہ نے سید احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی کے خلفاء متبعین کے خلاف فوجی کاروائیاں کیں اور اندرونِ ملک سازشی وہابیوں محمدؐ جعفر تھانیسری وغیرہ کے خلاف مقدمات چلاکر انہیں سزائیں دیں تو غیر مقلد وہابیوں کے بڑے پیشوا مولوی محمد حسین بٹالوی نے گروہ غیر مقلّدین کیلئے "اہلِ حدیث" مستقل نام تجویز کیا۔ انہوں نے باقاعدہ حکومت برطانیہ کی وفاداری کا

اعلان کرتے ہوئے سرکاری تحریرات میں " وہابی " کے بجائے اہلِ حدیث لکھے جانے کے احکام جاری کرائے۔ (ثبوت کے لئے دیکھئے تواریخ عجیبیہ صفحہ ۲۱، ۸۵ و مقالاتِ سرسیّد صفحہ ۲۱۱ جلد ۹)

نیز متعصّب وہابی مسعود عالم ندوی کا بیان ہے کہ " جب مجاہدین کی داروگیر شروع ہوئی اور ہر آمین بالجہر کہنے والے پر وہابی کا شبہ کیا گیا اور وہابی کے معنی سرکاری زبان میں "باغی" کے ہوگئے تو ہندوستان کی جماعت اہلِ حدیث موجودہ شکل میں نمایاں ہوئی اور ان کے سرکردہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی (پیدائش ۱۲۵۶ ہجری وفات ۱۳۳۸ ہجری) نے سرکار انگریزی کی اطاعت کو واجب قرار دیا اور حدیہ کہ وقت کے بعض حنفی عُلماء کو سرکار سے بغاوت کے طعنے دیئے۔" (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک صفحہ ۲۹)

غیر مقلّدین وہابی انگریزوں کی منظوری سے اہلحدیث بنے

واضح رہے کہ وہابیہ کے تمام موجودہ گروہ ایک ہی شجرِ وہابیت کی شاخیں ہیں اور سب کے سب سیّد احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی کی وساطت سے ابن عبدالوہاب نجدی کے پیروکار ہیں پہلے سب ہی وہابی کہلاتے تھے۔

دیوبندی، اہلحدیث، ندوی اور مودودی وغیرہ بعد میں بنے، عقائد سب کے ایک اور کردار بھی ان کا ایک ہے غیر مقلّدین کے اہلحدیث بننے کی روئیداد خود ان کے ممتاز مولوی کی زبانی سنیے جو بجائے خود بڑی دلچسپ ہے وہابی مولوی عبدالحمید خادم سوہدروی "سیرت ثنائی" صفحہ ۳۷۲ پر لکھتا ہے۔

" (محمد حسین بٹالوی) " نے " اشاعۃ السنّۃ " کے ذریعے اہلحدیث کی بہت خدمت کی لفظ وہابی آپ ہی کی کوششوں سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہلحدیث کے نام سے موسوم کیا گیا ـــــــــ آپ نے حکومت (برطانیہ) کی خدمت بھی کی اور انعام میں جاگیر پائی۔

انہوں نے ارکانِ جماعتِ اہلحدیث کی ایک دستخطی درخواست لیفٹیننٹ گورنر پنجاب کے ذریعے سے وائسرائے ہند کی خدمت میں روانہ کی اس درخواست پر سرفہرست شمسُ العلماء میاں نذیر حسین کے دستخط تھے۔ گورنر پنجاب نے وہ درخواست اپنی تائیدی تحریر کے ساتھ گورنمنٹ آف انڈیا کو بھیج دی۔ وہاں سے حسب ضابطہ منظوری آگئی کہ آئندہ "وہابی" کے بجائے "اہلِ حدیث" کا لفظ استعمال کیا جائے۔ لفٹینٹ گورنر پنجاب نے اس کی باقاعدہ اطلاع مولوی حسین کو دی۔ اسی طرح گورنمنٹ مدراس کی طرف سے ۱۵ راگست ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۱۲۷ گورنمنٹ بنگال کی طرف سے ۴ رمارچ ۱۸۹۰ء کو بذریعہ خط نمبر ۱۰۵۶ اور گورنمنٹ یوپی کی طرف سے ۲۰ رجولائی ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۳۸۶ گورنمنٹ سی پی کی طرف سے ۱۴ رجولائی ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۴۰۷ اور گورنمنٹ بمبئی کی طرف سے ۱۴ راگست ۱۸۸۸ء کو بذریعہ خط نمبر ۷۳۲ اس امر کی اطلاع مولوی محمد حسین بٹالوی کو ملی۔" مولوی محمد حسین بٹالوی نے خوشامد اور کاسہ لیسی کی حد کردی۔ وہ لکھتے ہیں "اس گروہ اہلحدیث کے خیر خواہ و وفادار رعایا برٹش گورنمنٹ ہونے پر ایک بڑی روشن اور قوی دلیل یہ ہے کہ یہ لوگ برٹش گورنمنٹ کے زیر حمایت رہنے کو اسلامی سلطنتوں کے ماتحت رہنے سے بہتر سمجھتے ہیں اور اس امر کو اپنے قومی وکیل (ماہنامہ رسالہ) "اشاعۃ السنّۃ" کے ذریعہ سے جس کے نمبر ۱۰ جلد ۶ میں اس امر کا بیان ہوا ہے (اور وہ نمبر ہر ایک لوکل گورنمنٹ آف انڈیا پہنچ چکا ہے۔ گورنمنٹ پر بخوبی ظاہر اور مدلّل کر چکے ہیں، جو آج تک کسی اسلامی فرقہ رعایا گورنمنٹ نے ظاہر نہیں کیا اور نہ آئندہ کسی سے اس کے ظاہر ہونے کی امید ہو سکتی ہے" اسی طرح ملکہ وکٹوریہ کے جشن جوبلی پر جو ایڈریس محمد حسین بٹالوی نے گروہ "مسلمانانِ اہلحدیث" کی طرف سے پیش کیا تھا اس میں لکھا تھا "یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اس سلطنت میں حاصل ہے۔ بخلاف

دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ ان کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے اس خصوصیت سے یقین ہوسکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام و استحکام سے زیادہ مسرّت ہے اور ان کے دِل سے مُبارکباد کی صدائیں زیادہ زور کے ساتھ نعرہ زن ہیں"۔

اسی طرح لارڈ ڈفرن وائسرائے ہند کی سبکدوشی پر جماعت اہلِ حدیث نے ایک خوشامدانہ ایڈریس دیا۔ جس پر سب سے پہلے شمسُ العلماء میاں نذیر حسین کے دستخط ہیں۔ اس کے بعد ابو سعید محمد حسین وکیل اہلحدیث مولوی احمد اللہ واعظ میونسپل کمشنر امرتسر مولوی قطب الدین پیشوائے اہل حدیث رو پڑی۔ مولوی حافظ عبداللہ غازی پوری، مولوی محمد سعید بنارسی، مولوی محمد ابراہیم آرہ اور مولوی نظام الدین پیشوائے اہلحدیث مدراس کے دستخط ہیں۔

مولٰینا سیّد سلیمان ندوی مرحوم لکھتے ہیں۔ " اہلحدیث کے نام سے اس وقت بھی جو تحریک ہے حقیقت کی رُو سے وہ قدم نہیں صرف نقشِ قدم ہے، مولٰینا اسماعیل شہید جس تحریک کو لے کر اٹھے وہ فقہ کے چند مسائل نہ تھے، بلکہ امامت کبریٰ، توحیدِ خالص اور اتّباع نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بنیادی تعلیمات تھیں مگر افسوس ہے کہ سیلاب نکل گیا اور باقی جو رہ گیا ہے وہ گزرے ہوئے پانی کی فقط لکیر ہے۔"

مولوی محمد حسین بٹالوی کی پُوری پالیسی میں شمسُ العلماء شیخ الکل میاں نذیر حسین ممد و معاون بلکہ سرپرست و سرخیل رہے۔ اور صادق پور کے بجائے مرکز قیادت دہلی اور لاہور منتقل ہوگیا۔ پھر بیسویں صدی کے آغاز پر دسمبر ۱۹۰۶ء مین بمقام آرہ (بہار) آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس وجود میں آئی۔ جس کے سب سے فعال کارکن مولانا ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری تھے۔ اہلحدیث کانفرنس کی پالیسی بھی کم و بیش مولوی محمد حسین بٹالوی کے انداز پر رہی۔ (اقتباس مقدمہ از محمد

ایوب قادری ایم اے' حیات سیّد احمد از محمد جعفر تھانیسری)۔

غیر مقلّدین کے پیشوا نے انگریز کی وفاداری کے ثبوت میں منسوخیٔ جہاد کا فتویٰ شائع کیا اور اسکے انعام میں جاگیر حاصل کی

غیر مقلّدین وہابیہ کے پیشوا محمد حسین بٹالوی نے سرکار انگریزی سے وفاداری کا ثبوت اس طرح دیا کہ جہاد کے منسوخ ہونے کا فتویٰ صادر کردیا اور دنیاوی مفاد کی خاطر قرآن وحدیث میں تحریف کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ اس کی مذموم جسارت میں دیگر غیر مقلّد مولوی بھی اس کے ہمنوا اور شریک تھے۔ مسعود عالم ندوی کا بیان ہے کہ " مولوی محمد حسین بٹالوی نے جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ " الاقتصاد فی مسائل الجہاد" فارسی زبان میں تصنیف فرمایا تھا اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع کرائے تھے مُعتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس معاوضے میں سرکارِ انگریزی سے انہیں جاگیر بھی ملی تھی۔" (حاشیہ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک صفحہ ۲۹)

نیز مسعود عالم ندوی' مولوی محمد حسین بٹالوی کی تصنیفات کے تعارف میں رقمطراز ہے۔

" الاقتصاد فی مسائل الجہاد" مصنفہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی (ف ۱۳۳۸ ہجری) اس رسالے میں جہاد کو منسوخ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ (مطبوعہ ۱۳۰۶ ھ ۱۸۰۸ ء) اُردو ، انگریزی اور عربی میں اس کے ترجمے بھی شائع ہوئے اور انگریزی اور اُردو ترجمے سر چارلس ایکسن اور سر جیمس لائل گورنران پنجاب کے نام معنون کئے گئے اس کی تالیف ۱۲۹۳ ھ میں علمائے عصر سے رائے لینے کے بعد ۱۲۹۶ھ میں رسالہ " اشاعۃُ السنّۃ" میں شائع کیا گیا (جلد ۲ نمبر ۱۱ ضمیمہ) پھر مزید مشورہ و تحقیق کے بعد ۱۳۰۶ھ میں باضابطہ کتابی صورت میں اس کی اشاعت ہوئی۔ اللہ مرحوم کی مغفرت کرے۔ اس کتاب پر انعام سے بھی سرفراز

ہوئے تھے۔ جماعت اہلِ حدیث کو فرقہ کی شکل دینے میں ان کا خاص حصّہ ہے اور یہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس سادہ لوح فرقے میں وفاداری کی خوبو پیدا کی نہ صرف یہ بلکہ دوسرے معاصر علماء کو سرکار کی مخالفت کے طعنے بھی دیئے۔ (ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک صفحہ ۲۱۲)۔

اس کے بعد

غیر مقلد وہابیہ کے امام نذیر حسین دہلوی کے انگریز کی وفاداری میں کارنامے

بھی ملاحظہ فرمائیے، مولوی نذیر حسین دہلوی کی سوانح عمری "الحیات بعد الممات" صفحہ ۱۲۵ میں ہے۔ "یہ بتا دینا ضروری ہے کہ میاں صاحب گورنمنٹ انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے، زمانۂ غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ دہلی کے بعض مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریز پر جہاد کا فتویٰ دیا تو میاں صاحب نے نہ اس پر دستخط کیا نہ مہر۔ وہ خود فرماتے تھے کہ "میاں وہ ہلڑ تھا بہادر شاہی نہ تھی وہ بیچارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا۔ بہادر شاہ کو بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے مگر وہ باغیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی ہو رہے تھے کرتے تو کیا کرتے" اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۴ پر ہے "ہندوستان کو ہمیشہ میاں صاحب دارالامان فرماتے تھے دارالحرب کبھی نہ کہا" نیز ملاحظہ ہو "عین حالتِ غدر میں جبکہ ایک ایک بچّہ انگریزوں کا دشمن ہو رہا تھا۔ مسز لیسنس ایک زخمی میم کو میاں صاحب (نذیر حسین) رات کے وقت اٹھوا کر اپنے گھر لے آئے، پناہ دی، علاج کیا، کھانا دیتے رہے، اس وقت اگر "ظالم باغیوں" کو ذری برابر خبر ہوجاتی تو آپ کے قتل اور خانماں بربادی میں مطلق دیر نہ لگتی مگر ساڑھے تین مہینہ تک کسی کو بھی معلوم نہ ہوا کہ حویلی کے مکان میں کَے آدمی ہیں۔ تین مہینوں کے بعد جب پُوری طرح امن قائم ہوچکا تب اس نیم جان میم کو جواب بالکل تندرست اور

توانا تھی انگریزی کیمپ میں پہنچادیا جس کے صلے میں مبلغ ایک ہزار تین سو روپیہ اور سارٹیفکٹیں ملیں۔" (الحیات بعد الممات صفحہ ۱۲۷)

ابھی اور دیکھئے "۱۳۰۰ ہجری میں جب میاں صاحب نے حج کا ارادہ مصمّم کرلیا تو کمشنر دہلی سے ملاقات کرکے حج بیتُ اللہ اور زیارتِ مدینۂ طیبہ و روضۂ مطہرہ سرورِ کائنات علیہ الصّلوٰۃ و السّلام کا ارادہ ظاہر کیا۔ کمشنر دہلی نے آپ کو ایک چھٹی مورخہ ۱۰ راگست ۱۸۸۳ء کو دی جس کا ترجمہ ہدیہ ناظرین ہے۔" آخر کار مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک مقتدر عالم ہیں جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے وہ اپنے فرض زیارتِ کعبہ کے ادا کرنے مکّہ جاتے ہیں میں اُمید کرتا ہوں کہ جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ مدد چاہیں گے وہ اُن کو مدد دے گا کیونکہ وہ کامل طور سے اس مدد کے مستحق ہیں۔

دستخط ، جے ڈی ٹریملٹ بنگال سروس کمشنر دہلی سپرنٹنڈنٹ ۱۸۸۳ - ۸ - ۱۰

شمسُ العلماء کا خطاب گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے ۲۲ رجون ۱۸۸۷ء مطابق ۱۲ رمحرم الحرام ۱۲۰۷ ھجری بروز سہ شنبہ کو ملا۔ (الحیات بعد الممات صفحہ ۱۷۰)

اس قدر دستاویزی ثبوت اور خود وہابیہ کے مستند حوالوں سے جب یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہابی مولوی ذاتی اور گروہی مفاد حاصل کرنے کے لئے ازاول تا آخر دشمنانِ اسلام کے وفادار لیکن ملّتِ اسلامیہ کے کھُلے دشمن رہے ہیں تو کسی مزید ثبوت کی کیا ضرورت باقی رہ جاتی ہے ناظرین بہ نظر انصاف خود فیصلہ کرسکتے ہیں۔ جن گندم نما جوٗ فروشوں نے مولوی ، مولانا اور نہ جانے کیا کیا کہلاتے ہوئے ملک و ملّت کے صریح دشمن غاصب انگریزوں کی وفاداری کو مقصود زندگی بنایا۔ کفّارِ برطانیہ کی حمایت میں اس قدر اندھے اور بے حس ہوگئے کہ نقد انعامات ، خطابات ، پروانہ ہائے خوشنودیٔ انگریز اور جاگیریں حاصل کرنے کی دُھن میں اپنے ملک سے غدّاری کی ۔ ملّتِ اسلامیہ کو دھوکہ دیا۔ انگریزوں کے خلاف لڑنے والے

حقیقی مجاہدین ملک و ملت کو ظالم اور باغی ٹھہرایا اور ستم بالائے ستم یہ کہ انگریزوں کے منظورِ نظر بننے کی خاطر قرآن مجید اور حدیث شریف کو ٹھکرایا اور کلامِ خدا اور رسولِ خدا میں تحریف کرکے جہاد کو منسوخ قرار دینے سے نہ شرمائے' اپنا دینِ اسلام و ایمان برباد کیا۔ان ہی پیٹ پرست دنیا کے طلبگاروں کو موجودہ وہابی ملک و ملت کے محسن راہنمایانِ اسلام اور تحریکِ آزادی کے مجاہد اور ہیرو قرار دیں تو ان کی یہ مذموم حرکت حق وصداقت کا منہ چڑانے اور تاریخ کو مسخ کرنے کے مترادف ہے یا نہیں ؟ تاریخ گواہ ہے کہ وہابی صاحبان ہر دَور میں محض دنیاوی مقاصد اور ذاتی و گروہی مفاد حاصل کرنے کی خاطر ہمیشہ شترِ بے مہار رہے ہیں اسلام کا نام لے لے کر اسلام اور مسلمانوں کی تخریب ان کا طرۂ امتیاز ہے۔

لیجے اب آپ

غیر مقلّد وہابیہ کے ایک اور بڑے پیشوا نواب صدیق حسن خان بھوپالی کی انگریز پرستی

ملاحظہ فرمائیں' خود نواب صدیق حسن خان بھوپالی کا بیان ہے۔" میں تیس سال کامل سے متوسل و متوطن اس ریاست بھوپال کا ہوں اور ہمیشہ معزّز و مکرم رہا۔ رئیسہ معظمہ (بھوپال) نے زوجیت سے مجھے عزت و افتخار بخشا اور یہ امر بہ اطلاع گورنمنٹ عالیہ و حسب مرضی سرکار انگلشیہ ظہور میں آیا اور چوبیس ہزار روپیہ سالانہ اور خطاب" معتمد المہامی" سے سرفرازی ہوئی حکام عالی منزلت یعنی کار پردازان دولت انگلشیہ کو تجربہ اس ریاست کی خیرخواہی اور وفاداری کا عموماً اور اس بے صوات دولت (صدیق حسن) کا خصوصاً ہوچکا ہے۔" (ترجمان وہابیہ ۱۸۔ ۵۵)

دین پر دُنیا کو ترجیح دینے والے وہابیوں کے پیشوانواب صدیق حسن خان نے بھی انگریزوں کی مزید خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر" جہاد" کو ناجائز اور

حرام ثابت کرنے کے لئے قرآن و حدیث میں تحریف فرمائی اور پھر دیکھئے تو سہی کہ اپنی اس ناپاک حرکت کا کس فخر کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ " زمانۂ غدر میں جو لوگ سرکار انگریزی سے لڑے اور عہد شکنی کی وہ جہاد نہ تھا فساد تھا۔ ہم نے اپنی کتاب " ہدایۃ المسائل " میں اولاً اور کتاب " روض خصیب " میں ثانیاً اور بڑا گناہ ہونا عہد شکنی کا اور جائز نہ ہونا جہاد کا ہندوستان میں کتاب " عوائد العائد " میں ثالثاً اور حال وہابیوں کا تواریخ علماء عیسوی سے کتاب " تاج مکلل " میں رابعاً لکھا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ بغاوت جو ہندوستان میں بہ زمانۂ غدر ہوئی، اس کا نام جہاد رکھنا ان لوگوں کا کام ہے جو اصل دین اسلام سے آگاہ نہیں ہیں اور ملک میں فساد ڈالنا اور امن کا اٹھانا چاہتے ہیں۔" (ملخصاً ترجمان وہابیہ صفحہ ۱۰۶)

ناظرین اچھی طرح دیکھ لیں کہ نواب صاحب موصوف بھی دیگر جملہ وہابیوں کی طرح ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کو فساد، غدر اور بغاوت قرار دے کر ملک وملت کی آزادی کی خاطر لڑنے والے حقیقی مجاہدین کو اسلام سے ہی بے خبر بتا رہے ہیں لیکن خود قرآن و حدیث میں تحریف کر کے جہاد کو ناجائز ٹھہرانے کے باوجود دین اسلام کے سمجھنے والے اسلام کے علمبردار بنتے ہیں ؏

بر عکس نہند نام زنگی کافور

اگرچہ غیر مقلد وہابیوں کے دینی وسیاسی کردار اور ان کے شرمناک کرتوت کے ثبوت کے لئے مندرجہ بالا حوالاجات کافی ہیں تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے متعلق چند مزید حقائق پیش کردئے جائیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ ابن الوقت وہابیوں کے مذہب کا اصول ہی یہ ہے کہ

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

چنانچہ جس زمانے میں انگریزوں کا طوطی بول رہا تھا اُن دنوں یہ وہابی مولوی انگریزی اقتدار کے استحکام کی خاطر ہزاروں ہزار پاپڑ بیلتے رہے اور

حکومت برطانیہ کی وفاداری میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگے رہے لیکن جب ملک میں کانگریس اور مسلم لیگ کی بدولت تحریک آزادی نے زور پکڑا اور انگریز کا اقتدار رخصت ہوتا دکھائی دیا تو وہابیوں نے انگریزوں سے طوطا چشمی کرنے میں ذرا دیر نہ لگائی۔ مگر لطف کی بات یہ ہے کہ انہوں نے فرنگی کی گود سے نکل کر پھر بھی مسلمانوں کے دشمن ہندوؤں کی گود میں بیٹھ جانے کو ترجیح دی۔ ایسے نازک ترین وقت میں مسلم لیگ کا ساتھ دینے کے بجائے انہوں نے ہندو کانگریس کا ساتھ دیا اور انگریزوں کی جگہ گاندھی نہرو اور پٹیل وغیرہ ہندو لیڈروں کے منظورِ نظر بننے کی دوڑ میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش میں لگ گئے۔ ان لوگوں نے تحریکِ پاکستان کو ناکام بنانے کے لئے ایڑی چوٹی کا سارا زور لگادیا مثال کے طور پر

غیر مقلد وہابی مولوی داؤد غزنوی

سابق صدر۔ جمعیت اہلِ حدیث کی کانگریس نوازی

ملاحظہ ہو' یہ شخص بھی دوسرے وہابی مولویوں کی طرح قیام پاکستان کا سخت مخالف اور مشہور احراری لیڈر تھا۔ ۲۹ نومبر ۱۹۴۰ء کو انہوں نے اخباروں میں ایک بیان شائع کرایا۔ جس میں احرار کے اس فیصلہ کا اعلان کیا کہ وہ اپنے آپ کو کانگریس میں جذب کردیں گے (رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۱۰)۔

مشہور مؤرخ و ادیب ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی لکھتے ہیں۔ "جو قوم داؤد غزنوی کو تحریکِ پاکستان کا مجاہد کہتی ہے اسے تاریخ لکھنے یا لکھوانے کا کوئی حق نہیں۔ ممکن ہے آپ کہیں کہ مرے ہوؤں کا ذکر اچھے انداز میں کرنا چاہیئے تو جناب تاریخ تو مرے ہوؤں کے اعمال و کردار ہی کے ذکر سے بھری ہوتی ہے اگر ہم نے مرے ہوؤں کے ذکر سے زبان بند کرلی تو تاریخ نویسی کیسے ہوگی۔ کاش آج حمید نظامی ہوتے تو آپ کو بتاتے کہ داؤد غزنوی کا رول کیا تھا ع۔

کسی بُت کدے میں کروں بیان تو کہے صنم بھی ہری ہری

دیانت و امانت اور کیریکٹر کے اعتبار سے داؤد غزنوی تو خضر حیات ٹوانہ کے بھی جُوتے سیدھے کرنے کے اہل نہ تھے۔ (روزنامہ نوائے وقت' مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۶۳ء)۔

اب اس کے بعد

جمعیت اہلِ حدیث کے امیر

مولوی محمد اسمٰعیل سلفی کی کانگریس نوازی

بھی ملاحظہ ہو" یہ بھی کانگریس کی حمایت اور قیامِ پاکستان کی مخالفت میں پیش پیش تھے کانگریسی ہندوؤں کے ساتھ ان کے گہرے تعلّقات تھے اور یہ ان کے اجلاس وجلوس میں بڑی فراخدلی سے شریک ہوا کرتے تھے اور اپنے کانگریسی نظریات میں اتنے متشدّد تھے کہ اس بارے میں انہوں نے اپنے اُستاد وبزرگ مولوی محمدؐ ابراہیم سیالکوٹی کو بھی چنداں اہمیت نہ دی۔ مولوی محمد ابراہیم نے متعدد مرتبہ برسرِ اجلاس مولوی اسماعیل صاحب کو سمجھاتے ہوئے کانگریس کی حمایت سے روکا اور اپنے ساتھ تبادلۂ خیال کی دعوت دی لیکن گوجرانوالہ کے کانگریسی مولوی صاحب نے اپنے اُستادِ محترم کی ایک نہ سنی۔

مولوی اسماعیل صاحب کی کانگریسی ذہنیت کا اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کہ کانگریس کے مشہور ہندو لیڈر سبھاش چندر بوس کی موت پر کانگریس نے ماتمی جلسہ منعقد کیا اور اپنے مُردہ لیڈر کے اعزاز میں کرسیٔ صدارت کو خالی رکھا بلکہ ایک روایت کے مطابق اس پر سبھاش چندر بوس کی تصویر رکھی۔ اسکے باوجود مولوی اسماعیل صاحب پُورے اہتمام سے شریک اجلاس ہوئے۔ ہندوؤں کے غائبانہ مُردہ لیڈر یا اس کی تصویر کی صدارت میں تقریر کی جس میں سبھاش چندر بوس کی مدح و ستائش کرکے اس کو خراجِ عقیدت پیش کیا اور کانگریس کی

زبردست حمایت کی۔

الاعتصام کی شہادت

جمعیتہ اہلحدیث غزنوی غیر مقلدین کا ترجمان " الاعتصام " ۱۴ر جولائی ۱۹۶۷ء کی اشاعت میں لکھتا ہے "کیا تحریکِ خلافت اور کانگریس سے مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا داؤد غزنوی اور مولانا محمد اسماعیل سلفی وغیرہم کے نام محو کئے جاسکتے ہیں" (یعنی ہرگز نہیں[۱]) ثابت ہوا کہ یہ وہابی صاحبان اتنے ڈھیٹ ہیں کہ قیامِ پاکستان کے بیس سال بعد بھی اپنے کانگریسی ہونے اور تحریک پاکستان کی مخالفت کرنے پر علی الاعلان فخر کرتے ہیں۔

پاکستان میں آکر پناہ لینے اور جائدادیں حاصل کرچکنے کے باوجود ان کے دلوں میں ہندو کانگریس کی یاد چٹکیاں لیتی رہتی ہے۔ انہیں اپنے افسوسناک کردار، پاکستان کی مخالفت، ہندوؤں کی حمایت، گاندھی کی پیروی اور کانگریس کی وفاداری پر آج بھی کچھ ندامت محسوس نہیں ہوتی۔ لاحول ولا قوہ اِلّا باللہ

ناظرین گروہ مقلدین کے حالات و کوائف دیکھ چکنے کے بعد اب۔

دیوبندی وہابی مولویوں کی ملک و ملّت سے غدّاری انگریزوں کی وفاداری اور برٹش گورنمنٹ پر جذبۂ جاں نثاری۔

ناقابلِ تردید حقائق کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔ واضح رہے کہ غیر مقلد وہابی اور دیوبندی وہابی بظاہر مختلف نظر آتے ہیں مگر حقیقتاً متحد بہ صورت یک جان دو قالب ہیں۔ شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں۔ "مولانا سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید کی وفات کے بعد یہ اختلاف مسلک بہت نمایاں ہوگیا۔ مولانا کے کئی معتقدوں کو نجدی اور یمنی راہنماؤں اور ان کے خیالات سے زیادہ واقفیت

---

[۱] ملاحظہ ہو رسالہ "رضائے مصطفےٰ" گوجرانوالہ شمارہ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۸۷ھ

ہوئی۔ اور انھوں نے ان کا اتّباع اختیار کرلیا اور غیر مقلّد یا اہلِ حدیث یا وہابی مشہور ہوئے۔ لیکن مدرسۂ دیوبند کے بانیوں نے جن کا سلسلہ فیض بھی مولانا سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل شہید تک پہنچتا تھا۔ مسلک ولی اللّٰہی کی پیروی کی اور اپنے آپ کو حنفیوں سے علیٰحدہ نہ کیا۔ (موجِ کوثر صفحہ ۶۵۔)

نیز مسعود عالم ندوی کا بیان ہے کہ "اہلِ دیوبند (جو پکّے حنفی ہیں) کا ایک اچھا خاصا طبقہ سید شہید کے مشروب و مسلک پر چلنا اپنے لئے سرمایۂ سعادت سمجھتا

۱؎ گذشتہ اوراق میں شاہ ولی اللہ صاحب کے سُنّی، حنفی یا غیر مقلد وہابی ہونے کی تحقیق گذر چکی ہے۔ تاہم مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر مزید وضاحت کردی جائے۔ شیخ محمد اکرام صاحب لکھتے ہیں۔ "نظری طور پر تو شاہ صاحب یقیناً غیر مقلّد تھے لیکن اس امر کی بھی کوئی شہادت نہیں کہ جن عملی باتوں میں آج اہل حدیث احناف سے اختلاف کرتے ہیں ان میں انھوں نے اپنے حنفی ہم وطنوں سے علیٰحدگی اختیار کی ہو۔ آمین بالجہر پر تو یقیناً ان کا عمل نہ تھا۔ تراجم علمائے اہلِ حدیث ہند میں شاہ محمد فاخر زائر الٰہ آبادی کا واقعہ لکھا ہے جو اس زمانے کے عامل بالحدیث عالِم تھے۔ حضرت زائر دہلی تشریف لائے۔ جامع مسجد میں ایک نماز جہری میں باآواز آمین کہہ ڈالی۔ دہلی میں یہ پہلا حادثہ تھا۔ عوام برداشت نہ کرسکے، جب آپ کو گھیر لیا تو فرمایا اس سے فائدہ نہ ہوگا۔ تمھارے شہر میں جو سب سے بڑا عالِم ہو اس سے دریافت کرو۔ لوگ آپ کو حجۃ اللہ شاہ ولی اللہ صاحب کی خدمت میں لے گئے۔ دریافت پر آپ نے فرمایا کہ حدیث سے باآواز آمین کہنا ثابت ہے مجمع یہ سُن کر چھٹ گیا۔ اب صِرف مولانا محمد فاخر زائر اور حضرت شاہ صاحب بصورت قران السعدین باقی تھے۔ شاہ محمد فاخر نے عرض کیا آپ کُھلیں گے کب؟ فرمایا۔ اگر کُھل گیا ہوتا تو آج آپ کو کیسے بچا لیتا۔" (موج کوثر صفحہ ۶۲۔۶۳۔)

ہے اہل دیوبند اور جماعت اہل حدیث کے علاوہ بھی سمجھدار مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد[1] سید صاحب اور مولانا شہید کے مشرب و مسلک کو عین اسلام تصوّر کرتی ہے اور یہ تمام طبقے عرف عام کے مطابق "وہابی" کی فہرست میں آتے ہیں۔"

(ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک صفحہ ۳۰۔)

مسعود عالم ندوی کہتا ہے کہ یہ تمام طبقے عرف عام کے مطابق وہابی کی فہرست میں آتے ہیں مگر میں یہ کہتا ہوں کہ یہ تمام طبقے عرف عام کے مطابق نہیں۔ بلکہ واقعتاً اور حقیقتاً وہابی ہیں۔ اس لئے یہ تمام طبقے سید احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی مشرب و مسلک کو عین اسلام تصور کرتے اور ان کے مشرب و مسلک پہ چلنا اپنے لئے سرمایۂ سعادت سمجھتے ہیں اور سید احمد اور اسماعیل دہلوی کا اصل وہابی ہونا روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ اس کے علاوہ ان تمام طبقوں کے باہمی فقہی و فروعی اختلافات کے باوجود ان کے عقائد و نظریات اور دینی و سیاسی کردار پر نظر ڈالی جائے تو یہ تمام طبقے ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ثابت ہوتے ہیں۔

ناظرین اس کے ثبوت میں منجملہ دیگر حقائق کے

دیوبندی وہابیہ کے مفتیٔ اعظم رشید احمد گنگوہی کا فتوی

بھی ملاحظہ فرمائیں انشاءاللہ تسلّی ہوجائے گی فرماتے ہیں۔" محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں۔ ان کے عقائد عمدہ تھے اور مذہب ان کا حنبلی تھا البتہ ان کے مزاج میں شدّت تھی۔ مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں مگر ہاں جو حد سے بڑھ گئے ان میں فساد آگیا اور عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی کا ہے۔" (فتاویٰ رشیدیہ کامل صفحہ ۲۳۵۔)

نیز ان تمام طبقوں کے وہابی الاصل ہونے کا یہ ثبوت بھی کیا کم ہے یہ تمام طبقے ہندو پاکستان میں ابوالوہابیہ محمد اسماعیل دہلوی کی ان تصنیفات کی نشرو اشاعت

---

[1] یعنی وہابیوں کے سارے گروہ۔ (مؤلف)

میں شب و روز منہمک ہیں جن میں ابن عبدالوہاب نجدی کے عقائد و نظریات کی بھرمار ہے اور محبوبِ خُدا محمد مصطفی صلّی اللہ علیہ و سلّم اور اولیاء اللہ کی شان میں صراحتاً تنقیص و توہین آمیز کفریہ عبارتیں بھری ہیں اور ان عبارتوں کو دیکھ کر اہل ایمان کے کلیجے شق ہوتے ہیں۔ مگر یہ تمام طبقے ان کتابوں کے پڑھنے پڑھانے اور ان پر عمل کرنے کو عین اسلام اور موجب اجر جانتے ہیں۔ ان کے مؤلّف کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

دیوبندی مفتی رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں۔ "کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ اور سچی کتاب اور موجب قوت و اصلاحِ ایمان کی ہے اور قرآن و حدیث کا مطلب پُورا اِس میں ہے اس کا مؤلف ایک مقبول بندہ تھا۔ نیز فرماتے ہیں" کتاب تقویۃ الایمان نہایت عمدہ کتاب ہے اور رَدِّ شرک و بدعت میں لاجواب ہے۔ استدلال اس کے کتاب اللہ اور احادیث سے ہیں۔ اس کا رکھنا اور پڑھنا اور عمل کرنا عین اسلام ہے اور موجبِ اجر ہے"۔ نیز مولوی اسماعیل دہلوی کی شان میں یوں قصیدہ خوانی فرماتے ہیں"۔ مولوی محمد اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ عالِم متقی اور بدعت کے اکھاڑنے والے اور سنّت کے جاری کرنے والے اور قرآن وحدیث پر پُورا عمل کرنے والے اور خلق اللہ کو ہدایت کرنے والے تھے۔"

(فتاویٰ رشیدیہ کامل صفحہ ۱۴۱۔)

اس کے علاوہ دوسری کتب وہابیہ مثلاً کتاب التوحید۔ صراط مستقیم۔ براہین قاطعہ، فتاویٰ رشیدیہ اور حفظ الایمان وغیرہ عقائد وہابیہ اور خرافات سے پُر ہیں اور وہابیہ کے تمام طبقے ان پر یکساں ایمان رکھتے ہیں۔

دیوبند مولویوں کی بدحواسیاں

قابلِ دید ہیں، جب علمائے اہلِ سنّت نے اُن کے عقائد باطلہ پر گرفت کی اور ان کی کفریہ عبارتوں کی بناء پر انہیں ضال و مضل قرار دے کر ان کی وہابیت

کو طشت از بام کیا نیز علمائے حرمین طیبین نے ان کی کفریہ عبارتوں پر فتوائے کفر صادر فرمایا[۱] تو یہ نام نہاد حنفی دیوبندی وہابی بوکھلا اٹھے اور اس قدر بدحواس ہوئے کہ اپنے فتاویٰ کو پسِ پشت رکھ کر بڑے جوش و خروش سے پروپیگنڈہ شروع کردیا کہ دیکھو جی ہم تو اہلِ سنّت و جماعت ہیں ہم امام اعظم رحمۃ اللّٰہ علیہ کے مقلّد اور فقہ حنفیہ پر عامل ہیں۔ ہمیں خواہ مخواہ وہابی کہہ کر بدنام کیا جارہا ہے نیز یہ کہ ہمارے عقائد ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین وہابیہ کے عقائد سے مختلف ہیں۔

الغرض محض پروپیگنڈہ اور غلط بیانی کے زور سے اپنی پیشانی سے وہابیت کے داغ کو دھو ڈالنے کی کوشش میں لگ گئے۔ مگر انہیں جرأت نہ ہوئی کہ وہ یہ اعلان بھی کردیں کہ ہمارے مفتی اعظم رشید گنگوہی یا جس کسی نے بھی ابن عبدالوہاب نجدی کو حق پر سمجھا کہا یا لکھا، اس کے عقائد سے متحد ہونے کا فتویٰ دیا ہے، ہم اسے گمراہ سمجھتے ہیں اور اس سے بیزار و بری ہیں نیز ہمارے مولویوں کی جن کفریہ عبارتوں سے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام اور اولیاء اللّٰہ کی شان میں توہین و تنقیص ہوتی ہے، ہم ان عبارتوں کو اپنی کتابوں سے خارج کرکے بارگاہ ربُّ العزّت میں توبہ کرتے ہیں۔ مگر یہ تو تب ہوتا جبکہ یہ لوگ حقیقتاً وہابی نہ ہوتے ہاں انہوں نے اگر کچھ کیا بھی تو صرف یہ کہ ایک طرف تو انہوں نے اپنی جماعت کے وہابیت سے اتحاد، عقائد وہابیہ اور کفریہ عبارتوں کو صحیح اور درست سمجھتے ہوئے برقرار رکھا مگر دوسری طرف لوگوں کو مغالطہ دینے کی خاطر تردید وہابیہ میں مضامین و رسائل شائع کرنے شروع کردیئے۔

ان مضامین میں ابن عبدالوہاب نجدی اور وہابیوں کو بُرا بھلا کہا گیا اور

---

[۱] وہابیہ کی کفریہ عبارتوں پر علمائے مکّہ و مدینہ کے فتاویٰ کا مجموعہ "حسام الحرمین" ملاحظہ فرمائیے۔ مؤلّف۔

وہابیہ کے عقائد کی تردید کی گئی تاکہ عوام یہ دیکھ کر کہ یہ لوگ تو ابن عبدالوہاب نجدی اور وہابیوں کو بُرا سمجھتے اور عقائد وہابیہ کی تردید کرتے ہیں انہیں اہلِ سنّت و جماعت سمجھنے لگ جائیں۔ چنانچہ دیو بند کے صدر المدرسین مولوی حسین احمد صاحب مدنی نے ایک رسالہ بنام "شہاب ثاقب" لکھا ہے۔ اس میں انھوں نے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے ہم ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین وہابیہ کے عقائد کو غلط اور قرآن و حدیث کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ہم ان کے عقائد سے متحد نہیں بلکہ مخالف ہیں اور بار بار وہابیوں کو وہابیہ خبیثہ وغیرہ سخت الفاظ سے نوازا ہے تاکہ پڑھنے والوں کو یقین آجائے کہ یہ تو واقعی وہابیوں کے سخت خلاف ہیں۔ المختصر بدحواسی کے عالم میں دیوبندی مولویوں نے دھڑا دھڑ وہابیوں کے خلاف فتوے داغنے شروع کر دیئے لیجئے دیکھتے جائیے۔

ابن عبدالوہاب نجدی کے خلاف مولوی حسین احمد مدنی کا فتویٰ!

ملاحظہ ہو "صاحبو محمد بن عبدالوہاب نجدی ابتداءً تیرھویں صدی ھجری میں نجد عرب سے ظاہر ہوا اور چونکہ۔

خیالاتِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ رکھتا تھا اس لئے اس نے اہل سنّت و جماعت سے قتل و قتال کیا ان کو بالجبر اپنے خیالات کی تکلیف دیتا رہا اور ان کے اموال کو غنیمت کا مال اور حلال سمجھتا رہا۔ ان کے قتل کرنے کو باعث ثواب و رحمت شمار کرتا رہا۔ اہلِ حرمین کو خصوصاً اور اہل حجاز کو عموماً اس نے تکلیف شاقہ پہنچائیں۔ سلف صالحین اور اتباع کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے بہت سے لوگوں کو بوجہ اس کی تکلیف شدیدہ کے مدینہ منوّرہ اور مکّہ معظمہ چھوڑنا پڑا اور ہزاروں آدمی اس کے اور اس کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ الحاصل وہ ایک ظالم و باغی خونخوار فاسق شخص تھا اسی وجہ سے اہلِ عرب کو خصوصاً اس کے اور اس کے اتباع سے دلی بغض تھا اور ہے، اور اس قدر ہے

کہ اتنا قوم یہود سے ہے نہ نصاریٰ سے، نہ مجوس سے، نہ ہنود سے۔ غرض یہ کہ وجوہات مذکورۃ الصدر کی وجہ سے ان کو اس کے طائفہ سے اعلیٰ درجہ کی عداوت ہے اور بے شک جب اس نے ایسی ایسی تکالیف دی ہیں تو ضرور ہونا بھی چاہیئے۔ (شہاب ثاقب صفحہ ۱۴۲) اور دیکھئے۔

ابن عبدالوہاب نجدی کے خلاف دیوبند کے شیخ الحدیث محمد انور کشمیری کا فتویٰ

مقدمہ فیض الباری میں لکھتے ہیں۔ "اما محمد بن عبدالوهاب النجدی فانه کان رجلا بلیداً قلیل العلم فکان یسارع الی الحکم بالکفر۔"

یعنی "محمد بن عبدالوہاب نجدی ایک احمق اور کم علم شخص تھا اور اس لئے کفر کا حکم لگانے میں اسے کچھ باک نہ تھا۔" اس کے علاوہ دیوبندیوں کے رئیس المحدثین مولوی خلیل احمد نے بھی ایک رسالہ **المھند علی المفنّد** لکھا۔ جس میں اس نے ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کی جماعت کو خارجی اور باغی ثابت کر کے اپنے مولویوں کی کفریہ عبارتوں کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش میں دوراز کار تاویلات کا سہارا لیتے ہوئے یہ واضح کرنا چاہا ہے کہ ہم تو بے گناہ اور بے قصور ہیں۔ ہمارا عقائد وہابیہ سے کوئی تعلق نہیں اور اس کے آخر میں چوبیس دیوبندی مولویوں کی تصدیقات ہیں۔ اس رسالہ میں

ابن عبدالوہاب نجدی کے خلاف مولوی خلیل احمد اور دیگر چوبیس دیوبندی مولویوں کا متفقہ فتویٰ

ملاحظہ فرمائیے۔ ہمارے نزدیک اس کا حکم وہی ہے جو صاحب "دُرِّ مختار" نے فرمایا ہے اور خوارج ایک جماعت ہے۔ شوکت والی جنہوں نے امام[1] پر چڑھائی کی

---

[1] امام سے مراد امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہٗ ہیں (مؤلف)

تھی تاویل سے کہ امام کو باطل یعنی کفر یا ایسی معصیت کا مرتکب سمجھتے تھے۔ جو قتال کو واجب کرتی ہے۔ اس تاویل سے یہ لوگ ہمارے جان و مال کو حلال سمجھتے اور ہماری عورتوں کو قیدی بناتے ہیں۔" اس کے آگے فرماتے ہیں۔ "ان کا حکم باغیوں کا ہے۔" پھر لکھا ہے "کہ ہم ان کی تکفیر صرف اس لئے نہیں کرتے کہ یہ فعلِ تاویل سے ہے اگرچہ باطل ہی سہی" الخ۔ (شہاب ثاقب۔)

دیوبندی مولویوں کے ان فتاویٰ میں ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کی جماعت کو وہابی کہا گیا۔ باغی قرار دیا گیا اور خارجی شمار کیا گیا۔ ان کے بے پناہ مظالم کا بیان کیا گیا اس کے ظالم "باغی" خونخوار اور فاسق ہونے کا فتویٰ صادر کیا گیا اور برملا اعلان کیا گیا ہے کہ اس کے عقائد فاسد اور خیالات باطل تھے مگر اپنے اسماعیل دہلوی کے خلاف ایک حرف نہ لکھ سکے۔ جس نے عبدالوہاب نجدی کے عقائدِ فاسدہ اور خیالاتِ باطلہ کو نہ صرف یہ کہ خود قبول کیا بلکہ سید احمد رائے بریلوی کے اشتراک سے وہابیوں کی تنظیم کی اور شیخ نجدی کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اہل سنّت و جماعت کو مشرک و کافر ٹھہرایا۔ عقائد وہابیہ کی نشرواشاعت کی۔ شیخ نجدی کی کتاب التوحید کا خلاصہ تقویۃ الایمان کے نام سے لکھ کر بابائے وہابیت ہونے کا شرف حاصل کیا اور مسلمان پٹھانوں کے خلاف جہاد کر کے روایاتِ وہابیہ کو ازسرِنو زندہ کیا اور پھر نہ ہی ان دیوبندی مولویوں نے اپنے مفتی اعظم رشید احمد گنگوہی اور اس کے ناپاک فتاویٰ کے خلاف کوئی لفظ یا حرف زبان و قلم سے نکالا۔ جس نے تصریح کی کہ ابن عبدالوہاب نجدی کے عقائد عمدہ تھے اسے اور اس کے متبعین وہابیہ کے اور ہمارے عقائد متحد ہیں اس نے اپنے فتاویٰ میں اسماعیل دہلوی کی مدح سرائی کی حتیٰ کہ جن علمائے اہل سنّت نے اسماعیل دہلوی کے عقائد کی تردید کی رشید احمد گنگوہی نے ان علمائے اہلِ سنّت کو سخت فاسق، کفر کے قریب، بد زبان، بدعتی اور ملعون کہہ کر اپنے کٹر وہابی ہونے پر مہر تصدیق کر دی

تھی۔ دیکھئے کہ رشید احمد گنگوہی کا فتویٰ ہے، بہر حال یہ لوگ مولوی اسماعیل کے طعن کرنے والے ملعون ہیں۔ (فتاویٰ رشیدیہ کامل صفحہ ۴۲۔)

دیوبندی مولویوں کی یہ عجیب منطق ہے۔ اگر یہ خود ابن عبدالوہاب نجدی کو گالیوں سے نوازیں اس کے اور اس کے متبعین کے عقائد کی تردید کریں تو حق پرست اور دین دار ٹھہریں مگر جب علمائے اہل سنّت و جماعت ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین سید احمد رائے بریلوی، اسماعیل دہلوی اور دیگر وہابیہ کی تردید کریں تو یہی دیوبندی مولوی سیخ پا ہوجائیں اور علمائے اہل سنّت کو مردود اور ملعون ٹھہرائیں۔

ناظرین غور فرمائیں کہ ان کے اس طرز عمل میں کون سا راز پنہاں ہے جس کے انکشاف کے خوف سے اس قدر لرزہ براندام اور جامے سے باہر ہوجاتے ہیں۔ حق و انصاف کا تقاضہ تو یہ ہے کہ جن عقائد و اعمال کی وجہ سے انہوں نے ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے متبعین کی تردید کی ہے، تو جو شخص بھی ان عقائد کو قبول کرے اور انہی اعمال کا مرتکب ہو یہ لوگ اس کی بھی تردید کریں اور اس پر بھی وہی حکم لگائیں جو وہ ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے ساتھیوں پر لگاتے ہیں۔ پھر خواہ سید احمد رائے بریلوی ہو۔ اسماعیل دہلوی ہو۔ رشید احمد گنگوہی ہو یا اور کوئی بھی ہو۔ مگر یہ عجیب تماشا ہے کہ دیوبندی مولویوں کے نزدیک ایک جرم کا مرتکب اگر "زید" ہو تو مجرم اور سزا وار ٹھہرے اور اگر وہی جرم "بکر" کرے تو وہ خُدا کا مقبول بندہ اور لائق انعام و تکریم قرار پائے۔ تو ان کے اس طرز عمل میں راز یہ ہے کہ دیوبندی صاحبان ہیں تو حقیقتاً پکّے وہابی مگر حالات کے تحت اپنا وہابی پن ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتے۔ جس طرح نجدی وہابیہ نے خود کو مصلحتاً حنبلی ظاہر کیا اسی طرح یہ لوگ خود کو "حنفی" ظاہر کرتے ہیں اور یہی وہ حقیقت ہے جو دیوبندیوں کے مفتی اعظم رشید احمد گنگوہی کے فتوؤں

سے ظاہر ہے۔ عقائد سب کے متحد ہیں۔ اعمال میں فرق حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی کا ہے۔(فتاویٰ رشیدیہ کامل صفحہ ۲۳۵۔)

یہی صاحب ایک دوسرے فتویٰ میں فرماتے ہیں۔"عقائد میں سب متحد مقلّد غیر مقلّد ہیں۔ البتہ اعمال مختلف ہوتے ہیں۔" (فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۱۸۵۔)

تو راز یہ کھُلا کہ دیوبندی صاحبان بھی اگرچہ ہیں تو اصل میں وہابی ہی مگر چونکہ وہابیت سخت بدنام ہوچکی ہے لہذا اپنے وہابیت پر کوئی نہ کوئی نقاب ڈالنا ضروری ٹھہرا۔ جب کہ غیر مقلّدین اپنی وہابیت پر "اہلِ حدیث" کا پردہ ڈال چکے اور وہابیہ کے دیگر گروہ بھی ندوی۔ احراری۔ تبلیغی اور جماعت اسلامی وغیرہ مختلف لباسوں میں ملبوس ہیں۔ تو پھر دیوبندی وہابی حنفیت کا چولا کیوں نہ پہنیں۔ عوام کی نفرت کا شکار کیوں بنیں۔ اس لئے کہ مطلب تو کام سے ہے نہ کہ نام سے، پس اگرچہ وہابیہ کے گروہ مختلف ناموں سے موسوم و مشہور ہوچکے ہیں تاہم سب کا مشن ایک ہے۔ عقائد مقاصد اور کردار میں سب متحد و مشترک ہیں۔ وہابیہ کے دوسرے گروہ اگر مسلمانانِ اہل سنّت و جماعت کے دشمن ملّتِ اسلامیہ کے مخالف اور دنیاوی مفادات کی خاطر دشمن اسلام انگریز کے وفادار و جانثار رہے ہیں تو دیوبندی صاحبان بھی ان سے پیچھے نہیں رہے۔ انہوں نے بھی انگریزوں کی حکومت کو "اپنی رحم دل گورنمنٹ" ہی سمجھا اور برطانوی اقتدار کو اپنے لئے "امن و عافیت" کا موجب جان کر قدر کی نگاہ سے دیکھتے رہے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ برٹش گورنمنٹ کی مخالفت کو بغاوت اور استحکام حکومت برطانیہ کی خاطر لڑ کر مرجانے کو شہادت قرار دیتے رہے ہیں۔ دیوبندی صاحبان کی کتابیں گواہ ہیں کہ دیگر وہابیہ کی طرح دیوبندی مولوی بھی ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے مخالف اور انگریز کی حمایت میں مجاہدین کے خلاف لڑتے بھی رہے دیوبندی مولوی عاشق الٰہی مولوی رشید احمد گنگوہی کی سوانحعمری میں لکھتا

ہے "جن کے سروں پر موت کھیل رہی تھی انہوں نے "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نگاہ سے نہ دیکھا اور اپنی رحمدل گورنمنٹ (برطانیہ) کے سامنے بغاوت کا عَلَم قائم کیا۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۷۳، حصہ اول۔)

نیز مولوی رشید احمد گنگوہی کے حقیقی ماموں اور خسر مولوی محمد نقی کے متعلق لکھا ہے "مولانا ممدوح جھجھر کی ریاست میں فوجی ملازم تھے اور آقا کے جاں نثار، خیر خواہ، ایّام غدر میں آپ مفسدین کے ساتھ نہ تھے بلکہ اس جماعت میں تھے جس کے غنیم (یعنی مجاہدین آزادی) سے لڑنے کی غرض سے دو حصے کردیئے گئے تھے۔ کہ ایک دستہ آج میدان جنگ میں جائے تو کل کو دوسرا۔ آپ بہ لحاظ تقسیم ایک گروہ میں منقسم ہوئے تھے مگر شوقِ شہادت اور سرکار کے جاں نثاری میں مقتول ہوجانے کی تمنا آپ پر اس درجہ غالب تھی کہ ہر دو گروہ میں شریک ہوتے اور روزانہ میدان جنگ میں چلے آیا کرتے تھے۔ دل اشتیاقِ وصال میں بیتاب ہوتا تھا اور قلب انتظارِ حصولِ لقاء میں بے چین، دن بھر اسی جستجو میں تلوار کے قبضہ پر قبضہ کئے گھوڑے پر سوار بھاگتے دوڑتے باغیوں کو مارتے گزر جاتے اور شام کو بے نیل و مرام خیمہ گاہ پر واپس آتے تو افسوس کرتے اور بعض وقت رو بھی دیتے تھے کہ ہائے یہ ناکارہ جان منظوریٔ محبوب کے قابل نہیں ہے۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۳۸ جلد ۱۔)

ناظرین دیوبندی مولویوں کی اس گھٹیا ذہنیّت کا اندازہ فرمائیں جو ان کی تحریر سے ظاہر ہے۔ پھر اس کے آگے لکھا ہے۔ "بجلی کی طرح کوندتے اور پھُرتی کے ساتھ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر نکل جاتے تھے۔ یکے بعد دیگرے دو باغیوں کو قتل کیا اور تیسرے کے چہرے پر چھرّے کا نشانہ لگایا۔ بندوق کا فیر ہونا اور گولی کا نکل کر چلنا تھا کہ خود بھی چِلّا اٹھے اور سفرِ آخرت کا تہیّہ کردیا پھر لکھا ہے۔ "مولانا شہید" کا مزار دہلی میں پیش قلعہ پُرانی سنہری مسجد کے شمالی جانب

پہلو میں ہے۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۳۸۔)

اسی سلسلہ میں

مولوی رشید احمد گنگوہی اور بانیٔ مدرسہ دیوبند مولوی قاسم نانوتوی کا انگریز کی حمایت میں جذبۂ جاں نثاری

بھی قابل دید ہے "ایک مرتبہ ایسا بھی اتفاق ہوا کہ حضرت امام ربّانی یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی اپنے رفیق جانی مولانا قاسم العلوم (محمد قاسم نانوتوی) اور طبیب رُوحانی اعلیٰ حضرت حاجی صاحب و نیز حافظ ضامن صاحب کے ہمراہ تھے کہ بندوقچیوں سے مقابلہ ہوگیا۔ یہ نبرد آزما دلیر جتھا اپنی سرکار کے مخالف باغیوں کے سامنے سے ہٹ جانے یا بھاگ جانے والا نہ تھا۔ اٹل پہاڑ کی طرح پرا جما کر ڈٹ گیا اور سرکار پر جان نثاری کے لئے تیار ہوگیا۔ اللہ رے شجاعت و جوانمردی کہ جس ہولناک منظر سے شیر کا پتّہ پانی اور بہادر سے بہادر کا زہرہ آب ہوجائے وہاں چند فقیر ہاتھوں میں تلواریں لئے جم غفیر بندوقچیوں کے سامنے جمے رہے۔ گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے ہیں چنانچہ آپ پر فیریں ہوئیں اور حضرت حافظ ضامن صاحب زیر ناف گولی کھا کر "شہید" بھی ہوئے۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۷۵، جلد ۱۔)

ان تحریروں سے ثابت ہوا کہ ملک و ملّت سے غداری اور کفر نوازی میں دیوبندی گروہ دیگر وہابیہ سے بدرجہا آگے ہے۔

دیوبندی مولویوں سے پوچھا جائے کہ کیا اللہ تعالیٰ اور اس کے محبوب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے واضح ارشادات کی موجودگی میں دشمنانِ ملک و ملّت کفار کی مدد و حمایت کرنا جائز ہے؟ انہیں یہ سبق کہاں سے ملا ہے جو یہ لوگ مجاہدین کے خلاف لڑائی کو "جہاد" اور کفار کی حمایت میں لڑ کر مرجانے کو شہادت کہتے ہیں۔

یہ نام نہاد مولوی آخر بتائیں تو سہی کہ قرآن مجید کی کس آیت اور حدیث

شریف کی کونسی روایت سے انہوں نے یہ مسئلہ حل فرمایا ۔ اب ناظرین غور فرمائیں کہ ایسے ابن الوقت اور مفاد پرست لوگوں کو اہل اسلام کے رہنما، شمع آزادی کے پروانے اور مجاہدین ملک و ملّت کہنا کہاں تک صحیح ہے ۔

مزید برآں یہ حقیقت بھی خود ان ہی کی کتابوں سے کھُلتی ہے کہ دیوبندی مولویوں کی ساری زندگیاں حکومت برطانیہ کی خیرخواہی میں بسر ہوگئیں ۔ یہ لوگ تازیست انگریز کے حامی اور مددگار رہے ہیں ۔ ۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے فرو ہوجانے کے بعد جبکہ انگریز حکام فتح کے نشے میں چُور ہوکر حریّت پسند مجاہدین کے خلاف انتقامی کاروائیوں میں مصروف تھے اور جس شخص پر انگریزوں کی مخالفت اور مجاہدین آزادی کی حمایت کا ذرہ بھر شک ہوتا، بے دریغ موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ۔ حریت پسندوں کو چُن چُن کر گرفتار کیا اور تختۂ دار پر چڑھایا جارہا تھا ۔ اس ہنگامۂ دار و گیر میں جب دیوبندی مولویوں رشید احمد گنگوہی اور مولانا قاسم نانوتوی وغیرہ پر مخالفت انگریز کا الزام لگا تو ان بپھرے ہوئے انگریز حکام کی مکمل تحقیقات اور پوری تفتیش اور چھان بین کے باوجود ایسی کوئی بات نہ نکلی بلکہ یہ لوگ انگریزوں کے سچے وفادار و جانثار ثابت ہوئے ۔ دیوبندی مولوی عاشق الٰہی کا بیان ہے کہ " جب بغاوت و فساد کا قصّہ فرو ہوا اور " رحم دل " گورنمنٹ کی حکومت نے دوبارہ غلبہ پاکر باغیوں کی سرکوبی شروع کی تو جن بزدل مفسدوں کو سوائے اس کے اپنی رہائی کا کوئی چارہ نہ تھا کہ جھوٹی سچی تہمتوں اور مخبری کے پیشے سے سرکاری خیرخواہ اپنے کو ظاہر کریں ۔ انہوں نے اپنا رنگ جمایا اور ان گوشہ نشین حضرات پر بھی بغاوت کا الزام لگایا ۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۷٦ جلد ۱ ۔)

مدرسۂ دیوبند کے موجودہ مہتمم قاری طیّب صاحب فرماتے ہیں " مدرسۂ دیوبند کے کارکنوں میں (اکثریت) ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم

اور حال پنشنر تھے۔ جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک و شبہ کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔" (حاشیہ سوانح قاسمی صفحہ ۲۴۷ جلد ۲۔)

آگے چل کر انہی بزرگوں کے متعلق لکھا ہے کہ "مدرسۂ دیوبند میں ایک موقع پر جب انکوائری آئی تو اس وقت یہی حضرات آگے بڑھے اور اپنے سرکاری اعتماد کو سامنے رکھ کر مدرسہ کی طرف سے صفائی پیش کی جو کارگر ہوئی۔" (حاشیہ سوانح قاسمی۔)

یعنی دیوبندیوں پر گورنمنٹ برطانیہ سے بغاوت کا الزام ثابت ہوا اور انکوائری ختم کردی گئی نیز ملاحظہ ہو۔ "شروع ۱۲۷۶ ہجری نبوی ۱۸۵۹ء وہ سال تھا جس میں حضرت امام ربّانی (یعنی رشید احمد گنگوہی) قدس سرہٗ پر "اپنی سرکار" سے باغی ہونے کا الزام لگایا گیا اور مفسدوں میں شریک رہنے کی تہمت باندھی گئی" (تذکرۃ الرشید صفحہ ۷۳۔) اور دیکھئے حضرت امام ربّانی قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہٗ کو اس سلسلہ میں امتحان کا بڑا مرحلہ طے کرنا تھا اس لئے گرفتار ہوئے اور چھ مہینے حوالات میں بھی رہے۔ آخر جب تحقیقات اور پوری تفتیش و چھان بین سے کالشمش فی نصف النہار ثابت ہوگیا کہ آپ پر جماعت مفسدین کی شرکت کا محض الزام ہی الزام اور بہتان ہی بہتان ہے اس وقت رہا کئے گئے۔ (تذکرۃ الرشید صفحہ ۲۷۹ جلد ۱۔) نیز انہی مولوی رشید احمد کے متعلق مرقوم ہے۔ "اور سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہا ہوں تو جھوٹے الزام سے میرا بال بھی بیکا نہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے سو کرے۔" (تذکرہ الرشید صفحہ ۸ جلد ۱۔) پھر آخر میں یہ حوالہ بھی دیکھئے۔ "ہر چند کہ یہ حضرات حقیقتاً بے گناہ تھے مگر دشمنوں کی یاوہ گوئی نے ان کو باغی اور مفسد اور مجرم و سرکاری خطاوار ٹھہرا رکھا تھا اس لئے گرفتاری کی تلاش تھی مگر حق تعالیٰ کی حفاظت بر سر تھی اس لئے کوئی آنچ نہ

آئی اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیرخواہ تھے تازیست خیرخواہ ہی ثابت رہے۔" (تذکرۃ الرشید صفحہ ۹، جلد ۱۔)

نیز سید احمد کی تحریک کے شریک صدر مولوی محمد اسحاق دہلوی کے بارے میں مولوی اشرف علی تھانوی کا بیان ہے کہ مولانا شاہ اسحاق صاحب کا واقعہ ہے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جب گورنمنٹ انگریز کا تسلط ہوا تھا شاہ صاحب کا جو وظیفہ مقرر تھا وہ جاری رکھا گیا۔ (افاضات الیومیہ صفحہ ۲۹۷ جلد ۴ مطبوعہ تھانہ بھون۔)

ناظرین غور فرمائیں کہ اگر وہابی صاحبان گورنمنٹ برطانیہ کے مخالف اور آزادیٔ ملک و مِلّت کے طلب گار ہوتے تو ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں ضرور شریک ہوتے اور انگریز انہیں بھی وہی سزائیں دیتے جو کہ وہ مجاہدین آزادی اور حریت پسندوں کو دے رہے تھے۔ انہیں جاگیریں، خطابات، سرٹیفیکٹس اور وظیفے نہ دیتے۔ لیکن تعجّب ہے۔ موجودہ وہابی اپنے پیش رو وہابیوں کو مجاہدینِ اسلام، شمعِ حرّیت کے پروانے اور انگریزوں کے دشمن قرار دے کر عوام و خواص کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے کی مذموم کوشش کرتے ہیں اور صریحاً غلط بیانی سے نہیں شرماتے۔ اب ناظرین

۱۸۵۷ء کے بعد وہابی مولویوں کا دینی اور سیاسی کردار

ملاحظہ فرمائیں۔ واضح رہے کہ چوں کہ انگریزوں نے مسلمانوں سے اقتدار چھینا تھا اس لئے انہیں مسلمانوں ہی کی طرف سے زیادہ خطرہ بھی تھا۔ اس خطرہ کے پیش نظر حکومت برطانیہ نے مسلمانوں کو ہر طرح سے مفلوج کردینے اور ان کی مِلّی قوت کو کچل دینے ہی میں اپنی عافیت دیکھی چنانچہ ایک طرف تو مختلف حیلوں بہانوں سے انہیں ذلیل و خوار کرنے اور ملکی، سیاسی، اقتصادی، معاشی اور تعلیمی وغیرہ ہر میدان میں پست و پسماندہ رکھنے اور دوسری طرف ہندوؤں اور دیگر

غیر مسلم اقوام کو ہر لحاظ سے نوازنے، مسلمانوں پر انہیں ہر شعبہ میں ترجیح و فوقیت دینے اور ترقی کے ہر میدان میں آگے بڑھانے کی پالیسی پر عمل شروع کردیا گیا تاکہ مسلم قوم پھر کبھی سر اٹھانے کے قابل نہ رہ جائے اور اسی مقصد کے پیش نظر فرنگی شاطروں نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اُن کا شیرازہ منتشر کردینے کی غرض سے مسلمانوں کے مفاد پرست اقلیتی فرقہ وہابیہ کو خرید لیا انہیں طرح طرح سے نوازنا شروع کیا اور بعض سرکردہ وہابی مولویوں کے وظیفے مقرر کردیئے[۱]۔ وہابی مولویوں نے جو پہلے ہی انگریز کے فدوی اور جانثار تھے، انگریز کی اس چشم التفات کو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر سوادِ اعظم اہلِ سنّت و جماعت کے خلاف بات بات پر بدعت اور شرک کے فتوے داغنے شروع کردیئے۔ حتیٰ کہ ان امور و مسائل کو بھی یہ لوگ اپنے فتوؤں کی زد میں لے آئے جن پر آج تک نہ صرف اکابر علمائے امت بلکہ ان کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب اور ان کے متوسلین عامل تھے۔ مثلاً مجلس مولود۔ قیام و صلوٰۃ وسلام۔ فاتحہ و نیاز۔ نداء و استمداد اور مزاراتِ مقدّسہ سے تحصیل فیوض و برکات وغیرہ۔ ان کی منظم اور تیز و تند فتویٰ بازی کے نتیجے میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمان کچھ اِدھر اور کچھ اُدھر

---

[۱] دیوبندیوں کی کتاب مکالمۃ الصدرین صفحہ ۸ تا ۱۹۔ مولانا حفظ الرحمان صاحب (صدر جمعیۃ العلمائے ہند) نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا رہا تھا پھر بند ہوگیا اس کے جواب میں دیوبندی مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی صدر جمیعۃ العلماء اسلام نے فرمایا۔ دیکھئے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپے ماہوار حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔

بٹ کر باہمی منافرت اور تفریق کا شکار اور باہم دست بگریباں ہوگئے۔ ان وہابی مولویوں نے دنیاوی مفادات کی خاطر مسلم قوم میں ایسا خطرناک فتنہ بپا کردیا جس کے اثراتِ بد آج بھی نمایاں ہیں۔ اس کے علاوہ ان وہابی مولویوں نے مسلمانوں کو مذہبی لحاظ سے گروہ در گروہ بانٹ دینے کے ساتھ ساتھ سیاسی میدان میں بھی اپنی مختلف سیاسی پارٹیاں بنا کر ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ جس کے نتیجے میں مسلمانوں کی اجتماعی قوت پارہ پارہ ہوگئی اور مسلم قوم کا شیرازہ بکھر کر رہ گیا۔

تحریک پاکستان کے خلاف وہابیوں کی جدوجہد

ایک طرف یہ وہابی مولوی ملّتِ اسلامیہ کو پریشان کئے ہوئے تھے۔ تو دوسری طرف حکمران انگریز اور ہندو لیڈروں نے مسلمان قوم کو کچل دینے کی مہم شروع کررکھی تھی۔ ہندو کانگریس آزادیٔ ہند کے نام پر برٹش گورنمنٹ سے اقتدار و اختیارات حکرانی حاصل کر کے مسلمانوں کو اپنا غلام بنالینے کا تہیہ کئے ہوئے تھی اور سارے ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت ہونے کی دعوے دار تھی اور حکومت برطانیہ ہندو کانگریس کی تائید اور پشت پناہی کر رہی تھی۔ برصغیر میں ہندو اور مسلمان دو سیاسی طبقے تھے۔ لیکن ہندو کانگریس اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ تھی۔ چنانچہ مسلمانوں نے ۱۹۰۶ء میں مسلم لیگ کے نام سے اپنی علیحدہ تنظیم قائم کی اور مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی کوشش کی جانے لگی مگر ہندو لیڈروں کا معاندانہ و متعصبانہ رویّہ انتہائی عروج پر تھا۔ ہندو لیڈر مسلم قوم کو قدم قدم پر پیچھے دھکیلنے کی سرتوڑ کوشش کرنے لگے۔ مسلمانوں کی اقتصادی حالت دن بدن خراب سے خراب تر ہوتی جارہی تھی۔ حکومت کے تمام کلیدی عہدوں پر ہندو قابض تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ حکمران انگریز اور ہندو کانگریس کی سازش سے مختلف شہروں میں غیر مسلم غنڈوں کے ذریعے مسلمانوں پر تشدّد کے دروازے بھی کھول دیئے گئے۔ طاقت کے ذریعے مسلمانوں

کو مرعوب و مغلوب کرنے کی خاطر آئے دن ہندو مسلم فساد کا سلسلہ شروع کردیا گیا تاآنکہ اس صورت حال کے پیش نظر حضرت علاّمہ اقبال علیہ الرحمۃ نے ۱۹۳۰ء کے اجلاس الہ آباد میں دو قومی نظریئے کے تحت تقسیم ملک کی تجویز فرمائی کہ مسلم اکثریت والے صوبوں پر مشتمل مسلمانوں کی حکومت کا قیام، قیام امن اور مسلم قوم کے تحفظ کے لئے ضروری ہے۔ اس کے علاوہ اس ہندو مسلم کشمکش کا کوئی دوسرا حل نہیں ہوسکتا۔ لیکن تاحال مسلم لیگ بحثیت ایک عوامی تحریک کے منظر عام پر نہ آئی تھی کہ ۱۹۳۵ء میں نئی اصلاحات کی آمد آمد کا چرچا ہوا۔ مختلف طاقتیں سرگرم عمل ہوگئیں، نئی قوتیں ابھرنے لگیں۔ ہندوستان کو پہلی بار حقیقی اختیارات کا تحفہ مل رہا تھا۔ اثر و اقتدار کے حصول کی اس کشمکش میں دردمندان ملت اس ضرورت کو بڑی شدت سے محسوس کر رہے تھے کہ مسلمانوں کی کوئی آل انڈیا تنظیم یا شخصیت منظر عام پر آئے جو وقت کے اس چیلنج کو وسیع پیمانے پر قبول کرے اور مسلمانوں میں مرکزیت کا احساس پیدا کر کے انہیں وحدت فکر و عمل کی دولت عطا کرسکے۔

ادھر ہمارے حریف پورے ساز وسامان سمیت خالی میدان میں آرہے تھے۔ آل انڈیا نیشنل کانگریس نے مسلمانوں کو اپنے دام تزویر میں پھانسنے کے لئے براہ راست ربط کی تحریک پورے زور اور شاطرانہ طور پر شروع کردی تھی۔ خود مسلمانوں کے اندر بعض ایسی طاقتیں جن سے مسلمانوں کو خیر کی کوئی امید نہ تھی اپنے آپ کو آنے والے وقت کے لئے مجتمع کر رہی تھیں۔

مختصر یہ کہ مسلمان ذہنی و عملی ہر دو لحاظ سے بُری طرح منتشر تھے کہ قائداعظم محمد علی جناح مسلم قوم کے ناخُدا بن کر تشریف لے آئے۔ انہی حالات میں قائداعظم دس کروڑ اسلامیان ہند کے مسیحا بن کر منظر عام پر آئے۔ ۱۹۳۶ء کی پہلی سہ ماہی میں انہوں نے لاہور ریلوے اسٹیشن کے باہر

استقبال کرنے والوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "میں آپ لوگوں کی مدد کے لئے آیا ہوں۔ آپ میری مدد کریں تاکہ خدا آپ کی مدد کرے۔" مایوسی اور بد دلی کی فضا میں یہ آواز امید کی پہلی جھلک تھی۔ دیکھتے دیکھتے قائداعظم علیہ الرحمۃ کی قیادت کے آفتاب عالمتاب کے سامنے چھوٹی موٹی قیادتوں کے چراغ ماند پڑ گئے۔

پنجاب کے یونینسٹ قائداعظم کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے خائف ہوگئے۔ احرار پارٹی۔ جمعیت علمائے ہند اور غیر مقلّدین وغیرہ تمام وہابی کھلّم کھلّا کانگریس کی گود میں چلے گئے۔ وہابی مولویوں نے گاندھی۔ نہرو اور سردار پٹیل و غیر ہم ہندو لیڈروں کے ساتھ اظہارِ وفاداری اور کانگریس کا حقِ نمک ادا کرتے ہوئے مسلم لیگ قائداعظم اور تحریک پاکستان کے خلاف بڑھ بڑھ کر زہر اگلنا شروع کردیا۔ اور ملّتِ اسلامیہ کے خلاف ایک ناپاک محاذ قائم کرکے تحریک پاکستان کو ہر ممکن طریقے سے نقصان پہنچانے کی جدوجہد میں مصروف ہوگئے۔

دیوبندی مولویوں کی زر پرستی ایمان فروشی اور ملت سے غداری کا شرمناک مظاہرہ

ناظرین اس حیرت انگیز انکشاف پر یقیناً انگشت بدندان رہ جائیں گے کہ جن مولویوں کو موجودہ وہابی صاحبان "شیخ الحدیث"۔ "مفتی اعظم" اور "شیخ الاسلام" جیسے معزز القابات سے نوازتے اور ان کی ملک وملّت کی خدمات کا ڈھنڈورہ پیٹتے نہیں تھکتے، لوگوں کے دلوں پر ان کی حق پرستی، تقدّس مآبی اور عالی جنابی کا سکہ بٹھا دینے کی خاطر اندھا دھند پروپیگنڈہ کر رہے ہیں۔ دراصل یہ وہ عبادالدراہم والدنانیر سوداگر ہیں، جنہوں نے ذاتی مفادات اور سیم و زر کے عوض اپنا دین و ایمان بیچ ڈالا تھا اور نوالۂ تر کی خاطر ملّت سے علی الاعلان غدّاری کی تھی۔

تحریکِ پاکستان کے عظیم مجاہد، ملک کے شہرہ آفاق قانون دان اور ممتاز دانشور عاشق حسین بٹالوی وہابی مولویوں کے مکروہ چہروں سے نقاب اٹھاتے ہیں۔

۸ رجون ۱۹۳۵ء کو برکت علی اسلامیہ ہال میں لیگ کونسل اور مرکزی پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاس ہوئے ۔ مرزا ابوالحسن اصفہانی نے اپنی کتاب میں مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے اس اجلاس کا حال بیان کرتے ہوئے ایک دلچسپ واقعہ تحریر کیا ہے۔ جس سے ایک طرف ہماری قومی جدوجہد کی ابتدائی بے سروسامانی اور دوسری طرف ہمارے علمائے کرام کی سنگدلی پر بڑی دلچسپ روشنی پڑتی ہے۔

اصفہانی صاحب فرماتے ہیں "پارلیمنٹری بورڈ کے اس اجلاس میں بہت سی تقریریں ہوئیں یہ تقریریں کرنے کی عادت اب ایک طرح کی روایت اور کمزوری بن گئی ہے۔ پہلے روز مفتی کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی نے اپنی تقریروں میں مسٹر جناح کی حمایت کرتے ہوئے اس بات کا خیر مقدم کیا کہ انہوں نے مسلم لیگ کو زندہ اور فعّال سیاست کے میدان میں داخل کردیا ہے لیکن آخری روز انہی علمائے کرام میں سے ایک نے یہ تجویز پیش کی کہ چونکہ انتخابات میں لیگ کو کامیاب کرنے کے لئے پروپیگنڈے کی مہم کا بڑی سرگرمی اور خوش اسلوبی سے چلانا بہت ضروری ہے لہٰذا ہمارا خیال ہے کہ "دیوبند" کو اس پروپیگنڈے کا مرکز بنایا جائے بشرطیکہ اس مہم کا تمام خرچ لیگ برداشت کرے۔ اس کے بعد انہوں نے فرمایا کہ پروپیگنڈے کی اِس مہم کا آغاز کرنے کے لئے پچاس ہزار روپے کی ضرورت ہوگی۔"

لیگ کے پاس اس وقت پچاس پیسے بھی نہ تھے۔ صدر اور سیکریٹری دونوں بغیر تنخواہ کے مُفت کام کر رہے تھے اور دفتر بھی گویا ان کے ہینڈ بیگ ہی میں تھا۔ ان علمائے کرام کو ہم سے کہیں زیادہ مسلم لیگ کی مالی کمزوری کا

عِلم تھا بظاہر انہیں معلوم ہونا چاہیئے تھا کہ ان کی اس تجویز کا جواب سوائے انکار اور معذوری کے کیا ہوسکتا تھا۔ چنانچہ مسٹر جناح نے انہیں بتایا کہ مسلم لیگ کے پاس کوئی سرمایہ نہیں اور مستقبل قریب میں بھی کسی چندے کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے ہم سب کو دل لگا کر خلوص سے کام کرنا چاہیئے۔

آخر میں مسٹر جناح نے فرمایا اگر لوگوں نے محسوس کیا کہ ہم خلوصِ نیّت سے ان کی خدمت کر رہے ہیں، تو روپیہ یقیناً جمع ہونا شروع ہوجائے گا لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے کام کر کے دکھایا جائے۔

یہ سُن کر علماء کو سخت مایوسی ہوئی اور آہستہ آہستہ ہندو کانگریس کی طرف کھسکنے لگے بالآخر انہوں نے اپنے آپ کو کانگریس کے پروپیگنڈے کے لئے وقف کردیا کیوں کہ کانگریس ان کے مالی مطالبات پُورے کرنے کی استطاعت رکھتی تھی مجھے اس وقت سے سخت صدمہ ہوا کیوں کہ مجھے یہ ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ ہمارے علمائے کرام اس قدر خودغرض واقع ہوئے ہیں کہ اپنے ذاتی مفاد کو قوم و مِلّت کے مفاد پر مقدّم رکھتے ہیں اور عین اُس وقت یہ لوگ مسلمانوں کا راستہ روک کر کھڑے ہوجائیں گے جب ہم اپنی قومی استقلال کی جنگ میں مصروف تھے۔

بحوالہ:

"Quaid-e-Azam Jinnah, As I knew him"
By M.A.H. Ispahani,
Page No.2- - 24

(کتاب "اقبال کے آخری دو سال" مرتبہ عاشق حسین بٹالوی صفحہ ۳۲۷۔ ۳۲۸) چنانچہ ۱۹۳۷ء میں بیرون دہلی دروازہ لاہور ایک جلسے میں مجلسِ احرار کے سرکردہ مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری نے تحریکِ پاکستان اور قائدین مسلم لیگ کے متعلق مندرجہ ذیل گل افشانی فرمائی " یہ لوگ پاکستان مانگتے ہیں پاکستان۔ جانتے

ہو کیا مانگتے ہیں ؟ پاکستان ـــــ پاکی استان[1] ! نہیں پاکی استان چاہیئے۔ دیجئے استرے انکے ہاتھوں میں اور بھیج دیجئے غسل خانوں میں۔" (سیارہ ڈائجسٹ ۱۹۶۶ء صفحہ ۱۹۹۔)

نیز اسی مولوی بخاری نے علی پُور کی احرار کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے پاکستان کے خلاف اپنے دل کا بخار یوں نکالا "مسلم لیگ کے لیڈر بے عملوں کی ٹولی ہے، جنہیں اپنی عافیت بھی یاد نہیں اور جو دوسروں کی عاقبت بھی خراب کررہے ہیں اور وہ جس مملکت کی تخلیق کرنا چاہتے ہیں وہ پاکستان نہیں بلکہ خاکستان ہے۔" (ہندو اخبار "ملاپ" لاہور مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۹۵۴ء۔)

اسی عطاء اللہ شاہ بخاری وہابی نے بمقام "پسرور" ضلع سیالکوٹ میں تقریر کرتے ہوئے ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا۔ "اب تک کسی ماں نے ایسا بچّہ نہیں جنا۔ جو پاکستان کی "پ" بھی بنا سکے[2]۔" (رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۷۴ استقلال نمبر روزنامہ "جدید نظام" ۱۹۵۰ء)

نیز یہی وہابی، مولوی، بخاری، ہندو لیڈروں کا نمک حلال کرنے کی دُھن میں برملا کہہ گزرتا ہے۔ "ہندوستان میں نہ پاکستان بن سکتا ہے۔ نہ حکومتِ الٰہیہ کا قیام عمل میں لایا جاسکتا ہے۔ جو پاکستان کا نعرہ لگا کر مسلمانوں سے ووٹ کی بھیک

---

[1] پنجابی زبان میں موئے زیر ناف کی صفائی کرنے کو پاکی کرنا کہتے ہیں۔ اس غدار ملت وہابی مولوی نے پاکستان کے لفظ کو بمصداق لَیًّا بِاَلْسِنَتِهِم "پاکی استان" یعنی موئے زیرناف اتارنے کی جگہ کہہ کر اپنے خبیث باطن کا مظاہرہ کیا۔ (مؤلّف)

[2] مولوی بخاری جس پاکستان کے خلاف ہرزہ سرائی میں مصروف رہا تھا، قیام پاکستان کے بعد سکھوں اور ہندوؤں کے جوتوں کی مار سے بچنے کے لئے اس نے پناہ بھی اسی پاکستان میں لی اور اسی پاکستان کے شہر ملتان میں مَر کر دفن بھی ہوا۔ (مؤلف۔)

مانگتا ہے۔ انہیں گمراہ کرتا ہے۔" (ہندو اخبار پربھات ۱۱ر دسمبر ۱۹۴۵ء۔)

یہاں تک کہ مسلمانوں کو تحریکِ پاکستان اور مسلم لیگ سے بدظن کرنے کی خاطر یہی عطاء اللہ شاہ بخاری رہنمایان مسلم لیگ پر علی الاعلان بہتان طرازی کرتے ہوئے کہتا ہے۔ " مسلم لیگ عافیت کوشوں اور رجعت پسندوں کی جماعت ہے۔ ان کا مقصد ملک میں غیر ملکی اقتدار کو مستحکم کرنا ہے۔ اس کے باوجود ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہم مسلم لیگ میں شامل ہوجائیں۔ مسلم لیگ اور احرار کے مقاصد میں بُعدالمشرقین ہے۔" (روزنامہ آفاق لاہور ۱۹ر مارچ ۱۹۵۵ء۔)

اب آخر میں گاندھی نہرو اور پٹیل کے اس چیلے کی بدزبانی کی انتہاء ملاحظہ ہو۔ مولانا ظفر علی خان اپنے مجموعہ منظومات میں لکھتے ہیں۔ "احرار کی شریعت کے امیر مولانا عطاء اللہ بخاری نے امروہہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سؤر ہیں اور سؤر کھانے والے ہیں" (چمنستانِ ظفر علیخان صفحہ ۱۶۵۔)

عطاء اللہ شاہ بخاری نے کانگریسی ہندوؤں کا حق نمک ادا کرتے ہوئے مزید کہا۔ " ان لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ وہ اب بھی پاکستان کا نام جپتے ہیں ——— سچ ہے' پاکستان ایک خونخوار سانپ ہے جو ۱۹۴۰ء سے مسلمانوں کا خون چوس رہا ہے اور مسلم لیگ ہائی کمانڈ ایک سپیرا ہے۔" (تحریکِ پاکستان اور نیشنلسٹ علماء صفحہ ۸۸۴۔)

احراریوں نے طنز کرتے ہوئے کہا۔ "یہ قائدِ اعظم ہے یا کافرِ اعظم ؟ (حیات محمد علی از رئیس احمد جعفری۔)

چودھری افضل حق رئیس احرار نے کہا۔ "مسٹر جناح آج تک کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان نہیں ہوا۔ لیکن پھر بھی مسلمانوں کا قائدِ اعظم ہے۔" (تحریکِ پاکستان اور نیشنلسٹ علماء صفحہ ۸۸۴۔) اسی نے مزید بکواس کی۔ "کتّوں کو بھونکتا

چھوڑ دو۔ کاروانِ احرار کو اپنی منزل کی طرف چلنے دو۔ احرار کا وطن لیگی سرمایہ دار کا پاکستان نہیں۔ احرار اس کو پلیدستان سمجھتے ہیں۔" (خُطباتِ احرار صفحہ ۹۹)

نیز مجلسِ احرار کے مشہور لیڈر غیر مقلّد مولوی داؤد غزنوی کے متعلق عدالت کی گواہی ملاحظہ ہو۔ "۲۹ر نومبر ۱۹۴۰ء کو انہوں نے اخباروں میں ایک بیان شائع کرایا جس میں احرار کے اس فیصلہ کا اعلان کیا کہ وہ اپنے آپ کو کانگریس میں جذب کر دیں گے۔" (رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۱۰۔)

ان عباد الدراہم والدنانیر کی خلافِ اسلام مذموم حرکات کی وجہ سے مِلّت اسلامیہ میں غم و غصّہ اور بیزاری کی لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ مولانا ظفر علیخاں علیہ الرحمۃ نے قوم کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا ؎

پانچ[۱] ککّوں کا ہے پابند یہ شریعت کا امیر
اس میں طاقت ہے تو کرپان کی جھنکار سے ہے
آج قرآن کو کہتے ہیں وہ نطفہ اپنا
سلسلہ جس کا مِلا سیّدِ ابرار سے ہے
آج قرآن کی توہین وہی کرتے ہیں
واقفیت جنہیں قرآن کے اَسرار سے ہے (چمنستان صفحہ ۴)

نیز فرمایا ؎

گالیاں دے جھوٹ بول احرار کی ٹولی میں مِل
نکتہ یونہی ہوسکے گا حل سیاسیات کا
خالصہ کا ساتھ دے جب یہ شریعت کا امیر
کیوں نہ کہیئے اس کو بابا ٹل سیاسیات کا

---

[۱] پانچ ککّوں سے مُراد کیس یعنی سَر کے لمبے بال، کنگھا، کڑا، کچھا اور کرپان ہیں جو سکھوں کا قومی نشان ہیں۔ غرض سکھوں سے تشبیہ دینا ہے۔ (مؤلف)

دخل معقولات میں دیتا ہے کیوں بڈھا مولوی
عقدہ کیا کھولے گا یہ وڑھیل سیاسیات کا

نیز فرمایا ؂

ایک پری رُو کی شریعت فگنی نے
کل رات نکالا مرے تقویٰ کا دِوالا
میں دِین کا پُتلا ہوں وہ دُنیا کی ہے مُورت
اس شوخ کے نخرے میں مرا گرم مسالہ

(چمنستان صفحہ ۹۲)

مولوی ابوالکلام آزاد جو ہندو لیڈروں کے ہاتھ میں کٹھ پُتلی بنے ہوئے ان کی ہمنوائی میں مصروف تھے اور پُوری تندہی کے ساتھ تحریکِ پاکستان اور قائدین مسلم لیگ کے خلاف سرگرم عمل تھے۔ ان کے متعلق مندرجۂ ذیل نظم روزنامہ "نوائے وقت" لاہور میں مورخہ ۳ جولائی ۱۹۴۶ء کو شائع ہوئی ؂

تُو نے کی جس کی اشاعت پَے بہ پَے
کیا یہی وہ غلبۂ اسلام ہے
عِلم و فکر و آرزو و جستجو
مُستعار و رہن افسونِ عدو
بندگیٔ غیر کا گردن میں طوق
کم سواد و کم نگاہ و کور ذوق
اے اسیرِ حکمتِ عصرِ جدید
حق سے نَو میدی برہمن سے اُمید
تیرے ہنگاموں سے مِلّت سرنگوں
سومناتی ہے ترا ذوقِ جُنوں

راس کعبہ کی ہوا تجھ کو نہیں
آنکھ محرومِ نظر دل بے یقیں
یہ جہاں یہ مال و دولت ہیچ ہے
یہ قیادت یہ سیادت ہیچ ہے
کفُر کے طوفاں میں دیوارِ حرَم
اور ہے خاموش غدّارِ حرم
از شگر رفیہائے ایں قرآں فروش
دیدہ ام رُوح الامین را درخروش

متحدہ قومیّت کا پُرفریب نعرہ اور وہابی مولوی

ہندو کانگریس گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ سازباز کر کے ہندوستان کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت سے حکمرانی و اقتدار کے جُملہ حقوق خود حاصل کرنا اور مسلمانوں کو اپنا غلام بنا لینا چاہتی تھی۔ اس لئے کانگریس نے متحدہ قومیّت کا پُرفریب نعرہ ایجاد کر رکھا تھا۔ ان کے اس فریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے بانیٔ پاکستان بابائے ملّت قائداعظم نے یہ مجاہدانہ اعلان فرمایا کہ "مُسلمان بحیثیت مسلمان ہونے کے ایک جُداگانہ، مستقل عظیم قوم ہیں اور مُسلم قوم کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ ہے۔ ہندو کانگریس ہندوؤں کی نمائندہ ہے، نہ کہ مسلمانوں کی بھی۔ لہٰذا مسلمان ہندوؤں کی غلامی ہرگز قبول نہیں کریں گے بلکہ دو قومی نظریہ کے تحت ایک آزاد اور خود مختار پاکستان حاصل کر کے رہیں گے۔"

اور اس کے نتیجے میں مسلم لیگ کا قوم کو دیا ہوا نعرہ۔ "لے کے رہیں گے پاکستان" "بن کے رہے گا پاکستان۔" اور پاکستان کا مطلب کیا "لا الہ الا اللہ محمّد رسول اللہ۔" مسلم قوم کے ہر بچے جوان اور بُوڑھے کے دل کی دھڑکن بن گیا۔ ملک کا گوشہ گوشہ اس نعرہ سے گونج رہا تھا۔ مگر اس کے برعکس وہابی مولوی "ملّت

از وطن است" کا کانگریسی راگ اَلاپ رہے تھے اور گاندھی نہرو اور سردار پٹیل وغیرہم ہندو آقاؤں کی ہم نوائی میں یہ ڈھنڈورہ پیٹ رہے تھے کہ ہندوستان کے تمام باشندے ہندو۔ مسلمان۔ سکھ۔ عیسائی اور پارسی وغیرہ ایک قوم ہیں ہندوستان کے مسلمان ہندوستانی قوم ہیں نہ کہ مسلم قوم۔

وہابی مولوی حسین احمد مدنی کے مُنہ پر علامہ اقبال کا بھرپور طمانچہ

دیوبندی مولوی حسین احمد مدنی (نام نہاد مدنی) نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام "متحدہ قومیّت اور اسلام" رکھا۔ اس میں یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی گئی کہ فی زمانہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں اور اپنے اس نامعقول غیر اسلامی نظریہ کو ثابت کرنے کے لئے آیات قرآن و روایات حدیث کے مطالب و مفہوم میں تحریف تک سے دریغ نہیں کیا۔ اس نے مسلمانانِ ہند کو یہ باور کرانے کی سرتوڑ کوشش کی کہ کانگریس بالکل نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوہ پر چل رہی ہے اور مسلمانوں کو مامون و مطمئن ہوکر اپنے آپ کو اس متحدہ قومیت کے حوالے کردینا چاہیۓ جسے کانگریس بنانا چاہتی ہے۔" (ملاحظہ ہو کتاب "تحریک آزادی ہند اور مسلمان" از موودودی صفحہ ۳۲۴۔)

اس وہابی مولوی کی اس ناپاک جسارت کو مفکّرِ اسلام علّامہ اقبال علیہ الرحمۃ کیوں کر برداشت کر سکتے تھے۔ انہوں نے برملا اس کے مُنہ پر وہ چپت رسید کی جو رہتی دنیا تک یادگار رہے گی۔ فرمایا ؎

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی ست
سرود برسرمنبر کہ مِلّت از وطن ست
چہ بے خبر مقامِ محمّد عربی ست

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی ست

دیوبندی مولوی حسین احمد پدما بھوشن

دیوبندی وہابیہ کے پیشوا حسین احمد مدنی صدر دارالعلوم دیوبند کانگریس کا وفادار، نمک خوار، ہندو لیڈروں کا آلۂ کار، تحریکِ پاکستان کا سخت مخالف اور مسلم لیگ کا کٹّر دشمن تھا۔ اسی کی سرپرستی میں دیوبند دشمنان پاکستان کا گڑھ بنا ہوا تھا اس کی پاکستان دشمنی کا یہ عالم تھا کہ جب کانگریس نے مجبور ہوکر تقسیم ہند اور قیامِ پاکستان کی قرار داد کو قہراً و جبراً منظور کرلیا تو وہابیوں کے اس پیشوا نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر نہ کی اور یہاں تک کہہ دیا کہ۔ "اگر میں تسخیرِ قلوب کا عالم و عامل ہوتا تو آج ہندوستان میں کوئی مسلم لیگی نہ ہوتا۔ سب کے قلوب کو جمیعۃ العلمائے ہند اور کانگریس کی طرف پھیر دیتا۔" (روزنامہ الجمیعۃ دہلی شیخ الاسلام نمبر)

اس وہابی مولوی نے مدرسۂ دیوبند کے اساتذہ اور طلباء کو تحریکِ پاکستان کے خلاف کانگریس کا ہراول دستہ بنا کر خوب استعمال کیا۔ یہ لوگ شہر بہ شہر اور قریہ بہ قریہ دَورہ کرتے اور ہندوؤں کا حق نمک ادا کرتے۔ پاکستان اور مسلم لیگ کے خلاف زہر اگلتے پھرتے تھے۔ ان کی مذموم حرکات کو دیکھ کر عام مسلمان ان سے بیزار ہوگئے اور نفرت کرنے لگے تو دیوبندی علماء اور طلباء بُت خانوں اور دَھرم شالوں میں اڈہ جما کر اپنی کاروائیاں جاری رکھتے۔

مولانا عبدالماجد دریا بادی بڑے افسوس اور رنج کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔" آج چار دن سے اس قصبہ (دریا باد) پر کانگریسی خیال کے مسلمانوں کا دھاوا ہے۔ دیوبند کے طلباء کا ایک دَستہ آیا ہوا ہے۔ قیام ان کا دھرم شالہ میں ہے۔ حالانکہ قصبہ میں ایک نہیں دو دو سرائیں مسلمانوں کی موجود ہیں۔ ان کا رہنا۔ سہنا۔ چلنا پھرنا۔ کھانا پینا۔ تمام تر ہندوؤں کے ساتھ ہے۔ انہی کے درمیان

اور انہی کا سا۔" (تحریکِ پاکستان اور نیشنلسٹ علماء صفحہ ۶۵۰۔)

مولوی حسین احمد دیوبندی گاندھی کی اندھی عقیدت میں اس قدر متشدد تھا کہ اس نے ایک بار ایک مسلمان کا جنازہ پڑھنے سے صرف اس لئے انکار کر دیا تھا کہ اس کی میّت کھدّر کے کفن میں نہیں لپٹی ہوئی تھی اور آزادی کے بعد بھی اسی پر جمے ہوئے ہیں۔ (ماہنامہ تجلّی دیوبند۔ فروری۔ مارچ ۱۹۵۷ء)

دیوبندی وہابیہ کے اس شیخ الاسلام نے خلافِ اسلام اور پاکستان دشمنی میں اس قدر بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا کہ تقسیم ملک کے بعد ۱۹۵۴ء کو بھارت کے یوم آزادی کی تقریب میں اس کی ہندو دوستی اور کانگریس سے مثالی وفاداری کے صلہ میں حکومت بھارت نے اسے "پدما بھوشن" کا خطاب عطا کیا۔ اس مولوی کے ہندو سرکردہ لیڈر مدن لال اور دیگر ہندو کانگریسی لیڈروں کے ساتھ بڑے گہرے تعلقات تھے۔ اس صورت حال کے پیش نظر کسی نے کیا خوب شعر کہا ہے ؎

مولوی مدنی سے کوئی پوچھے
تجھکو نسبت ہے مدن سے یا مدینے سے

نیز مولانا ظفر علیخان نے فرمایا ؎

حسین احمد سے کہتے ہیں خزف ریزے مدینے کے
کہ لٹو آپ بھی کیا ہوگئے "سنگم کے موتی پر" (چمنستان)

دیوبندی مولویوں کی زر پرستی کی ایک مثال

وہابی مولویوں کی زر پرستی کا اس واقعہ سے اندازہ کرلینا کچھ مشکل نہیں کہ "بجنور" میں مسلم لیگ انتخاب ہار گئی اور اسی دوران کانگریس کی طرف سے مولوی حسین احمد مدنی کے نام سے سات سو روپے کا منی آرڈر ایک مسلم لیگی کلرک نے پکڑ لیا اور یہ واقعہ بہت مشہور ہوگیا۔ اس پر مولانا ظفر علیخان مرحوم نے حسین احمد مذکور کو مخاطب کر کے فرمایا ؎

غدّاریٔ وطن کا صلہ سات سو فقط
ایماں ہی بیچنا ہے تو سستا نہ کیجیٔے
بھرنا ہی پیٹ ہے تو طریقے ہیں اور بھی
دو روٹیوں پہ قوم کو بیچا نہ کیجیٔے
شائستگی سے دیجیٔے گر بن سکے جواب
ورنہ ابھی سے مشقِ تبرّا نہ کیجیٔے

(روزنامہ نوائے وقت لاہور ۴ر نومبر ۱۹۴۵ء)

مولوی حسین احمد دیوبندی اور ابوالکلام آزاد کی ابن الوقتی

کے متعلق روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۱۰ر اگست ۱۹۴۵ء میں شائع شدہ مندرجہ ذیل نظم قابل دید ہے ؎

ہاں حسین احمد ہی شیخ الہند تھا کل تک ضرور
آج ہے لیکن مقام "مصطفےٰ" سے بے خبر
مسجدِ نبوی میں جو کل تک رہا گرم سجود
وار دھا کے آشرم میں جھک گیا آج اس کا سَر
کل تلک تھا جو اسیرانِ کراچی میں سے ایک
آج مِلّت کے مقاصد پر نہیں اس کی نظر
دیکھ کیا حالت ہے اب کشمیر میں آزاد کی
کٹ کے مِلّت کے شجر سے اس نے کیا پایا ثمر
قوم کے جوش غضب سے ڈر کے ہے روپوش آج
جو کبھی اس ملک میں تھا قوم کا نورِ نظر
شخصیت کی مِلّتِ بیضا کو ہے پروا کہاں
ہے وہی آزاد لیکن اب ہمارا ہے کہاں

الغرض وہابی مولوی اپنے مفادات کے پیش نظر ہندو لیڈروں کے اشاروں پر رقصاں تھے۔ یہ لوگ ملّتِ اسلامیہ کی پُشت میں نیشنلزم کا خنجر گھونپ کر مسلمانوں کو من حیثُ القوم حکمران انگریز اور ہندو کانگریس کے سامنے ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کردینا چاہتے تھے اور اس مقصد کے پیش نظر انہوں نے اسلام کے نظریۂ قومیت کو بدل ڈالنے سے بھی دریغ نہ کیا اور قرآن وحدیث کی تعلیمات کو ہندو آقاؤں کی ہدایت پر قربان کر بیٹھے۔ یہ لوگ وفاداری کانگریس کے معاملہ میں اس قدر شدید غلو میں مبتلا تھے کہ جب ان میں سے مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی شبیر احمد عثمانی جیسے اکابرِ دیوبند نے انفرادی طور پر مسلم لیگ اور تحریکِ پاکستان کی حمایت شروع کی تو دیوبندی وہابی ان کے بھی دشمن ہوگئے۔ مولوی شبیر احمد عثمانی کا بیان ہے کہ "دارالعلوم دیوبند کے طلباء نے جو گندی گالیاں، فحش اشتہارات اور کارٹون ہمارے متعلق چسپاں کئے۔ جن میں ہم کو "ابوجہل" تک کہا گیا۔ اور ہمارا جنازہ نکالا گیا۔ دارالعلوم کے طلباء نے میرے قتل تک کے حلف اٹھائے اور وہ فحش اور گندے مضامین میرے دروازہ میں پھینکے کہ اگر ہماری ماں بہنوں کے نظر پڑجاتے تو ہماری آنکھیں شرم سے جھک جائیں۔"
(مکالمۃ الصدرین صفحہ ۲۱)

نیز دیوبندی وہابیوں نے مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کو قتل کی دھمکی دیتے ہوئے مندرجہ ذیل خط لکھا۔

"مولوی اشرف علی تھانوی یہ بات بہت تشویشناک اور ہمارے لئے شرم کی ہے کہ کانگریس کی تمام کوششوں کے باوجود مسلم لیگ کا فتنہ ملک میں پھیلتا جاتا ہے اور آپ نے باقی علمائے دیوبند کے خلاف چل کر مسلم لیگ کے موافق فتویٰ دے دیا ہے۔ اب ہماری پارٹی مسلم لیگ کے مولویوں اور بددین لیڈروں کو مزا چکھانے کے لئے تیار ہوکر میدان میں آگئی ہے۔ اس لئے آپکو بھی یہ تاکیدی نوٹس

دیا جاتا ہے کہ ایک مہینہ کے اندر اندر مسلم لیگ کے متعلق اپنا فتویٰ واپس لے لو اور کانگریس کی حمایت کرو۔ ورنہ یقین اور پُورا یقین رکھو کہ مظہرالدین الاماں والے کی طرح تم کو بھی تمہاری خانقاہ میں چھُرے سے ذبح کردیا جائے گا۔ یہ قسمیہ اور ایماناً اطلاع بھیجی جاتی ہے ایک مہینہ کی مدّت غنیمت جاننا۔ ایک مہینہ تمہارے بیان کی انتظاری کر کے ہمارا آدمی روانہ ہوجائے گا۔ جو پستول یا چھُرے سے تم کو ختم کردیگا۔ یہ چِھٹّی محض دھمکی نہیں ہے۔ کانگریس زندہ باد۔" (منقول از روزنامہ مشرق لاہور ۲۵ دسمبر ۱۹۶۶ء)

دیوبندی مولوی شبّیر احمد عثمانی کے بیان مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کے نام دیوبندیوں کے خط سے ان کی ذہنی پستی اور شرمناک کردار کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں کہ یہ لوگ کفر نوازی اور مسلم دشمنی میں کس حد تک پہنچ چکے تھے۔

وہابی مولویوں کو مولانا ظفر علی خان موحوم کا مشورہ

وہابی مولویوں کو ایسی مذموم حرکتوں کے پیش نظر ہی مولانا ظفر علی خاں صاحب مرحوم نے قوم کی ترجمانی فرماتے ہوئے انہیں مشورہ دیا تھا کہ ؎

اِسلام کو نہ مُفت میں بدنام کیجیے
حجرُے میں جاکے بیٹھیے آرام کیجیے
چوکھٹ پہ جاکے گاندھی کے سَر جھکائیے
وَردھا میں یا پرستشِ اصنام کیجیے
قشقہ جبیں پہ کھینچ کر زنّار ڈال کر
مندر میں دیوتاؤں کو جے رام کیجیے

(نوائے وقت مورخہ ۴ نومبر ۱۹۵۴ء)

اور پھر ان کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا ؎

کھولتا ہے ان کی ہراک رگ میں چندے کا لہو
یہ مجاہد ہیں بڑے دُشنام کی پیکار میں
مسجدیں برباد ہوں یا قوم پر گولی چلے
مبتلا رہتے ہیں یہ بس پیٹ کے آزار میں
جنسِ مِلّت بیچتے ہیں بے دھڑک بازار میں
یعنی لاثانی ہیں یہ اسلام کے بیوپار میں

مجلسِ احرار کے صدر مولوی حبیبُ الرّحمان لُدھیانوی کی اسلام دشمنی کے متعلق مولانا ظفر علی خاں مرحوم کا ارشاد

میرٹھ میں مولوی حبیبُ الرحمان لدھیانوی صدر مجلسِ احرار اس قدر جوش میں آئے کہ دانت پیستے جاتے تھے اور غصّہ میں آکر ہونٹ چباتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ دس ہزار جِینا اور شوکت اور ظفر[۱] جواہرلال نہرو کی نوک پر قربان کئے جاسکتے ہیں۔ اس پر میں نے یاروں کی فرمائش یوں پوری کی کہ ؎

کیا کہوں آپ سے ہیں کیا احرار کوئی لُچّا ہے اور کوئی لُقّہ

(چمنستان صفحہ ۱۶۵)

نیز فرمایا ؎

مولوی حبیبُ الرّحمن لدھیانوی کے نام

سُنتا ہوں مرکزِ علماء لُدھیانہ ہے
جس کی گلی میں انہی کا فسانہ ہے
لیکن یہ کیا کہ نغمۂ توحید کے بجائے
ان کی زباں پہ برہمنوں کا ترانہ ہے

---

[۱] قائداعظم محمد علی جناح۔ مولانا شوکت علی اور مولانا ظفر علی خاں (مؤلف)۔

گر بامِ خانہ ہے کلس سومنات کا
اور ہردوار ان کے لئے صحنِ خانہ ہے
ہیں سیم وزر سے مصلحتیں ان کی ہمکنار
جن کا کفیل گاندھیوں کا خزانہ ہے
صورت تو مومنانہ ہے بے شک حضور کی
سیرت کا گوشہ گوشہ مگر ہندووانہ ہے
بڑھنے لگی ہے اب جو مُسلم سے رسم و راہ
شُدھی کا ہو نہ ہو یہ نیا شاخسانہ ہے
کیوں آستانِ غیر پہ اس کو جھکاؤں میں
یارب یہ سَر ہے اور ترا آستانہ ہے
جب ہم محمدؐ عربی کے غُلام ہیں
کیا غم اگر خلاف ہمارے زمانہ ہے

(چمنستان، مولانا ظفر علی خاں صفحہ ۱۹۷)

دیوبندی وہابی مولوی احمد علی لاہوری کی گاندھی سے عقیدت

یہ صاحب بھی دوسرے وہابی مولویوں کی طرح کانگریس کے ہمنوا گاندھی کے عقیدت مند و حلقہ بگوش اور مسلم لیگ کے دشمن اور قیام پاکستان کے کٹّر مخالف تھے۔ حضرت مولانا ابوالنّور محمد بشیر صاحب (کوٹلی لوہاراں ضلع سیالکوٹ) اپنا چشم دید واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ "جب کانگریس کا زور تھا اور مسلمان مطالبۂ پاکستان میں سرگرم تھے دیوبندی مولوی کانگریس کے ساتھ اور مسلمانوں کے مخالف تھے۔ گاندھی دورۂ سرحد سے فارغ ہوکر پشاور سے لاہور جارہا تھا۔ اتفاقاً میں بھی اسی ٹرین میں سوار تھا اور راولپنڈی سے لاہور جارہا تھا۔ لاہور پہنچنے پر میں نے ریلوے پلیٹ فارم پر کانگریسیوں کا ایک بڑا ہجوم دیکھا۔ ہر شخص ہار لئے

گاندھی کی راہ دیکھ رہا تھا۔ گاڑی اسٹیشن پر پہنچی تو گاندھی کا ڈبہ ہجوم سے کچھ آگے نکل گیا، یہ دیکھ کر ہجوم دیوانہ وار آگے دوڑا۔ اس افراتفری کے عالم میں ایک کھدّر پوش طویل ریش ادھیڑ عمر کا آدمی بھی نظر آیا۔ جو پھولوں کا ہار لئے اس رش میں گاندھی کے درشن کے لئے بے قرار تھا اور اس جدوجہد میں تھا کہ وہ بھی کسی طرح گرتے پڑتے گاندھی کے چرنوں میں پہنچ سکے۔ میری نگاہ اس آدمی کی طرف تھی کہ ایک رفیق سفر نے بتایا یہ مولانا احمد علی ہیں۔ شیرانوالہ دروازہ والے۔ یہ سن کر مجھے تقویۃ الایمانی توحید شرک کے چرنوں میں گری ہوئی نظر آنے لگی۔

(رسالہ ماہ طیبہ جولائی ۱۹۵۵ء)

مشہور لیڈر شورش کاشمیری مدیر "چٹان" لاہور کے متعلق مولانا کوثر نیازی کی گواہی

وہ پاکستان بننے سے پہلے پاکستان کے کھلے دشمن تھے اور پاکستان بننے کے بعد اس ملک کے چھپے دشمن ہیں۔ شورش کاشمیری کانگریس کے تنخواہ دار ایجنٹ کی حیثیت سے تحریک پاکستان کے خلاف گلا پھاڑ پھاڑ کر تقریریں کرتے رہے اور اپنے کانگریسی آقاؤں کی خوشنودی کے لئے قائداعظم کی ذات پر رکیک حملے کرتے رہے۔ (ہفت روزہ "شہاب" لاہور مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۶۶ء)

عنایت اللہ خان مشرقی

خاکسار لیڈر عنایت اللہ مشرقی قیامِ پاکستان اور بانیٔ پاکستان کا بدترین مخالف اور دشمن تھا چنانچہ اس کے رضاکاروں نے بزعم خویش تحریکِ پاکستان کو ناکام بنانے کے لئے متعدّد مرتبہ قائداعظم پر قاتلانہ حملے کئے۔ روزنامہ "جنگ" راولپنڈی رقم طراز ہے کہ "قائداعظم محمد علی جناح پر پہلا قاتلانہ حملہ ۱۹۴۳ء میں بمبئی میں ہوا۔ جس کے نتیجے میں ایک خاکسار کو گرفتار کر لیا گیا۔ دوسری مرتبہ ۹ جون ۱۹۴۷ء کو خاکسار رضاکاروں کی ایک جماعت نے پھر قائداعظم پر حملہ کرنے

کی کوشش کی ان کے منہ سے "جناح کو نہیں چھوڑیں گے۔" کے نعرے بھی سنے گئے مگر مسلم لیگ نیشنل گارڈ نے انہیں پکڑ لیا۔ ان حملوں کے پیچھے غالباً مشرقی کی انانیت کام کررہی تھی۔ جو اپنی شرائط پر مسلم لیگ سے سمجھوتہ کرنا چاہتے تھے اور اس میں ناکام ہونے پر ان کے پیرو کار مرنے مارنے پر آمادہ ہوگئے تھے۔

(روزنامہ جنگ راولپنڈی ۱۱ر ستمبر ۱۹۶۲ء)

بانئ جماعت اسلامی ابوالاعلیٰ مودودی اور ان کی جماعت کے حالات

صاحب موصوف عقائد کے لحاظ سے وہابی اور کردار کے لحاظ سے بمقابلہ دیگر وہابیہ بدرجہا سخت اور سب سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ان کی تنقید سے بمشکل ہی کوئی بچا ہوگا۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین "علیہم الرضوان" تک ان کی تنقید سے محفوظ نہیں اور شاید یہی وجہ ہو کہ بظاہر دوسرے وہابی صاحبان بھی ان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ تاہم دیگر وہابیہ کی طرح یہ بھی ابن عبدالوہاب نجدی، سید احمد رائے بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے متبع معتقد اور مدّاح ہیں۔

جماعت اسلامی کی لائبریریوں میں شیخ نجدی کی 'کتاب التوحید' اور اسماعیل دہلوی کی کتاب 'تقویۃ الایمان' موجود رہتی ہے تاکہ جماعت کے اراکین و متفقین کی تربیت اصولِ وہابیت پر کی جاسکے۔ سید احمد رائے بریلوی اور اسماعیل دہلوی کے متعلق ان کی عقیدت کا اندازہ ان کے اس بیان سے کیا جاسکتا ہے۔ "سید احمد صاحب بریلوی اور شاہ صاحب شہید دونوں روحاً و معناً ایک وجود رکھتے ہیں اور اس وجود متحد کو میں مستقل بالذات مجدّد نہیں سمجھتا۔ بلکہ شاہ ولی اللہ صاحب کی تجدید کا تتمہ سمجھتا ہوں۔" (موج کوثر صفحہ ۳۶)

مودودی صاحب کسی مُستند دارالعلوم سے فارغ التحصیل عالمِ دین نہیں اور نہ ہی کسی یونیورسٹی سے انگریزی کی ممتاز ڈگری کے حامل ہیں اس لئے انہیں

سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ آپ حقیقتاً نیم مُلّا اور نیم مسٹر ہیں جیسے کہ مودودی کے سابق دستِ راست امین احسن اصلاحی کا بیان ہے۔ میں یہ تو نہیں جانتا کہ مودودی صاحب نے کہاں پڑھا ہے لیکن میں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ نہایت ذہین آدمی اور نہایت قابل آدمی ہیں۔"

(ترجمان القرآن مارچ تا مئی ۱۹۵۱ء صفحہ ۷۰)

نیز یہی کچھ خود ان کے اپنے بیان سے ظاہر ہے "مجھے گروہِ علماء میں شامل ہونے کا شرف حاصل نہیں ہے۔ میں بیچ کی راس کا آدمی ہوں جس نے جدید و قدیم طریقہ ہائے تعلیم سے کچھ کچھ حصّہ پایا ہے اور دونوں کوچوں کو چل پھر کر دیکھا ہے۔" (ترجمان القرآن ماہ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ)

آپ کے اس کچھ کچھ سے صاف عیاں ہے کہ آپ کچھ مولوی ہیں اور کچھ مسٹر۔ بالفاظ دیگر معمولی عربی دان اور معمولی انگریزی خواں۔ نیز اعتراف فرماتے ہیں کہ "راقم السّطور کو نہ منصب افتاء حاصل ہے اور نہ وہ اس کا اہل ہے کہ مسائل دینیہ میں فتویٰ دینے کی ذمّہ داری اٹھا سکے۔" (تفہیمات صفحہ ۳۲۴ جلد ۲) اور صاف اقرار فرماتے ہیں کہ "راہ نمائی کے لئے جس علم و فضل کی ضرورت ہے وہ مجھکو حاصل نہیں۔" (ترجمان القرآن رجب ۱۳۵۲ھ)

مگر اس کے باوجود خود فریبی کا یہ عالم ہے کہ اپنے علم و فہم کے سامنے تمام علمائے دین اور مفتیانِ شرع متین کو نہ صرف یہ کہ ہیچ سمجھتے ہیں بلکہ انہیں جہالت کی پیداوار اور گمراہ قرار دیتے ہیں۔ ان کی نظر میں روئے زمین کے جملہ علماء فضلاء اور مفتی صاحبان گم کردہ راہ ہیں اگر کوئی راہ حق پر ہے تو وہ صرف اکیلے خود (مودودی صاحب) ہی ہیں چنانچہ بڑی شان سے فرماتے ہیں۔" خواہ مغربی تعلیم و تربیت پائے ہوئے سیاسی لیڈر ہوں یا علمائے دین و مفتیان شرع متین دونوں قسم کے راہنما اپنے نظریئے اور پالیسی کے لحاظ سے یکساں گم کردہ راہ ہیں

دونوں راہ حق سے ہٹ کر تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں۔"

(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصّہ سوم صفحہ ۹۵)

مودودی صاحب زمانہ بھر کے علمائے دین اور مقتیان شرع متین کو گمراہ قرار دینے پر ہی اکتفا نہیں فرماتے بلکہ سلفِ صالحین، مفسّرین، محدثین، علمائے اُمّت حتیٰ کہ آئمہ مجتہدین پر بھی انہیں اعتبار نہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ۔ امام شافعی امام مالک اور امام احمد بن حنبل (علیہم الرضوان) میں سے کسی ایک پر بھی انہیں کامل اعتماد نہیں ہے، بلکہ مودودی صاحب بزعمِ خود جُملہ علوم کے اس قدر ماہر اور اُمورِ دین میں اتنے بلند مقام پر ہیں کہ وہ ان تمام بزرگانِ دین کے علم و فہم کو اپنے علم و فہم کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری جانتے ہیں، ان کی تحقیق کی چھان بین فرماتے اور ان کے علمی و دینی کارناموں پر بے لاگ تحقیقی و تنقیدی نگاہ ڈالنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں اور پھر بقول خود نیم مُلّا ہونے کے باوجود علومِ دین پر ماشاءاللہ اتنا عبور رکھتے ہیں کہ وہ سلفِ صالحین کی غلطیاں پکڑ لیتے ہیں۔"

فرماتے ہیں۔ "میں نہ مسلک اہلحدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ صحیح سمجھتا ہوں اور نہ حنفیت یا شافعیت کا پابند ہوں۔" (رسائل و مسائل صفحہ ۱۸۹ جلد ۱)

آگے ارشاد ہوتا ہے۔ "میرا طریقہ یہ ہے کہ بزرگانِ سلف کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی اور تنقیدی نگاہ ڈالتا ہوں۔ جو کچھ ان میں حق پاتا ہوں اسے حق کہتا ہوں۔ اور جس چیز کو کتاب و سنّت کے لحاظ سے یا حکمت عملی کے اعتبار سے درست نہیں پاتا اس کو صاف صاف نا درست کہہ دیتا ہوں۔"

(رسائل و مسائل صفحہ ۲۱۱ جلد ۲)

مودودی صاحب کی "تعلی" قابلِ غور ہے۔ اس نیم مُلّا اور نیم مسٹر کا مطلب یہ ہے کہ اس کے سوا پوری امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسّلام میں آج تک

کوئی بھی قرآن و حدیث کو سمجھنے والا پیدا نہیں ہوا ۔ مفسرین قرآن ۔ محدثین و شارحین حدیث ۔ علماء ۔ فقہاء اور آئمہ مجتہدین قرآن و سنت کے خلاف بھی فیصلے کرتے اور فتوے دیتے رہے ہیں اور تیرہ چودہ سو سال تک اُمّتِ مرحومہ کے سارے علماء' فضلاء' اولیاء اللّٰہ اور مسلمان بزرگانِ سلف کی اتّباع اور تقلید اختیار کرکے راہِ حق سے دور اور تاریکیوں میں بھٹک رہے ہیں"۔

(نعوذ باللّٰہ من ذالک)

یہی وہ جہل مرکب ہے۔ جس میں گرفتار ہونے کے باعث ابوالوہابیہ ابن عبدالوہاب نجدی نے تمام مسلمانوں کو مشرک و کافر ٹھہرایا تھا اور یہی وہ مہلک مرض ہے جس میں مودودی صاحب مبتلا ہیں ۔ مگر چونکہ ابن عبدالوہاب نجدی محض ایک اجڈ اور ادب سے بے بہرہ تھا اس لئے اس نے سیدھے سادھے الفاظ میں مسلمانوں کو تکفیر کا نشانہ بنادیا تھا اور اس کے مقابلے میں کیوں کہ مودودی صاحب ترقی یافتہ دور کی پیداوار اور ادیب بھی ہیں اس لئے یہ صاحب شیخ نجدی ہی کے مطلب کو تحریر کے ہیر پھیر اور لفّاظی کے پردوں میں لپیٹ کر برآمد فرماتے ہیں ۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "ایک قوم کے تمام افراد کو محض اس وجہ سے کہ وہ نسلاً مسلمان ہیں حقیقی معنی میں مسلمان فرض کرلینا اور یہ امید رکھنا کہ ان کے اجتماع سے جو کام بھی ہوگا اسلامی اصول ہی پر ہوگا ، پہلی اور بنیادی غلطی ہے ۔ یہ انبوہ عظیم جس کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس کے نوصد ننانوے فی ہزار افراد نہ اسلام کا علم رکھتے ہیں اور نہ حق اور باطل کی تمیز سے آشنا ہیں ۔ نہ ان کا اخلاقی نقطہ نظر اور ذہنی رویّہ اسلام کے مطابق تبدیل ہوا ہے ۔ باپ سے بیٹے اور بیٹے سے پوتے کو بس مسلمان کا نام ملتا چلا آرہا ہے ۔ اس لئے یہ مسلمان ہیں نہ انہوں نے حق کو حق جان کر قبول کیا ہے نہ باطل کو باطل جان کر اسے ترک کیا ہے"۔ (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش صفحہ ۱۳۰ جلد ۳)

مودودی صاحب کے اس اعلان سے صاف واضح ہے کہ ان کے نزدیک اپنی مخصوص "جماعت اسلامی" کے گنے چنے چند ارا کین ہی حقیقی مسلمان ہیں اور باقی سارے مسلمان حقیقتاً مسلمان نہیں ہیں۔ بعینہٖ یہی حال ابن عبدالوہاب نجدی کا تھا۔ وہ بھی اپنے گروہ میں شامل افراد کے سوا تمام مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیتا تھا۔ اور جب یہ صورت حال ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ مودودی صاحب اور اس کی پارٹی کے "صالحین" غیر حقیقی اور نسلی مسلمانوں سے مالی امداد اور چندے کی بھیک کیوں مانگا کرتے ہیں۔ زکوۃ، خیرات، صدقہ فطر اور قربانی کی کھالیں وصول کرنے کے لئے قدِ آدم اشتہارات شائع کر کے ان ہی کے دروازوں پر فقیرانہ صدائیں کیوں لگاتے ہیں۔ قدم قدم پر ان نام نہاد مسلمانوں سے تعاون کی اپیلیں کرتے وقت ان کی رگِ صالحیت کس لئے بے حس ہوجاتی ہے۔ اگر غور سے دیکھیں تو صاف نظر آتا ہے کہ مودودی صاحب اور ان کی جماعت صالحین کا از اول تا آخر گزارہ ہی عام مسلمانوں سے وصول شدہ سرمائے پر ہے۔ اور انہی مسلمانوں کے دَم سے ان کی جماعت اب تک زندہ ہے حتیٰ کہ انہی کی گردنوں پر پاؤں رکھ کر یہ گروہ صالحین کرسئ اقتدار پر چڑھ بیٹھنے کی تمنّا میں بے چین و مضطرب ہے۔ جب حقیقت یہ ہے تو پھر کہاں کا انصاف ہے کہ یہ گروہ صالحین اپنے محسن مسلمانوں کے خلاف دریدہ دہنی کا مظاہرہ کرے۔ ذرا دیکھئے تو سہی کہ ان صالحین کے دِلوں میں عام مسلمانوں کے متعلق کس قدر زہر بھرا ہے۔ اور مسلمانوں کے واجبُ الاحترام رہنماؤں اور پیشواؤں کے بارے میں ان کے قلوب کس قدر بغض و نفاق سے پُر ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

امیر الصّالحین مودودی صاحب فرماتے ہیں "۔ اہل حدیث۔ حنفی۔ دیوبندی۔ بریلوی۔ شیعہ۔ سنّی یہ سب اُمتیں جہالت کی پیداوار ہیں۔" (خطبات صفحہ ۱۲۳) نیز بڑے فخر کے ساتھ اعلان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "۔ اب تک میں نے کوئی چیز ایسی

نہیں لکھی جس پر کسی نہ کسی گروہ کو چوٹ نہ لگی ہو۔" (رسائل و مسائل صفحہ ۲۸۳)
اور دیکھئے۔"اَن پڑھ عوام یا دستار بند علماء یا خرقہ پوش مشائخ یا کالجوں اور یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات ان سب کے خیالات اور طور طریقے ایک دوسرے سے بدرجہا مختلف ہیں مگر اسلام کی حقیقت اور اس کی روح سے ناواقف ہونے میں سب یکساں ہیں۔" (تفہیمات صفحہ ۳۶ جلد ۱)

نیز یہ نیم مُلّا و نیم مسٹر مودودی صاحب لکھتے ہیں۔"یہ غریب تعلیم کے لئے جدید درسگاہوں میں جاتے ہیں تو وہ زیادہ تر غیر مخلص اور مکّار ملاحدہ یا نیم مُسلم و نیم مُلحد حضرات سے اِن کو پالا پڑتا ہے۔ قدیم مدارس کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں تو اکثر مذہبی سوداگروں کے ہتھّے چڑھ جاتے ہیں۔ دِینی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو خطیبوں اور واعظوں کی اکثریت انہیں گمراہ کرتی ہے۔ رُوحانی تربیّت کے طالب ہوتے ہیں تو پِیروں کی غالب اکثریت ان کے لئے راہِ خُدا کی راہزن ثابت ہوتی ہے۔" (جماعت اسلامی کا مقصد و تاریخ صفحہ ۱۰۳۔ ۱۰۴)

بزعم خود" امیر الصّالحین" کا نعرہ **اَنَا وَلَا غَیْرِی** ملاحظہ ہو۔"ان کی زندگی میں محمدّ صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ جھلک تک نظر نہیں آتی۔ کہیں مکمل فرنگیت ہے کہیں نہرو اور گاندھی کا اتباع ہے۔ کہیں جبّوں اور عماموں میں سیاہ دل اور گندے اخلاق لپٹے ہوئے ہیں۔ زبان سے وعظ اور عمل میں بدکاریاں، ظاہر میں خدمتِ دین اور باطن میں خیانتیں، غدّاریاں اور نفسانی اغراض کی بندگیاں۔ جمہور مسلمین بڑی بڑی امیدیں لے کر ہر نئی تحریک کی طرف دوڑتے ہیں مگر مقاصد کی پستیاں اور عمل کی خرابی دیکھ کر ان کے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔"

(سیاسی کشمکش صفحہ ۵۵ جلد ۱)

جہلِ مرکّب میں گرفتار مودودی کی نظر میں کوئی جچتا ہی نہیں۔ سجادہ نشینوں اور مشائخ کرام کی شان میں اس کی دریدہ دھنی ملاحظہ ہو۔"اس میں شک

نہیں کہ ہمارے ملک میں یہ طبقہ بہت زیادہ بااثر ہے اور لاکھوں کروڑوں آدمی اس سے وابستہ ہیں لیکن اس میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو واقعی صاحب خیر، خُدا ترس اور حق پسند ہیں۔ اکثریت اس طبقے میں ایسے لوگوں کی ہے جن سے زیادہ خُدا سے پھرے ہوئے لوگ غالباً دنیا میں نہیں ملیں گے۔ انہوں نے حق کے لئے صرف اپنے ہی کان نہیں بند کر رکھے ہیں بلکہ اپنے مریدوں اور معتقدوں کے کانوں اور دِلوں پر بھی مہریں لگا رکھی ہیں۔ انہیں دعوت دینے کا فائدہ یہ تو نہ ہوگا کہ وہ حق کی آواز پر لبیک کہیں گے اور اپنی نیم خدائی کو چھوڑنے پر آمادہ ہوجائیں گے۔ البتہ اس کا یہ نتیجہ ضرور ہوگا کہ ہم بھڑوں کے چھتّے میں خود پتّھر پھینک کر ان کو کاٹنے پر اکسائیں گے"۔ (روداد جماعت اسلامی صفحہ ۱۹۷ جلد ۳)

اس کے بعد اپنے کارکنوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ "بجائے اس کے کہ آپ ان حضرات کو خطاب کریں۔ آپ کو کوشش کرنی چاہیئے کہ ان کے معتقدین کے حلقوں میں صحیح دینی خیالات پھیلائیں اور ان کی کمزوریوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی تبلیغ میں احتیاط سے کام لیں۔ ان پیروں کا طلسم تو بہرحال ٹوٹنا چاہیئے ہمارے ہاتھ سے نہ ٹوٹے گا تو اشتراکیت کے ہاتھوں ٹوٹ کر رہے گا مگر ہماری دعا یہ ہے کہ یہ ہمارے ہاتھ سے ٹوٹے کیوں کہ اگر اشتراکیت کے ہاتھ سے یہ ٹوٹا تو ان پیروں کے ساتھ ساتھ دین بھی ٹوٹ جائے گا"۔ (روداد جماعت اسلامی صفحہ ۱۹۷۔ ۱۹۸ جلد ۳)

مودودی صاحب کی تہذیب کا ایک نمونہ اور دیکھ لیجیئے۔ ایک نافرمان اور نالائق نوکر کی مثال دے کر گل افشانی فرماتے ہیں۔ "مگر خدا کے جو نوکر ایسے ہیں ان کو آپ کیا کہا کرتے ہیں؟ کسی کو پیر صاحب اور کسی کو حضرت مولانا اور کسی کو دین دار متقی اور عبادت گزار یہ صرف اس لئے کہ آپ ان کے مُنہ پر پُورے ناپ کی داڑھیاں دیکھ کر، ان کے ٹخنوں سے دو دو انچ اونچے پاجامے دیکھ کر، ان کی پیشانیوں پر نماز کے گٹے دیکھ کر، ان کی لمبی لمبی نمازیں اور موٹی موٹی تسبیحیں

دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ بڑے دین دار اور عبادت گزار ہیں ۔ یہ غلط فہمی بھی اسی وجہ سے ہے کہ آپ نے عبادت اور دین داری کا مطلب ہی غلط سمجھا۔" (خطبات صفحہ ۱۳۱)

مسلمانوں کو کافر بنانے والے مودودی صاحب برملا اعلان کرتے ہیں ۔ "ہماری قوم میں منافقین کی ایک بڑی جماعت شامل ہے اور اس کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے۔ بکثرت اشخاص تعلیم یافتہ، صاحب قلم، صاحب زبان، صاحب مال و زر، صاحب اثر اشخاص ایسے ہیں جو دِل سے اسلام اور اس کی تعلیمات پر یقین نہیں رکھتے مگر نفاق اور قطعی بے ایمانی کی راہ سے مسلمانوں کی جماعت میں شریک ہیں۔ یہ اسلام سے عقیدتاً اور عملاً نکل چکے ہیں۔" (سیاسی کشمکش صفحہ ۲۲ جلد ۱)

گروہ صالحین کے امیر مزید گل افشانی فرماتے ہیں۔ "لیکن یہاں تو پاکستان سے لے کر ہندوستان تک ہر طرف پمفلٹوں، اشتہاروں اور مضامین کی ایک فصل اُگ رہی ہے جس میں کمیونسٹ ۔ سوشلسٹ ۔ فرنگیت زدہ ملحدین ، منکرینِ حدیث، اہل حدیث ، بریلوی و دیوبندی سب ہی اپنے شگوفے چھوڑ رہے ہیں اور آئے دن نئے نئے شگوفے چھوٹتے رہتے ہیں ۔ ہم کہتے ہیں یہ شیطان کی فصل ہے، وہی اسے کاٹے گا۔" (رسائل و مسائل صفحہ ۴۹۷ جلد ۲)

نیز مودودی صاحب امیر الصّالحین کی شُستہ کلامی و تہذیب کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو۔ "افلاس، جہالت اور غلامی نے ہمارے افراد کو بے غیرت اور بندۂ نفس بنا دیا ہے ۔ وہ روٹی اور عزّت کے بھوکے ہورہے ہیں ۔ ان کا یہ حال ہوگیا ہے کہ جہاں کسی نے روٹی کے چند ٹکڑے اور نام و نمود کے چند کھلونے پھینکے یہ کتّوں کی طرح اس کی طرف لپکتے ہیں اور ان کے معاوضے میں اپنے دین و ایمان اپنے ضمیر، اپنی غیرت و شرافت، اپنی قوم و ملّت کے خلاف کوئی خدمت بجا لانے ہیں ان کو باک نہیں ہوتا۔" (سیاسی کشمکش صفحہ ۲۱ جلد ۱)

مزید فرماتے ہیں۔ "غرض آپ اس نام نہاد مُسلم سوسائیٹی کا جائزہ لیں گے

تو اس میں آپ کو بھانت بھانت کا مسلمان نظر آئے گا۔ مسلمان کی اتنی قسمیں ملیں گی کہ آپ شمار نہ کرسکیں گے۔ یہ ایک چڑیا گھر ہے جس میں چیل، کوّے، گدھ، بٹیر، تیتر اور ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں اور ان میں سے ہر ایک "چڑیا" ہے۔ (سیاسی کشمکش صفحہ ۳۱ جلد ۳)

نام نہاد صالحین کے امیر کی تہذیب و شرافت کے مختصراً چند نمونے پیش خدمت کئے گئے ہیں تاکہ ناظرین ان کے متعلق کسی غلط فہمی میں نہ رہ جائیں ؎

اند کے باتو گفتم و بدل ترسیدم
کہ آزردہ خاطر نہ شوی ورنہ سخن بسیار است

مودودی صاحب کی تحریروں سے ثابت ہوا کہ ابن عبدالوہاب نجدی اور مودودی صاحب یک جان دو قالب ہیں۔ ان کے نظریات اور مقاصد میں کچھ فرق نہیں۔ شیخ نجدی کی طرح مودودی صاحب بھی خوارج کے مشن کی تکمیل میں مصروف ہیں۔ اگر ان دونوں میں کچھ فرق ہے تو صرف یہ کہ شیخ نجدی کو امیر ابن سعود کے تعاون سے کسی قدر کامیابی حاصل ہوگئی تھی۔ مگر بے چارے مودودی صاحب کو تاحال ایسا کوئی سنہرا تعاون حاصل نہیں ہوسکا اور ہزاروں پاپڑ بیلنے کے باوجود اپنے اصل مقصد میں ناکام رہے ہیں اور اپنی تمناؤں اور حسرتوں کو سینہ میں دبائے دم بخت ہورہے ہیں۔ نیز وہ مسلمانوں پر برس بھی اسی لئے رہے ہیں کہ ان ناقدر شناسوں نے صُمٌّ بُکْمٌ عُمْیٌ ہوکر قیادت کا تاج ان کے سر پر کیوں نہیں رکھ دیا اور ان کے امیرالمومنین بننے کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کیوں نہیں کردیا۔

اگر مودودی صاحب کا کوئی حامی یہ کہے کہ اُمّتِ مسلمہ کی حالت واقعی بگڑ چکی ہے اور مودودی صاحب مصلح قوم کی حیثیت سے ان کی خامیوں کی نشاندہی فرمارہے ہیں، تو عرض ہے کہ وہ کونسی خامی یا خرابی ہوسکتی ہے جو خود ان میں

اور ان کی جماعت میں نہ پائی جاتی ہو۔ اگر کوئی شخص ان کی خامیوں اور خرابیوں اور بے اصولیوں سے باخبر ہونا چاہتا ہو تو ان کے قول اور عمل کو غور سے دیکھے یا پھر ان حضرات سے پوچھے جو ان کی خدمتِ دین کے دلکش نعروں سے متاثر ہوکر صدق دل سے ان کی جماعت میں شامل ہوگئے تھے۔ اور جماعت کے اعلیٰ ترین مناصب پر فائز بھی ہوچکے تھے۔ مگر انکے حالاتِ درونِ خانہ سے واقف ہوجانے کے بعد مایوس اور بددِل ہوکر یکے بعد دیگرے جماعت سے علیحٰدہ ہوگئے۔

چنانچہ سب سے پہلے منظور احمد نعمانی ایڈیٹر رسالہ "الفرقان" لکھنؤ جو جماعت کے سرگرم رکن تھے۔ ان کی دھاندلیوں سے متنفر ہوکر مستعفی ہوگئے اور ان کے زیرِ اثر سینکڑوں افراد رفتہ رفتہ سرکتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ امیر جماعت صُوبہ پنجاب، سعید ملک نے بھی جماعت سے بیزاری کا اعلان کردیا۔ رہی سہی کسر امین احسن اصلاحی نے پُوری کردی اور مودودیت سے تائب ہوگئے اور یہی نہیں بلکہ اخبارات میں اعلان کردیا کہ اس جماعت کو جماعتِ اسلامی کہنا ہی غلط ہے۔ اس کے علاوہ مولوی عبدالرحیم صاحب اشرف ایڈیٹر رسالہ 'المنیر' و امیر حلقہ لائلپور نے جماعت سے علیٰحدگی کا اعلان کردیا۔ نیز سید ابوالحسن ندوی جعفر شاہ ندوی (یکے از بانیان جماعت) مولوی عبدالغفار حسن' سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان' عبدالجبار غازی سابق امیر جماعت اسلامی پاکستان۔ سردار محمد اجمل خان لغاری رکن مرکزی شوریٰ مولوی عبدالحق جامعی، سابق امیر حلقہ بہاولپور۔ راؤ خورشید علی خاں ایم۔ پی۔ اے ارشاد احمد حقانی ایڈیٹر تسنیم محمد عاصم الحداد سابق ناظم دارالعربیہ اور جناب کوثر نیازی صاحب۔ سابق امیر جماعت اسلامی حلقہ لاہور۔

یہ وہ حضرات ہیں جو جماعتِ اسلامی کے چوٹی کے لیڈر تھے اور بقول کوثر نیازی یہ وہ راہنما ہیں جو مودودی صاحب کے بعد جماعت کا اصل سرمایہ اور اثاثہ سمجھے جاتے تھے۔ کاش کہ مودودی صاحب کے اندھے مقلّدوں کو یہ سوچنے کی

توفیق نصیب ہوتی کہ کیا ان سب قائدین کے دماغ خراب ہوگئے تھے؟ کیا یہ سب بِک گئے تھے؟ کیا یہ سب بددیانت تھے؟ کیا یہ سب دین سے ناواقف تھے؟ اگر ان سب میں دیانت مشکوک تھی، ان سب کا علم ناقابلِ اعتماد تھا جو اپنے اپنے وقت میں جماعت کے ستون تھے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ عوام جماعت کے باقیماندہ تنخواہ دار کارکنوں کے علم و دیانت پر بھی کیوں بھروسہ کریں۔" (کتاب "میں نے جماعتِ اسلامی کیوں چھوڑی" (صفحہ ۳۔۴۔ از کوثر نیازی)

"مودودی" سیرتِ مصطفویؐ سے بیزار زندگی رکھنے والا فرد

مولانا منظور نعمانی جو جماعت اسلامی کے بنیادی ارکان میں سے ہیں، اپنی علیحدگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "کاش! ہم لوگوں کی غلطی اور وقت کا ضیاع دوسروں کے لئے باعثِ عبرت ہو، غازی عبدالجبار اور حکیم عبدالرحیم اشرف بھی پُرانے ساتھی تھے جو الگ ہوگئے۔ اس لئے کہ سیرت مصطفویؐ سے بیزار زندگی رکھنے والے فرد کی اچھی اچھی باتیں سُن کر جماعت میں شامل ہونے والے افراد کا آخر کار غیر مطمئن ہوکر نکلنا بالکل قدرتی بات ہے۔ اللہ کی شان کہ مودودی صاحب معترضین کا منہ بند کرنے کے لئے اپنے جن ساتھیوں کی رفاقت کا فخر سے ذکر کرتے تھے، وہ سب ایک ایک کر کے الگ ہوگئے۔ ایک عرصہ تک میری بھی رائے تھی کہ جماعت کے کام میں "خیر" کا پہلو غائب ہے لیکن اب علم و اندازے کے بعد میرا یہ خیال بدل گیا ہے۔ اب حلقہ جماعت میں شامل لوگوں کی ذہنیت یہ ہے کہ اسلام کے تقاضوں کو اسلاف نے نہیں سمجھا، مودودی صاحب نے سمجھا ہے اور ظاہر ہے کہ فہمِ دین کے بارے میں سلف سے بے اعتمادی ساری گمراہیوں اور فتنوں کی جڑ ہے۔" (خلاصہ اقتباس از جماعت اسلامی سے مجلس مشاورت تک)

توبہ نامہ

مولانا صبغۃ اللہ بختیاری جماعتِ اسلامی کے ممتاز راہنما تھے لیکن بالآخر

جماعت کی بداعتقادیوں کی وجہ سے تنگ آکر جماعت سے علیٰحدگی اختیار کر گئے اور باقاعدہ توبہ نامہ اخبارات میں شائع کروایا۔

اگر میں جماعت سے نہ نکلتا تو میری رُوح خُدا سے شرمندہ ہوتی اور میرا ضمیر مُردہ ہو جاتا

مولانا امین احسن اصلاحی سابق مرکزی نائب امیر جماعتِ اسلامی کے بانی رُکن اور مودودی کی تعریف میں ہمیشہ رطبُ اللسان رہتے تھے۔ ان کے رویّہ میں پندرہ سال بعد یہ تبدیلی آخر کن تجربات و احساسات کی مرہونِ منّت ہے؟ اس کا جواب مولانا امین احسن اصلاحی کے ان خطوط سے مل جاتا ہے جو انہوں نے مودودی صاحب کو لکھے تھے۔ انہوں نے ایک خط مودودی صاحب کو بھیجنے کے بعد سائیکلو اسٹائل کرا کے شوریٰ کے اراکین کو بھیجا تھا۔ اس کے صفحہ نمبر ۵ پر لکھتے ہیں۔"شق نمبر ۱۰۔ ان سارے تجربات کے بعد اب میں کس مقصد کے لئے جماعت میں پڑا رہتا؟ میں نہ تو"انقلابِ قیادت" کے نعرہ کو اسلامی انقلاب کا ذریعہ سمجھتا ہوں اور نہ ووٹ حاصل کرنے کی بھاگ دوڑ کو اصلاحِ معاشرہ کا واسطہ۔ جماعت کا موجودہ دستور نہ شورائی ہے نہ جمہوری۔ پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مجھے"امیر جماعت" کے نہ عدل پر بھروسہ ہے، نہ ان کی تنہا بصیرت پر، نہ دستورِ جماعت کے ساتھ ان کی وفاداری پر۔ آگے چل کر لکھتے ہیں"مجھے یہ توقع نہیں ہے کہ آپ جماعت کے بعض نادان حامیوں کی طرح جماعت اسلامی کو وہ"الجماعت" سمجھتے ہوں کہ جس سے نکلنا جہنّم کی وعید کا مستوجب ہو یا جس کو چھوڑنے کے لئے جماعت کی طرف سے کسی کُفرِ صریح کا اعلان ہو۔ یہ جماعت اقامتِ دین کے لئے اُٹھی تھی۔ اگر کسی پر یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ وہ اس کے لیڈروں نے اس کو اس راہ سے ہٹا کر غلط راہ پر ڈال دیا ہے، تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس اصلاح کی کوشش کرے اور اگر دیکھے کہ اس کی کوشش کی راہ مسدود ہو چکی ہے، تو اس سے الگ

ہوجائے۔ میں نے اپنے امکان کی حد تک اس کی اصلاح کی کوشش کی۔ لیکن جب مجھے اس میں کامیابی نہیں ہوئی تو اس سے الگ ہوگیا ہوں. مجھے خدا نے دِین اور دُنیا کا تھوڑا بہت جو علم دیا ہے۔ میں نے جو کچھ کیا ہے۔ اس کی راہنمائی میں کیا ہے۔ میں اگر ایسا نہ کرتا تو میری رُوح خدا سے شرمندہ ہوتی اور میرا ضمیر مُردہ ہوجاتا اور شاید آئندہ نسلیں مجھ پر لعنت بھیجتیں"۔

مولانا امین احسن اصلاحی مورخہ ۱۳ار جنوری ۱۹۵۸ء کو ایک خط میں مودودی کو لکھتے ہیں۔ " مجھے جماعت کی موجودہ پالیسی' اس کے موجودہ نظام اور اس کے موجودہ دستور سے اتّفاق نہیں ہے' اور بد قسمتی سے آپ پر بھی آپ کے بعض اقدامات کے سبب سے مجھے اعتماد باقی نہیں رہا ہے۔ جماعت کے کچھ مخلصین جو اصلاحِ احوال کی کوشش کر رہے تھے، اب وہ بھی اپنی کوشش میں ناکام ہوکر مجھے اپنی مایوسی کی اطلاع دے چکے ہیں۔ اس وجہ سے نہایت افسوس کے ساتھ اب میں جماعت کی رُکنیت سے استعفیٰ دیتا ہوں"۔

مودودی صاحب خود کو اسلام کا قائم مقام سمجھتے ہیں اور اسلام پر ہی ہاتھ صاف کرتے ہیں

مولانا امین احسن اصلاحی اپنے ایک خط میں مودودی صاحب کو لکھتے ہیں۔

شق نمبر ۵۔ میں جماعت کے متعلق یہ خیال نہیں رکھتا کہ وہ خوشامدیوں کی جماعت ہے یا آپ کے مُریدوں کی ہے؟ میں جماعت کے اندرونی احساسات سے آپ سے زیادہ واقف ہوں۔ میں خوشامدی صرف انہی افراد کو سمجھتا ہوں جو فی الواقع خوشامدی اور جن کے کارنامے ان کے اس وصف کے گواہ ہیں اور پیری کی گدّی اس جدید نظام کو سمجھتا ہوں جس کی بساط اب آپ نے بچھائی ہے اور جماعت جس کے نتائج سے بے خبر ہے۔

شق نمبر ۶۔ جو لوگ جماعت سے نکلے یا نکالے گئے ہیں، میرا ان کے ساتھ

تعلق ڈھکا چھُپا نہیں ہے۔ میں اُن سے برائت کرنا گناہ سمجھتا ہوں۔ میرے نزدیک یہ سب لوگ آپ کے استبداد کے شکار ہوئے ہیں۔ اگر ان میں سے کسی نے غلط حرکت کی بھی ہے تو محض آپ حضرات کی بے تدبیریوں سے مشتعل ہوکر کی ہے۔ میرے نزدیک آپ لوگوں نے ملک سعید کے ساتھ بھی زیادتی کی ہے۔ ان کی غلطی ہے تو یہ کہ انہوں نے آپ کی اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی کوشش کی۔ میں نے اگر انکی کسی بے جا حرکت پر پیٹھ ٹھونکی ہو تو مجھ پر خُدا کی لعنت ہو۔

شق نمبر ۷۔ آپ اپنے کو نہ صرف "جماعت اسلامی" کا قائم مقام سمجھتے ہیں بلکہ خود اسلام کا بھی قائم مقام سمجھنے لگے ہیں۔ آپ کے نزدیک اگر آپ کی کسی حرکت پر کسی کو اعتراض ہو تو وہ جماعت پر اعتراض ہے۔ اور جب یہ جماعت پر اعتراض ہے تو اسلام پر اعتراض ہے۔ اس طرح آپ اپنا یہ ذہن بنائے بیٹھے ہیں کہ آپ کی ذات اگر کبھی زیرِ بحث آئے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس ملک میں اقامتِ دین کا سارا کام درھم برھم ہوجائے گا اور لادینی طاقتیں غالب ہوجائیں گی۔

میں آپ سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ آپ سوچنے کے اس انداز کو بدلیں، خدا نے اسلام کو نہ آپ کے ساتھ باندھا ہے، نہ جماعت اسلامی کے ساتھ اور نہ کسی اور کے ساتھ اگر آپ اسلام کا کام کرنے اٹھے ہیں تو خُدارا اس کی یہ قیمت نہ مانگیۓ کہ اگر آپ اسلام پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگ جائیں تو بھی لوگ اس کو جاننے کے باوجود چُپ رہیں۔ کیونکہ اس سے اقامتِ دین کے جہاد کو نقصان پہنچ جائے گا۔

ووٹوں کی خرید و فروخت کے جواز کی خاطر قرآن میں تحریف

مولانا عبدالرحیم اشرف جماعت اسلامی کے ممتاز اور صفِ اوّل کے رہنما رہ چکے ہیں۔ آپ ہفت روزہ "المنبر" (سابق المنیر) کے ایڈیٹر ہیں۔ جماعت اسلامی سے نکلنے کے بعد انہوں نے ۱۸ اگست ۱۹۵۸ء کو "المنیر" میں یک اداریہ تحریر کیا ہے جس

میں نظام اسلام پارٹی اور جماعتِ اسلامی کے درمیان ہونے والے معاہدہ پر تبصرہ کرتے ہوئے جماعتِ اسلامی پر ماضی میں ووٹوں کی خرید و فروخت کا الزام بھی لگایا تھا۔ اس الزام پر مودودی صاحب کافی چراغ پا ہوئے اور اس سے انکار کردیا۔ اس پر جماعتِ اسلامی کے ایک کارکن نے صحیح صورت حال پر مولانا عبدالرحیم اشرف کو ایک خط لکھا۔ یہ خط اور مولانا عبدالرحیم اشرف کا جواب چوہدری حبیب احمد اپنی کتاب "جماعتِ اسلامی کا رُخِ کردار" میں شامل کیا ہے۔

سائل کے جواب میں مولانا عبدالرحیم اشرف صاحب لکھتے ہیں "روپے دے کر ووٹ حاصل کرنے کے سلسلہ میں مولانا مودودی صاحب کے بارے میں "المنیر" میں جو کچھ لکھا گیا ہے، وہ ایک واقعہ ہے جو مرکزی شوریٰ کے اجلاس میں ظہور پذیر ہوا۔ اصل قصّہ یوں ہے کہ بہاولپور کے گذشتہ انتخابات کے موقعہ پر وہاں کی جماعت نے بعض ایسے اقدامات کئے تھے جو مرکزی پالیسی کے خلاف تھے۔ ان میں حسبِ ذیل امور خصوصی اہمیت کے حامل تھے۔ ۱۔ ووٹروں کے لئے سواریاں مہیا کی گئیں۔ ۲۔ ووٹروں کو کھانا کھلایا۔ ۳۔ ووٹروں کو نقد پیسے دئے گئے۔ یہ تینوں باتیں متعدد بار مرکزی شوریٰ میں زیر بحث آئیں۔ ایک شوریٰ میں دورانِ بحث معلوم ہوا کہ ووٹروں کے لئے سواریاں مہیا کرنے کے سلسلے میں "امیر جماعت" سے اُن کے دورۂ بہاولپور کے موقع پر اجازت حاصل کی گئی تھی۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ ووٹروں کو جو نقد پیسے دیئے گئے تھے وہ "نشے پانی" کے لئے تھے۔ اس طرح یہ انکشاف بھی ہوا کہ انتخابات کے جو حسابات جماعت بہاولپور نے الیکشن کمشنر کو دیئے، وہ درست نہ تھے اور یہ اس لئے کہ اگر صحیح حسابات دیئے جاتے تو مصارف سرکاری متعینہ رقم سے زیادہ تھے اور اِس بناء پر جماعت کے نمائندوں کے خلاف پٹیشن کامیاب ہوسکتی تھی۔ نقد پیسوں کے متعلق امیر جماعت (مودودی) نے فرمایا "قرآن مجید" میں "مؤلفة القلوب" کا جو حصّہ رکھا

گیا ہے اس کا مصرف یہ لوگ (ووٹر) کیوں نہیں ہو سکتے ؟ میں نے اس پر ایک آہِ سرد بھری اور ورطہ، حیرت ہی میں گمُ ہوگیا۔ اس کے بعد اسی شوریٰ کے موقع پر شوریٰ کے اجلاس کے باہر اکثر ارکان شوریٰ کے سامنے میں نے اس بات کا بڑے افسوس کے ساتھ ذکر کیا کہ اب ان باتوں کے لئے قرآن سے استدلال کی حد تک پہنچ چکے ہیں۔ یہ واقعہ مجھے صرف یاد ہی نہیں اس کی درد اور ٹیس بھی اس وقت سے آج تک اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں۔" مودودی صاحب نے اپنی " تفہیم القرآن" میں صفحہ ۲۰۶ جلد ۲ پر بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی کی
مولانا کوثر نیازی کے بیان کی تصدیق

مولانا کوثر نیازی نے جماعت اسلامی سے علیٰحدگی کے وقت اخبارات میں مودودی صاحب سے اپنی خط و کتابت اور بیان شائع کرایا تھا۔ اس پر ایڈیٹر میثاق' امین احسن اصلاحی نے اپنی طرف سے پیش لفظ تحریر کیا۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔ "کوثر صاحب ان لوگوں میں سے ہیں، جنہوں نے پُورے سترہ سال ہر طرح کے نرم گرم حالات میں جماعت کے ساتھ گزارے ہیں۔ ان کا ہفتہ وار اخبار" شہاب" جماعت کا نہایت سرگرم حامی رہا ہے۔ اور اِدھر ایک عرصے سے خود ان کا شمار بھی جماعت کے صفِ اوّل کے لیڈروں میں ہوتا رہا ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ قارئین "میثاق" ان تحریروں میں" جماعتِ اسلامی" کے باطن کا ایک عکس دیکھ سکیں گے۔ اور اس سے ہمارے ان خیالات کی تصدیق ہوگی، جو ہم نے اس جماعت سے متعلق "میثاق" کے پچھلے چند شماروں میں ظاہر کئے ہیں۔ (" میں نے جماعت اسلامی کیوں چھوڑی " صفحہ ۷۔۸)

مودودی صاحب جو تمام مسلمانوں " ان کے سیاسی اور مذہبی راہنماؤں کو جہالت کی پیداوار، اسلام کی حقیقت اور اس کی رُوح سے بے خبر نام نہاد مسلمان

اور شیطان کی فصل قرار دیتے ہیں۔ علماء کو مذہبی سوداگر اور مشائخ کو راہِ خُدا کے راہزن کہتے نہیں شرماتے خود ان کی حالت یہ ہے کہ ؎

کروں بُت کدے میں اگر بیاں تو کہیں صنم بھی ہری ہری

مندرجہ بالا اقتباسات میں ناظرین مودودی صاحب کی شستہ کلامی اور ان کی تہذیب و شرافت کے چند نمونے دیکھ چکے ہیں۔اب بمصداق "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" جماعتِ اسلامی کے سابق بڑے لیڈر مولانا کوثر نیازی کے بیان کی روشنی میں

جماعتِ اسلامی کے اندرونی حالات کا عکس

بھی ملاحظہ فرمائیں : میں کچھ عرصہ سے جماعتِ اسلامی کے داخلی نظم کی خامیوں، اس کی تباہ کن سیاسی پالیسیوں اور بعض گمراہ کُن افکار و نظریات کے بارے میں اپنی بے اطمینانی اور بے چینی کا اظہار جماعتِ اسلامی پاکستان کے امیر مولانا مودودی صاحب سے زبانی اور تحریری دونوں صورتوں میں کرتا رہا ہوں اور میں نے پوری کوشش کی ہے کہ جماعت میں رہتے ہوئے اصلاحِ احوال کی کوشش کروں مگر افسوس کہ میری یہ ساری کوششیں بے سُود ثابت ہوئیں اور بالآخر مجھے یہ تکلیف دہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے کہ میں جماعت سے اپنا تعلق منقطع کرلوں۔" (میں نے جماعتِ اسلامی کیوں چھوڑی صفحہ ۹۔۱۰)

جماعت کی دینی اور جمہوری حالت اس وقت یہ ہے کہ صدارتی انتخابات کے موقع پر پچھلے دنوں جماعت کی مجلس مشاورت نے جو قرارداد پاس کی تھی وہ جیل میں مولانا مودودی نے لکھی تھی اور اسے لفظ بہ لفظ مجلس مشاورت کا فیصلہ قرار دے کر جمہوریت کا منہ چڑایا گیا تھا۔ جماعت بنیادی جمہوریتوں پر تنقید اور بلغ رائے دہی کا مطالبہ کرتی ہے مگر خود اس نے اپنے نظام میں اس طرح کی درجہ بندی قائم کررکھی ہے اور ہزاروں کارکنوں میں سے صرف پندرہ سو ارکان کو ووٹ کا حق دیتی ہے۔ جماعت پر تنخواہ دار لیڈر شپ مسلّط ہے۔ اس کا ہر دسواں رکن

تنخواہ دار ہے۔ حد یہ ہے کہ اس ہیئتِ حاکمہ مجلس عاملہ تک کے ارکان جن میں سب امرائے حلقہ شامل ہیں سب کے سب تنخواہ دار ہیں اور مولانا مودودی انہیں شوریٰ میں سے نامزد کرتے ہیں۔ اگر کوئی رکن جماعت کی پالیسی تبدیل کرنے کے لئے جماعت کے اندر بھی اظہارِ رائے کردے تو جماعتی دستور کی رُو سے جماعت کا عہدیدار نہیں رہ سکتا۔ سیاسی بے تدبیروں کا عالم یہ ہے کہ ایک طرف واضح اصولی اور بنیادی اختلافات اور ارکان جماعت کی بے چینی کے باوجود جماعت "متحدہ محاذ" میں شامل ہوگئی۔ اور دوسری طرف صرف ایک ٹکٹ نہ ملنے کی وجہ سے اس نے محاذ میں رہتے ہوئے محاذ کے پارلیمانی بورڈ سے علیحدگی کا اعلان کردیا۔ جماعتِ اسلامی کے بگاڑ کا مسئلہ اگر سیاسی میدان تک ہی محدود رہتا تو ممکن تھا کہ اسے مزید کچھ دیر کے لئے برداشت کرنے کی کوشش کی جاتی۔ لیکن بدقسمتی سے نوبت اب یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ سیاسی مصلحتوں کے لئے واضح شرعی حرمتوں کو سراسر غلط اور ناجائز طور پر "ابدی" اور غیر ابدی حرمتوں میں تقسیم کرنے کی جسارت کی جارہی ہے اور جماعت کے جبری نظام میں اس کے خلاف آواز اٹھانے کی گنجائش بھی نہیں چھوڑی گئی"۔ (کتاب مذکور صفحہ ۱۱۔۱۲)

ناظرین غور فرمائیں کہ مودودی صاحب جو یہ اعلان فرماتے ہیں کہ "میرا طریقہ یہ ہے کہ بُزرگانِ سلف کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی اور تنقیدی نگاہ ڈالتا ہوں اور جو کچھ ان میں حق پاتا ہوں اسے حق کہتا ہوں اور جس چیز کو کتاب و سنّت کے لحاظ سے یا حکمتِ عملی کے اعتبار سے درست نہیں پاتا، اس کو صاف صاف نادرست کہہ دیتا ہوں۔ اس سے ان کی غرض یہ ہے کہ وہ مِلّتِ اسلامیہ کے مسلمہ اُصولوں سے آزاد ہوکر "شترِ بے مہار" بن جائیں اور اپنے جائز و ناجائز مقاصد کے تحت قرآن و حدیث کے مطالب اور واضح احکام کو حسب ضرورت و منشاء ڈھال کر عوام کو یہ باور کرائیں کہ موجودہ حالات کے پیش نظر

قرآن و حدیث کا یہی حکم ہے۔ بہ الفاظ دیگر قرآن و حدیث میں تحریف کا حق اپنے لئے محفوظ کرلینا چاہتے ہیں۔ اور اسی تبدیلی احکام کو وہ اپنی مخصوص اصطلاح میں "حکمت عملی" سے تعبیر کرتے ہیں اور پھران کی یہ جسارت دیکھئے کہ اپنی اس "حکمت عملی" کے سامنے بُزرگانِ سلف کی قرآن و سنّت کے لحاظ سے حق بات کی بھی کچھ پرواہ نہیں کرتے اور ان کی حق بات کو بھی صاف صاف نادرست کہہ دیتے ہیں اور پھر اپنے مَن گھڑت اصول کے تحت محض سیاسی مصلحتوں کی خاطر واضح شرعی حُرمتوں کو اَبدی اور غیر اَبدی حُرمتوں میں تقسیم کرکے حرام کو حلال کرلینے کا راستہ نکال لیتے ہیں۔ جس کی شکایت بجا طور پر مولانا کوثر نیازی کر رہے ہیں۔

مودودی صاحب کا مطلب یہ ہے کہ قرآن و حدیث میں بعض امور وہ ہیں جنہیں ہمیشہ کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے اور بعض امور ایسے ہیں جنہیں قرآن و حدیث میں اگرچہ واضح طور پر حرام قرار دیا گیا ہے مگر وہ ہمیشہ کیلئے حرام نہیں بلکہ وقتی ضرورت، ذاتی اور گروہی مصلحت اور اپنی "حکمت عملی" کے مُطابق حرام کو حلال ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ یہی وہ اُصول ہے جس پر خوارج اور وہابیہ عامل ہیں۔

مولانا کوثر نیازی صاحب، مودودی کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں۔

"حُرمتوں میں اَبدی اور غیر اَبدی کی یہ تقسیم مان لینے کے بعد ہمارا مؤقف منکرینِ حدیث کے گمراہ کُن نظریہ سے بھی زیادہ خطرناک ہوجاتا ہے۔ منکرینِ حدیث کا نظریہ یہی تو ہے کہ وہ فقط قرآن میں بیان کردہ حُرمتوں کو اَبدی مانتے ہیں حدیث کی حُرمتیں ان کے نزدیک غیر اَبدی ہیں۔ مگر ہم یہ کہہ کر ان سے بھی دو قدم آگے بڑھ جاتے ہیں کہ نہیں ساری حرمتیں قرآن کی بھی اَبدی نہیں۔ حرمتیں قرآن کی ہوں یا حدیث کی، سب کی سب اَبدی اور غیر اَبدی کے خانوں میں تقسیم ہیں"۔ پھر ذرا آگے چل کر لکھتے ہیں۔ "مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ دروازہ کھول کر ہم نے تجدّد پسندوں کو دِین کی پامالی کا اذنِ عام دے دیا ہے"۔

(کتاب مذکورہ صفحہ ۱۹۔۲۰)

کوثر نیازی صاحب، مودودی صاحب کے نام اپنے خط میں بڑی صاف گوئی سے لکھتے ہیں۔ "محترم مولانا اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ دوسری بہت سی اُصولی غلطیوں کے علاوہ ہم نے عورت کی صدارت کے مسئلہ میں جو رَوِش اختیار کی، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی جو سزا ملے گی اس کا مسئلہ تو الگ ہے۔ اس دنیا میں بھی اندرون و بیرون ملک ہماری دینی حیثیت ختم ہو چکی ہے۔ اگر ہمیں صدر ایوب کی مخالفت کرنی ہی تھی اور محترمہ فاطمہ جناح کا ساتھ دینا ہی تھا تو سیاسی اور جمہوری ضرورتوں کا اظہار کر کے ایسا کیا جا سکتا تھا مگر اس کے لئے ہم نے غریب اسلام پر جو نوازش کی ہے اور حُرمتوں کی اَبدی اور غیر اَبدی تقسیم کا جو نیا نظریہ پیش کیا ہے اس کے بعد دینی حلقے تو ایک طرف رہے، دوسرے غیر جانبدار عناصر حتیٰ کہ اپوزیشن تک کے بعض نمایاں افراد ہمیں "ابن الوقت" اور سیاست کی خاطر دین میں ترمیم و تحریف کرنے والا تصوّر کرنے لگے ہیں۔" (کتاب مذکور صفحہ ۱۹)

اور پھر اسکے بعد لکھتے ہیں۔ "مجھے اس سے پیشتر آپ کے نظریۂ حکمت عملی کے ان خطرناک پہلوؤں کا اندازہ نہ تھا۔ جماعت سے نکلنے والے بعض اکابر اس پر گرفت کرتے تھے تو میں اسے مخالفت اور تعصّب پر محمول کرتا تھا۔ مگر صدارتی انتخابات میں پیش ہونے والے اس نئے نظریہ نے مجھے ہلا کر رکھ دیا ہے اور میں یہاں تک سوچنے لگا ہوں کہ کیا آپ کا پہلا نظریۂ حکمتِ عملی انہی مضمرات کا حامل تو نہ تھا۔" (کتاب مذکور صفحہ۔) کوثر نیازی صاحب کے بیان کی روشنی میں

مودودی صاحب کی حکمت عملی کے تحت قلابازیاں

ملاحظہ فرمائیے " جماعتِ اسلامی کے ایک زمانے میں الیکشن کو حرام سمجھتی تھی۔ مگر جب قیامِ پاکستان کے بعد پہلی مرتبہ اس نے الیکشن میں حصّہ لینے کا فیصلہ کیا تو مودودی صاحب نے فتویٰ دیا کہ الیکشن میں اُمیدوار بن کر کھڑا ہونا

حرام ہے اور جو ایسا کرتا ہے، وہ بد دیانت ہے۔ جماعت کے اہلِ علم نے ان سے اختلاف کیا اور انہیں سمجھایا کہ اس طرح تو بڑے بڑے انبیاء و صلحا بھی اس فتوے کی زد میں آجائیں گے مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السّلام نے عزیزِ مصر سے خود یہ مطالبہ کیا تھا کہ مجھے مصر کے مالی معاملات کا انچارج بنا دیجئے۔ میں امین ہوں۔اسی طرح آخرت کے ساتھ ساتھ دنیوی سربلندی کے لئے صلحاء و اتقیاء کی دعائیں موجود ہیں۔ ان سے یہ بھی کہا گیا کہ حضرت علی مرتضےٰ بھی امیدوارِ خلافت تھے مگر ان سارے دلائل کے باوجود مودودی صاحب اپنے خود ساختہ نظریئے پر قائم رہے اور انہوں نے جماعتی امیدوار کھڑا کرنے کے بجائے الیکشن میں حصّہ لینے کے لئے ایک عجیب و غریب پنچائیتی نظام قائم فرمادیا۔ الیکشن کا نتیجہ حسب توقع مایوس کُن تھا۔ ایک کے سوا کوئی بھی صالح نمائندہ منتخب نہ ہوسکا۔

اگلے الیکشنوں کی تیاری شروع ہوئی تو مودودی صاحب کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اہل حق کا طریقہ یہ ہے کہ ان پر غلطی واضح ہوجائے تو وہ کھلّم کھلّا اس سے رجوع کا اعلان کرتے ہیں مگر امیر الصالحین نے یہ رستہ اختیار کرنے کے بجائے دین کے نام پر ایک اور خود ساختہ نظریہ ایجاد کرلیا۔ جسے ان کی زبان میں "حکمتِ عملی" کا نظریہ کہتے ہیں۔ مودودی صاحب نے اس کی تشریح یہ فرمائی کہ ایک ہوتا ہے اصول، ایک ہوتا ہے مصلحت اور حکمت کا تقاضا۔ اسلامی تحریک کے قائد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اُصول اور حکمتِ عملی کے تصادم کی صورت میں اُصول کو پسِ پشت ڈال دے اور اس کی جگہ اس بات کو قبول کرلے جو حکمت اور مصلحت کے تحت ضروری ہو۔

اس نئے نظریئے کی تائید میں دلیل اور سند کی بھی ضرورت تھی۔ اس مقصد کے لئے آپ نے خود سرکار رسالت مآب حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذاتِ گرامی کو ملوث کردیا۔ فرمایا کہ اس طرح کا کام خود پہلی اسلامی تحریک کے قائد (جناب رسول

دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم) نے بھی کیا ہے ۔ اُصول تو انہوں نے یہ بھی دیا ہے کہ مساوات ہونی چاہیئے ۔ کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں مگر جب خلافت کا مسئلہ سامنے آیا تو آپ نے اس عصبیت کے پیش نظر جو ابھی تک قریش کے لوگوں میں موجود تھی ، حکمت اور مصلحت کی خاطر یہ فرمادیا کہ الائمۃ من القریش ۔ امام (یعنی خلفاء) قریش میں سے ہوں گے ۔ اسی طرح ہر چند کہ امیدواری اسلام میں حرام ہے ، لیکن حکمت اور مصلحت کے تحت ہم اسے اپنا سکتے ہیں ۔ "اسلامی تحریک کے قائدِ اوّل" نے ایسا کیا ہے ۔ تو آج کی اسلامی تحریک کا قائد ہونے کی حیثیت سے مجھے بھی اس کا حق حاصل ہے ۔ اس نظریئے کے ذریعے سے قرآن و سنّت میں جو تحریف کی گئی ہے ۔ حضور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دامنِ اقدس کو جس طرح داغدار کیا گیا ہے ۔ غیر مسلموں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر اتہامات تراشنے کا جو موقعہ دیا گیا ہے اور الائمۃ من القریش کی یہ غلط تشریح پیش کر کے دین سے ناواقفیت کا جو ثبوت دیا گیا ہے ۔ اس پر تو ہم تفصیل سے اپنی زیر طبع کتاب "سیاسی مذہب" میں روشنی ڈالیں گے سردست قارئین اتنا ہی اندازہ کرلیں کہ جماعتِ اسلامی کے امیرالمومنین اپنی غلطیوں کے جواز کے لئے کس طرح قرآن و حدیث کے ساتھ کھیلنے سے بھی نہیں چوکتے ۔ (کتاب مذکور حاشیہ صفحہ ۱۲۔ ۲۲۔ ۲۳)

یہی صاحب اسی کتاب کے صفحہ ۲۴ حاشیہ پر مزید لکھتے ہیں ۔ " مودودی صاحب کئی دفعہ لکھ چکے ہیں کہ اسلام میں عورت کو برسراقتدار آنا تو ایک طرف رہا اسے ووٹ دینے کا بھی حق نہیں ۔ اس سلسلے میں جب انہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہما کی مثال دی گئی تو انہوں نے ام المومنین پر بھی تنقید کرنے سے دریغ نہیں کیا ۔ لیکن چونکہ محترمہ فاطمہ جناح کی کامیابی کی قوی امید تھی اس لئے مودودی صاحب نے بھی ان کی مدد کر کے نئی کابینہ میں شامل ہونے کا پروگرام

بنالیا۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کے لئے وہ اپنے پہلے مؤقف کو غلط قرار دیتے یا پھر محترمہ کی تائید کے لئے سیاسی اور جمہوری دلائل پر اکتفا کرتے۔ مگر انہوں نے اپنے پہلے مؤقف کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اس موقعہ پر قرآنی تعلیمات میں جو تحریف کی اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۲۹۔۳۰۔۳۱ پر مودودی صاحب کے نام صاحب موصوف اپنے خط میں لکھتے ہیں۔ "ہم نے ۱۹۴۹ء کی انتخابی پالیسی سے لے کر عورت کے مسئلہ صدارت تک ہر متضاد بات کے لئے جس طرح نصوص قرآن و حدیث کو پیش کیا ہے اس کے بعد اس ملک میں کوئی ذی فہم آدمی ہماری پیش کردہ دینی اور اصلاحی دعوت پر اعتماد نہیں کرسکتا۔ تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں تضادات کا شکار ہو جانے کے سارے ادوار آپ سے بڑھ کر کس پر روشن ہوں گے۔ پہلے ہم نے اُمیدواری کو حرام قرار دیا۔ اس کے لئے صحابہ تک کی کسی جلیل القدر شخصیت میں اُمیدواری کا کوئی پہلو ہمارے سامنے پیش کیا گیا، تو ہم نے اپنی اجتہادی رائے کو نص کا درجہ دے کر اس پر تنقید کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ مگر اب ہم اپوزیشن کے ساتھ مل کر امیدواروں سے خود درخواستیں طلب کر رہے ہیں۔ ہم نے کہا صالح نمائندہ پنچائتی سسٹم سے آئے جس جماعت یا گروہ سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ پھر ہم نے صالح نمائندوں کو جماعت کے دائرے میں مخصوص کردیا۔ پہلے ہم پارٹی ٹکٹ کو لعنت کہتے تھے اب محاذ کے ساتھ شریک ہوکر "غیر صالحین" کو بھی ٹکٹ بانٹ رہے ہیں۔ ہم نوٹ پر قائداعظم کی تصویر چھاپنے پر سخت برہم تھے۔ صدارتی انتخابات میں ہمارے کارکنوں نے ان کی بہن کے تصویری واؤچر گلی گلی فروخت کئے۔ پہلے ہم نے صدارتی سے بھی بڑھ کر امارتی تصور پیش کیا تھا۔ اب ہم پارلیمانی نظام جمہوریت کو اسلامی قرار دیتے ہیں۔ پہلے ہم اسمبلیوں میں اراکین کی الگ پارٹیاں بنانے کو غیر اسلامی قرار دیتے

تھے بعد میں ہم نے خود اس پر عمل کیا۔ پہلے ہم مخلوط جلسوں میں شریک نہیں ہوتے تھے اب مخلوط جلسوں کی صدارت کرتے اور ان میں تقریریں کرتے ہیں۔ پہلے ہم علماء کے اتحاد کی کوشش کرتے اور موجودہ پارٹیوں کو ساتھ ملانا غلط سمجھتے تھے۔ اب علماء کے اتحاد سے بے نیاز اور سیاسی پارٹیوں کے اتحاد کو مضبوط کرنا تقاضائے اسلام سمجھتے ہیں۔ پہلے ہم خواتین کو ووٹ کا حق دینے میں راضی نہ تھے۔ اب ان کی صدارت تک کیلئے کوشش کرتے ہیں۔ پہلے ہم "اپوا" کے زبردست ناقد تھے۔ اب انہی کا ایک حصّہ متحدہ حزب اختلاف کی خواتین کمیٹی کی صورت میں منظم ہوا ہے تو ہمارے اکابرین کی بیگمات ان کے جلسوں سے خطاب فرماتی ہیں۔ پہلے ہم طلباء کو عملی سیاست میں حصّہ لینے سے روکتے تھے۔ اب ان سے عملی سیاست میں شریک ہونے کی اپیلیں کرتے ہیں۔ پہلے ہم جلسوں اور نعروں کو غیر اسلامی کہتے تھے۔ اب غلافِ کعبہ تک کے جلوس نکالتے اور اپنے راہنماؤں کے لئے زندہ باد کے نعرے لگاتے ہیں۔ پہلے ہم ان انسانی (غیر اسلامی) قوانین پر چلنے والی عدالتوں میں مقدّمات لے جانا بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے۔ اب انہی عدالتوں کو ہم عدل و انصاف کا محافظ قرار دیتے ہیں۔ پہلے ہم وکیلوں کو شیطانی برادری کا رکن سمجھتے تھے۔ اب انہی کو جمہوریت کا سرپرست کہتے ہیں۔ میں یہ عرض نہیں کرنا چاہتا کہ ہماری ان باتوں سے کونسی بات صحیح تھی اور کونسی غلط۔ یہ تو "مشتے نمونہ از خروارے" ہے اور یقین مانئے انتہائی دکھ کے ساتھ میں نے جماعتی تاریخ کی طرف اشارے کئے ہیں۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جب اتنے واضح تضادات کو وقت کی گردش کے ساتھ ساتھ ہم اسلامی اور دینی سمجھ کر چھوڑتے اور اختیارات کرتے رہے ہیں تو اب ترک و اختیار کے ان مظاہروں کے بعد اپنے ارکان کے سوا کون ہماری دینی فکر پر بھروسہ کرے گا۔"

مودودی صاحب کی حکمتِ عملی کے ساتھ دیانت و امانت بھی قابلِ دید ہے

اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۸ پر کوثر نیازی صاحب جماعتِ اسلامی کے "صالحین" کے اندرونی حالات سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "باہمی عداوتیں ترقی پر ہیں لین دین کے معاملات میں کارکن تو ایک طرف رہے ہمارے "راہنما" تک افسوسناک کردار رکھتے ہیں۔ امانتیں ضائع ہورہی ہیں۔ عشر اور زکوٰۃ کی رقوم خالص سیاسی اور انتخابی مہمات اور ہمہ وقتی کارکنوں کی تنخواہوں پر صَرف کی جارہی ہیں۔ رائج الوقت سیاسی بحثیں اتنی مرغوب ہو چکی ہیں کہ ہماری مجالس میں خُدا اور رسُول کا تذکرہ بھی برائے بیت رہ گیا ہے۔ عبادات میں ہم سخت تساہل کا شکار ہیں اور شاید یہ بھی ہمارے لٹریچر کا غیر شعوری اثر ہے، جس میں عبادات کو بس مقصود کے لئے ذریعہ اور وسیلہ قرار دیا گیا ہے۔"

اور پھر اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۴۵ پر ہے۔ "ظاہر ہے جب تک میں کلیۃً مایوس نہ ہو جاتا اور یقین نہ کرلیتا کہ دوسرے حضرات کے ساتھ ساتھ جماعت کو اس غارِ ہلاکت میں دھکیلنے کے خود آپ بھی پوری طرح ذمّہ دار ہیں، میں اس آخری اقدام کیلئے تیار نہ ہوسکتا تھا اور اب جبکہ یہ حقیقت عریاں صورت میں میرے سامنے ہے میں ایک لمحہ کی تاخیر کئے بغیر اس فرض سے عہدہ برآ ہو رہا ہوں۔"

اور صفحہ ۴۶ پر ہے۔ "اب اگر میں اپنے سترہ سالہ تجربات کی بناء پر اس آخری فیصلے پر پہنچ چکا ہوں کہ جماعت فکری و عملی دونوں پہلوؤں سے صراطِ مستقیم سے بھٹک چکی ہے اور اس فیصلے کا اظہار میں اس لئے لوگوں کے سامنے کروں کہ جن ہزاروں افراد کو میں نے جماعت سے متعارف کرایا۔ کم از کم ان کے سامنے بری الذمہ ہو جاؤں تو میرا یہ طرزِ عمل کیوں للہ و فی اللہ اور حقیقی بہی خواہی پر مبنی نہیں ہوگا۔"

مودودی صاحب جو پوری اُمّت میں۔ "ہمچوں من دگرے نیست" کے زُعمِ فاسد میں گرفتار ہیں اور خود کو "اَنَا وَلَا غَیْرِی" کے مقام پر سمجھتے ہوئے علمائے دین، مفتیانِ شرعِ متین اور مشائخ عظام کو گمراہ اور جہالت کی پیداوار کہتے ہیں۔ نیز مفسرینِ قرآن، محدثینِ شارحین حدیث اور آئمہ مجتہدین، جملہ سلفِ صالحین کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی اور تنقیدی نگاہ ڈالتے ہیں حتیٰ کہ آسمان ہدایت کے ستاروں صحابۂ کرام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم تک کو نہیں بخشتے۔ خود ان کا اور ان کے "تنخواہ دار صالحین" کا جو حال ہے وہ امر الصّالحین مودودی کی تحریروں اور ان کے گھر کے بھیدی مولانا کوثر نیازی کے مندرجہ بالا بیانات سے اظہر من الشمس ہے۔ کیا کوئی صحیح الدّماغ شخص دیانت داری کے ساتھ انہیں "صالحین" تسلیم کرسکتا ہے؟ اِس فکر و عمل اور کردار کے لحاظ سے تو یہ لوگ معیارِ شرافت اور مقامِ انسانیت پر بھی پُورے نہیں اترتے۔

مودودی گروہ کا شیوہ یہ ہے کہ اگر کوئی واقفِ حال شخص پُوری دیانت داری کے ساتھ نیم مُلّا و نیم مسٹر مودودی صاحب کے خیالات اور کاموں پر بے لاگ تحقیقی اور تنسقیدی نگاہ ڈالے اور ان کی فاش غلطیوں اور لغزشوں کی نشاندہی کرے اور ان کے جہل مرکب کو نا درست کہہ دے تو وہ خود اور ان کی پوری جماعت کے صالحین سیخ پا ہوجاتے ہیں۔ اس شخص کے خلاف ان کا پریس فوراً حرکت میں آجاتا ہے اسے پوری قوت کے ساتھ ملفوف وغیر ملفوف گالیوں سے نوازا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ مودودی صاحب پر حرف گیری اور جائز تنسقید کرنے والے کے خلاف منظم تحریک کی سی صورتِ حال برپا کر دی جاتی ہے اور آسمان سَر پر اٹھا لیا جاتا ہے۔ آخر اس کا کیا مطلب ہے؟ جب یہ نام نہاد صالحین اور امیر الصالحین اپنے دستور کے مطابق خلفائے راشدین تک کو معیارِ حق نہیں ماننے اور ان پر تنسقید کو جائز قرار دیتے ہیں، جن کے مقام و مرتبہ کے سامنے

ایک مودودی تو کیا کروڑوں مودودی ذرہ بھر حیثیت نہیں رکھتے جن کی شان میں محبوبِ خدا محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا فرمان ہے۔ علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی اتباع فرض ہے۔

تو آخر مودودی صاحب کے سر پر کونسے سُرخاب کے پَر لگے ہیں کہ ان پر کسی قسم کی تنقید ناقابلِ برداشت ہے!

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے'

اپنے استعفیٰ میں جناب کوثر نیازی صاحب' مودودی صاحب کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں "مولانا مکرم! یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو آپ تجدید و احیائے دین کا کام کرنے کیلئے اولین ضرورت یہ محسوس فرماتے ہیں کہ صدیوں پہلے فوت ہونے والے ان نفوس قدسیہ پر شدید ترین تنقید کریں، جو تقویٰ' للّٰہیت' اخلاص اور دین کیلئے ایثار کرنے میں ضربُ المثل ہوں اور پھر اِس ضرورت کو پُورا کرنے کیلئے آپ مستقل تصانیف شائع فرمائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص دیانت داری سے مسلسل تجربات و شواہد کے بعد آپ کے بارے میں یہ رائے قائم کرے کہ آپکا طرزِ عمل غلط، دین کے خلاف یا مسلمانوں کیلئے گمراہ کُن ہے اور وہ اپنی اس رائے کو باقاعدہ دلائل کے ساتھ پیش کرے تو آپ اس شخص کے بارے میں یہ فتویٰ صادر فرمادیں کہ یہ اخلاص اور للّٰہیت سے محروم ہوچکا ہے اور بعض دوسرے محرکات کے تحت یہ کام کر رہا ہے۔" (میں نے جماعت اسلامی کیوں چھوڑی صفحہ ۴۶)۔

امیر جماعت اسلامی اور اس کے اراکین کے مندرجہ بالا حالات سے یہ امر بخوبی واضح ہوگیا کہ ان نام نہاد صالحین کے نزدیک اُصول پر قائم رہنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔ ان کی نظر میں احکامِ قرآن و سنّت بھی مستقل حیثیت نہیں رکھتے ان کا اصل مقصد تجدید و احیائے دین کی آڑ میں اسلامی نظام کا نعرہ لگا کر بہر صورت برسرِاقتدار آنا ہے۔ لہٰذا اس مقصد کے حصول کی خاطر اپنی "حکمتِ عملی" کے

تحت حسبِ ضرورت اصول بدلتے رہنا اور احکامِ قرآن و سنّت کو توڑتے مروڑتے رہنا ان کے مسلک میں نہ صرف صحیح بلکہ ضروری ہے۔ چنانچہ مودودی صاحب نے خود واضح کردیا ہے کہ

"جماعت اسلامی کوئی مذہبی جماعت نہیں۔ یہ ایک سیاسی تنظیم ہے اور دوسرے لفظوں میں اس جماعت کا مقصد حق طلبی نہیں، اقتدار طلبی ہے، یہ حق و صداقت کی آواز بلند کرنے کی مکلّف نہیں، بلکہ اقتدار حاصل کرنے کیلئے "آیۃ الکرسی" پڑھنے والی جماعت ہے۔" ارشاد مودودی (بحوالہ انکشافات صفحہ ۱۴۵)۔

نوٹ: اس ارشاد پر روزنامہ آفاق لاہور نے اپنی ۴ر دسمبر ۱۹۶۳ء کی اشاعت میں جو طویل اور جامع اداریہ لکھا، اس نے مولانا مودودی اور جماعتِ اسلامی کے تضاد بیانیوں اور عوام النّاس کو فریب دینے کی سازشوں سے نقاب اٹھا دیا ہے۔

(ہفت روزہ "افق" کراچی، مودودی نمبر، شمارہ ۲۸ کی دوسری اشاعت)۔

اپنی اسی "حکمتِ عملی" کے تحت کچھ عرصہ سے تحریک پاکستان کے سلسلہ میں یہ صالحین اپنی خدمات کا چرچا کرنے لگے ہیں۔ شاید یہ لوگ یہ سمجھ بیٹھے ہوں کہ چوتھائی صدی گزر جانے کے باعث عوام ان کے سابقہ کردار کو فراموش کر چکے ہیں اور اب ان کا داؤ چل جائے گا اور اگر اور کچھ نہیں تو کم از کم قوم کے نوجوان تو ان کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو ہی سکتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ان کے اس پروپیگنڈہ کا پوسٹ مارٹم بھی کردیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ مودودی صاحب اور ان کی جماعت کا جدوجہدِ آزادی اور تحریکِ پاکستان میں قطعاً کچھ بھی حصّہ نہیں ہے۔ بلکہ ناظرین شاید یہ جان کر تعجب کریں گے کہ

مودودی صاحب نہ صرف یہ کہ قیام پاکستان کے خلاف تھے
بلکہ سرے سے آزادی کے ہی مخالف تھے

جس وقت ہندو کانگریس اور مسلم لیگ دونوں بڑی جماعتیں حصولِ آزادی

کے لئے سرگرمِ عمل تھیں ۔ پاک و ہند کے عوام برٹش گورنمنٹ کے تسلّط سے آزادی کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں پیش کو رہے تھے ۔ اس وقت مودودی صاحب تحریک آزادی میں کوئی حصّہ لینے کے بجائے تحریکِ آزادی کے خلاف سرگرم عمل تھے ۔ اس وقت بھی صاحب موصوف اپنی "حکمتِ عملی" کے تحت یہ منطق بگھار رہے تھے کہ انگریزوں کو ملک سے نکال دینے کی کیا ضرورت ہے ۔ ذرا صبر سے کام لو ۔ اپنی تحریکِ آزادی کو روک دو تو ہم رفتہ رفتہ انگریزوں کو اپنا لٹریچر پڑھا کر اور انہیں سمجھا بجھا کر اسلام قبول کرلینے پر رضامند کرلیں گے اور اس طرح ہم پُورے ہندوستان پر مسلط برٹش گورنمنٹ کو مشرف بہ اسلام کر کے انگریزوں ہی کے ہاتھوں نظام اسلامی قائم کرادیں گے ۔

در پردہ مودودی صاحب اس منطق کے ذریعہ ملک پر انگریزی راج کو مدتوں مسلّط رکھنے کی فکر میں تھے اور آزادی کی جدوجہد کرنے والے مسلمانوں اور ان کے راہنماؤں کو کوس رہے تھے ۔ لیجئے آپ بھی ان کی یہ عجیب و غریب منطق ملاحظہ فرمائیں اور لطف اٹھائیں ۔

"پھر یہ انگریز اور ہندوستانی کے درمیان قومی و وطنی عداوت اور تعصّب کی آگ بھڑکانے میں حصّہ لیتے ہیں ۔ حالانکہ اسلام کی دعوتِ قیام کے راستے میں یہ رکاوٹ ہے ، اسلام کی نگاہ میں انگریز اور ہندوستانی دونوں انسان ہیں وہ دونوں کو یکساں اپنی دعوت کا مخاطب بناتا ہے اس کا جھگڑا انگریز سے اس بات پر نہیں ہے کہ وہ ایک ملک کا باشندہ ہوکر دوسرے ملک پر حکومت کیوں کرتا ہے بلکہ اس بات پر ہے کہ وہ خدا کی حاکمیت اور اس کے قانون کی اطاعت کیوں تسلیم نہیں کرتا ۔ بعینہٖ اسی بات پر اس کا جھگڑا ہندوستانی سے بھی ہے وہ دونوں کو ایک ہی بات کی طرف بلاتا ہے ۔ ایک کا حامی بن کر دوسرے سے لڑنا اس کی حیثیت کے منافی ہے ۔ کیونکہ اگر وہ ہندوستانی اور انگریز کے وطنی و قومی جھگڑے میں ایک کا طرفدار

اور دوسرے کا مخالف بن جائے تو انگریز کے دل کا دروازہ اس کی دعوت کے لئے بند ہوجائے گا اب یہ ظاہر ہے کہ جو لوگ ایک طرف اسلام کے داعی بنتے ہیں اور دوسری طرف اس وطنی اور قومی جھگڑے میں فریق بھی بنتے ہیں وہ دراصل اسلام کے مفاد کو ہندوستانیت کے مفاد پر قربان کرتے ہیں۔" (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش صفحہ ۱۲۲، ۱۲۳، جلد ۳)۔

مودودی صاحب کا کمال یہ ہے کہ خواہ کتنی ہی نامعقول بات کیوں نہ کہیں مگر کہتے ضرور اسلام کے نام پر ہی ہیں۔ نیز ان سے بڑھ کر کمال تو ان کی "حکمتِ عملی" کا ہے کہ مداری کے جھرلو کی طرح کچھ کا کچھ بنا دے تاہم ان کی "حکمتِ عملی" رہتی اسلام کے مفاد میں ہی ہے۔ یہ بات دوسری ہے کہ مودودی صاحب کی اسلام کے مفاد سے مُراد حقیقتاً ذاتی یا گروہی مفاد ہوتا ہے۔ بہرحال اگر کوئی شخص ان کے مندرجہ بالا ارشاد سے ان کے مافی الضمیر کو سمجھنے سے قاصر ہو تو انہی کا مندرجہ ذیل فرمان دیکھ لے۔ "مسلمان ہونے کی حیثیت سے میرے نزدیک یہ امر بھی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا کہ ہندوستان کو انگریزی امپیریلزم سے آزاد کرایا جائے۔" (کتاب مذکور صفحہ ۹۴) اور اگر پھر بھی کسی قسم کا کوئی شک باقی رہ گیا ہو تو انہی کا یہ تیسرا اعلان حاضر ہے، "مسلم لیگ، احرار، خاکسار اور جمیعۃ العلماء اور آزاد کانفرنس سب کی اس وقت کی تمام کارروائیاں حرفِ باطل کی طرح محو کردینے کے لائق ٹھہرتی ہیں، نہ ہم قومی اقلیت ہیں نہ آبادی کے فیصد تناسب پر ہمارے وزن کا انحصار ہے، نہ ہندوؤں سے ہمارا کوئی قومی جھگڑا ہے۔ نہ انگریزوں سے وطنیت کی بنیاد پر ہماری لڑائی ہے، نہ ان ریاستوں سے ہمارا کوئی رشتہ ہے جہاں نام نہاد مسلمان خُدا بنے بیٹھے ہیں، نہ اقلیت کے تحفّظ کی ہمیں ضرورت ہے نہ اکثریت کی بنیاد پر ہمیں قومی حکومت مطلوب ہے۔" (کتاب مذکور صفحہ ۱۱۰ جلد ۳) اگر اس پر بھی کوئی متعصّب یا کور فہم اس نام نہاد مفکّرِ اسلام

مودودی کو مجاہد آزادی سمجھے تو پھر اس سے خُدا سمجھے۔

بہر حال جب مودودی صاحب کی اس نرالی منطق کو قوم نے لائق توجّہ نہ سمجھ کر تحریک آزادی کو تیز تر کردیا اور ملک کے گوشہ گوشہ میں "مسلم لیگ زندہ باد" "قائداعظم زندہ باد" اور "لے کے رہیں گے پاکستان" "بن کے رہے گا پاکستان" کے نعرے گونجنے لگے تو آزادی کی راہ میں روڑے اٹکانے والے یہی مودودی صاحب اس بات پر جل بھُن گئے کہ انکے ہوتے ہوئے قوم نے محمد علی جناح کو قومی قیادت کا تاج پہنا کر اپنا قائداعظم کیوں بنالیا۔ بس پھر کیا تھا فوراً پینترا بدل کر اپنی "حکمتِ عملی" کی تمام تر قوّت کے ساتھ مسلم لیگ اور قائداعظم پر حملہ آور ہوگئے اور مسلم لیگ، قائداعظم اور پاکستان کے خلاف بے بنیاد اتّہامات و الزامات کے بم برسانے شروع کردیئے۔

مسلم لیگ اور قائد اعظم اور پاکستان کے خلاف مودودی صاحب کے رکیک حملے

نیم مُلّا و نیم مِسٹر مودودی صاحب جو خود فریبی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اپنے آپ کو نہ صرف یہ کہ جملہ علمائے زمانہ سے بڑا عالِم و فاضل، محدّث، مفسّر، مجدّد یا مجتہد تک کو اپنا ہم پلّہ و ہمسر ماننے کو تیار نہ تھے، اپنی انشاء پردازی کے زعم میں تاحدِّ یقین سمجھ بیٹھے تھے کہ اگر پُوری دُنیا کے نہیں تو کم از کم ہندوستان کے مسلمان تو ضرور ہی میری سحر انگیز تحریروں سے مسحور ہوچکے ہوں گے۔ اس لئے وہ میرے سوا کسی دوسرے شخص کی قیادت کو قبول نہیں کریں گے۔ لیکن جب ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ملک بھر میں مسلم لیگ مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت سے عام مقبولیت حاصل کرگئی اور قوم نے محمد علی جناح کو قائد اعظم تسلیم کرلیا تو مودودی صاحب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے کہ انہیں تو کسی نے پوچھا تک بھی نہیں تو آتشِ حسد سے بھڑک اٹھے اور جوشِ رقابت میں بے قابو

ہو کر تحریکِ پاکستان اور قائدینِ تحریک کے خلاف ایسی تحریریں لکھنا شروع کر دیں جو اسلامی اخلاق تو بڑی چیز ہے ، عام شرافت کے معیار سے بھی گری ہوئی تھیں چند نمونے ملاحظہ فرمائیے ۔

۱۔ "میں دیکھ رہا ہوں کہ ہندوستان میں اس سے پہلے کبھی عام مسلمانوں کا اعتماد علمائے دین سے ہٹ کر اِس شدّت کے ساتھ غیر دیندار اور ناواقفِ دین راہنماؤں پر نہیں جما تھا ۔ میرے نزدیک یہ صُورتِ حال اسلام کے لئے وطنی قومیت کی تحریک سے کچھ کم خطرناک نہیں ہے ، اگر ہندوستان کے مسلمانوں نے دین سے بے بہرہ لوگوں کی قیادت میں ایک بے دین قوم کی حیثیت سے اپنا علیٰحدہ وجود برقرار رکھا بھی جیسا کہ ترکی اور ایران میں برقرار رکھے ہوئے ہیں تو ان کے اس طرح زندہ رہنے میں اور کسی غیر مسلم قومیت کے اندر فنا ہو جانے میں آخر فرق ہی کیا ہے ۔" (سیاسی کشمکش صفحہ ۸ جلد ۳) ۔

۲۔ "مسلمانوں کے راہنما بھی صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو سب سے پہلے اسلامی تحریک کے مقصد و اُصول اور طریقِ کار کو جانتے ہوں اور اہلِ تقویٰ و دیانت ہوں ۔ باقی رہے وہ لوگ جو سرے سے اسلام کا علم ہی نہ رکھتے ہوں یا ناقص علم کی بناء پر اسلام اور جاہلیت کو خلط ملط کرتے ہوں اور پھر تقویٰ اور دیانت کی کم سے کم ضروری شرائط سے بھی عاری ہوں تو ایسے لوگوں کو محض اس لئے مسلمانوں کی قیادت کا اہل قرار دینا کہ وہ مغربی سیاست کے ماہر یا مغربی طرزِ تنظیم کے استاد فن ہیں اور اپنی قوم کے عشق میں ڈوبے ہوئے ہوں ، سراسر اسلام سے جہالت اور غیر اسلامی ذہنیت ہے ۔" (کتاب مذکور صفحہ ۷۰) ۔

۳۔ "آپ مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک ہندوستان کے مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لے لیجئے ۔ ہر جگہ آپ کو یہی نظر آئے گا کہ ایک نہ ایک "شیطان" اس قوم کی جان کا لاگو بنا ہوا ہے اور پُوری مستعدی کے ساتھ اپنے

کام میں منہمک ہے۔ جہاں مسلمانوں میں مذہب کے ساتھ ابھی دلچسپی باقی ہے وہاں یہ شیاطین مذہبیت کا جامہ پہن کر آتے ہیں اور دین کے نام سے ان مسائل پر بحثیں چھیڑتے ہیں اور نزاعیں برپا کراتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات سَر پھُٹوّل تک نوبت پہنچا دیتے ہیں جن کی دین میں کوئی اہمیت نہیں ہوتی اس طرح مسلمانوں کا سارا مذہبی جوش ان کی اپنی تخریب میں صَرف ہوجاتا ہے اور جہاں مذہب کی طرف سے کچھ سَرد مہری پیدا ہوگئی ہے وہاں کچھ دوسری قسم کے شیاطین نمودار ہوتے ہیں اور وہ دنیوی ترقی و خوشحالی کا سبز باغ دکھا کر مسلمانوں کو ایسی تحریکوں کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں جو اپنے مقاصد و طریق کار کے لحاظ سے قطعاً غیر اسلامی ہیں۔" (سیاسی کشمکش صفحہ ۵۵۔۵۶ جلد ۳)۔

۴۔ "افسوس کہ لیگ کے قائد اعظم سے لیکر چھوٹے مقتدیوں تک ایک بھی ایسا نہیں جو اسلامی ذہنیت اور اسلامی طرزِ فکر رکھتا ہو اور معاملات کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہو۔ یہ لوگ مسلمان کے معنی و مفہوم اور اسکی مخصوص حیثیت کو بالکل نہیں جانتے۔" (ترجمانُ القرآن ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ صفحہ ۶۶، سیاسی کشمکش صفحہ ۳۷ جلد ۳)۔

۵۔ مودودی صاحب قائد اعظم اور لیگی راہنماؤں کے متعلّق لکھتے ہیں۔ "ایک طرف انسانیت کی نسلی، قومی اور وطنی تقسیم کا ابطال اور دوسری طرف ہر وقت قوم قوم کا شور اور خود قومیت ہی کے اصولوں پر دوسری قوموں سے جدال و کشمکش اور ایک طرف بے غرضانہ حق پرستی کا دعویٰ اور دوسری طرف شب و روز اپنے دنیوی مفاد کا نوحہ و ماتم، ایک طرف اسلامی تہذیب و تمدّن پر فخر و ناز اور اس کی حفاظت کے لئے پُرشور لام بندی اور دوسری طرف اسی تہذیب و تمدن کے باغیوں اور قاتلوں کی سرداری و پیشوائی۔" (سیاسی کشمکش صفحہ ۱۲۹)

یعنی مسلمانوں نے اسلامی تہذیب و تمدن کے باغی اور قاتل قائد اعظم لیگی رہنماؤں کو اپنا سردار اور پیشوا بنا لیا ہے۔ مودودی صاحب کا اصل رونا تو یہی ہے

کہ قوم نے قائد اعظم محمد علی جناح کی جگہ انہیں اپنا سردار اور قومی راہنما کیوں نہیں بنایا۔ لیکن تعجب اس بات پر ہے کہ مودودی صاحب اپنے گریبان میں جھانک کر کیوں نہیں دیکھتے۔

۶۔ "پس جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اگر مسلم اکثریت کے علاقے ہندو اکثریت کے تسلّط سے آزاد ہوجائیں اور یہاں جمہوری نظام قائم ہوجائے تو اس طرح حکومتِ الٰہی قائم ہوجائے گی ان کا گمان غلط ہے دراصل اس کے نتیجے میں جو کچھ حاصل ہوگا وہ صرف مسلمانوں کی کافرانہ حکومت ہوگی اس کا نام حکومتِ الٰہی رکھنا اس پاک نام کو ذلیل کرنا ہے۔" (کتاب مذکور صفحہ ۱۳۲)

مودودی صاحب کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں نے قائد اعظم کو چھوڑ کر مجھے قومی سردار نہیں بنایا تو پھر پاکستان بنانے کا کیا فائدہ۔ اِس صُورت میں مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ پاکستان حاصل کرنے کے بجائے اکھنڈ بھارت میں رہتے ہوئے ہندوؤں کی دائمی غلامی قبول کرلیں۔

۷۔ "جنّت الحمقاء میں رہنے والے لوگ اپنے خوابوں میں کتنے ہی سبز باغ دیکھ رہے ہوں لیکن آزاد پاکستان (اگر فی الواقع وہ بنا بھی تو) لازماً جمہوری لادینی اسٹیٹ کے نظریہ پر بنے گا۔" (ترجمان القرآن، فروری ۱۹۴۶ء صفحہ ۱۵۴)۔

مودودی صاحب اس وقت تک بھی اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھ رہے تھے اور انہیں قیامِ پاکستان کا یقین نہ تھا۔

۸۔ "جب میں مسلم لیگ کے ریزولیشن (قرار دادِ پاکستان) کو دیکھتا ہوں تو میری رُوح بے اختیار ماتم کرنے لگتی ہے۔" (سیاسی کشمکش صفحہ ۳۷)

۹۔ "اس نام نہاد مسلم حکومت (پاکستان) کے انتظام میں اپنا وقت یا اس کے قیام کی کوشش میں اپنی قوت ضائع کرنے کی حماقت آخر ہم کیوں کریں۔ جس کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ ہمارے مقاصد کے لئے نہ صرف غیر مفید ہوگی

بلکہ کچھ زیادہ ہی سدِّراہ ثابت ہوگی۔" (سیاسی کشمکش صفحہ ۱۷۰ جلد ۳)

۱۰۔ "باقی رہا نظام حکومت وہ پاکستان میں بھی ویسا ہی ہوگا جیسا ہندوستان میں ہوگا۔ مسلمانوں کی کافرانہ حکومت اسلامی نقطۂ نظر سے غیر مسلموں کی کافرانہ حکومت کے مقابلہ میں کچھ بھی قابل ترجیح نہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ قابلِ لعنت ہے۔" (کتاب مذکور صفحہ ۱۳۱، حاشیہ)۔

الغرض مودودی صاحب نے اسلامیانِ ہند کو مسلم لیگ۔ تحریکِ پاکستان اور قائد اعظم سے متنفّر کرنے کی خاطر اپنی تمام تر صلاحیتیں اور توانائیاں صَرف کر دیں اس سلسلہ میں بھی ان کی ہفوات اِس قدر ہیں کہ اگر انہیں جمع کیا جائے تو ایک مبسوط دفتر تیار ہوجائے اور چونکہ مجھے تو ان کے خیالات اور طرزِ عمل کا نمونہ دکھانا تھا، لہٰذا اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ تاہم اس وقت جبکہ حالات یکسر بدل چکے ہیں، جماعتِ اسلامی اور اس کے پیشوا مودودی صاحب اپنی "حکمتِ عملی" کے تحت مسلم عوام اور خصوصاً قوم کے نوجوان طلباء کا تعاون حاصل کرنے کی خاطر تحریکِ پاکستان اور نظریۂ پاکستان کا سہرا اپنے سَر باندھنے کی کوشش کرنے لگے ہیں چنانچہ میاں محمد طفیل صاحب اب دعویٰ کرتے ہیں کہ اس باب میں مودودی صاحب کی خدمات دوسرے تمام راہنماؤں کی خدمات پر بھاری ہیں۔ یہاں تک کہ خود مودودی صاحب نے یہ چیلنج دے دیا ہے کہ کسی میں ہمت ہے تو ثابت کرے کہ میں نے کبھی بھی تحریک پاکستان کی مخالفت کی ہے۔ اگرچہ ان کی پاکستان دشمنی اظہر من الشمس ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ انکے اِس صریح جھوٹ کی قلعی کھولنے کیلئے

جماعت اسلامی کی پاکستان دشمنی کے ثبوت میں ہائیکورٹ کا فیصلہ

پیش خدمت کر دیا جائے، واضح رہے کہ عدالت عالیہ نے یہ فیصلہ اپریل ۱۹۵۴ء میں سنایا تھا مگر جماعتِ اسلامی کو اب تک اس کے خلاف سپریم کورٹ میں

اپیل دائر کرنے کی جرأت نہیں ہو سکی ہے۔ عدالتِ عالیہ کا یہ بنچ، چیف جسٹس مسٹر محمد منیر اور مسٹر جسٹس ایم آر کیانی پر مشتمل تھا۔ فاضل ججوں نے اپنے فیصلہ میں لکھا۔ "جماعت مسلم لیگ کے تصوّرِ پاکستان کی علی الاعلان مخالف تھی اور جب سے پاکستان قائم ہوا ہے جس کو ناپاکستان کہہ کر یاد کیا جاتا ہے، یہ جماعت موجودہ نظامِ حکومت اور اس کے چلانے والوں کی مخالفت کر رہی ہے، ہمارے سامنے جماعت کی جو تحریریں پیش کی گئی ہیں، ان میں سے ایک بھی نہیں جس میں مطالبہٴ پاکستان کی حمایت کا بعید سا اشارہ بھی موجود ہے۔ اس کے برعکس یہ تحریریں جن میں کئی مفروضے بھی شامل ہیں تمام کی تمام اس شکل کی مخالف ہیں جس میں پاکستان وجود میں آیا اور جس میں اب تک موجود ہے۔" (رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۶۱)۔

اگر کوئی شخص یا جماعت کسی عدالت کے فیصلے سے مطمئن نہ ہو تو اس کے لئے صحیح راستہ یہ ہے کہ وہ اس عدالت کے فیصلہ کے خلاف اس عدالت سے بڑی عدالت میں اپیل دائر کردے اور اپنے دفاع میں معقول دلائل و شواہد پیش کر کے انصاف طلب کرے، پس اگر "جماعتِ اسلامی" یہ سمجھتی تھی کہ اس کے بارے میں ہائی کورٹ کا فیصلہ درست نہیں ہے تو اسے لازم تھا کہ فوری طور پر "سپریم کورٹ" میں اپیل دائر کر کے اپنے دفاع میں معقول دلائل و شواہد پیش کرتی اور حقائق سے ثابت کردیتی کہ بانیٔ جماعت مودودی صاحب یا اس جماعت کے اراکین نے "تحریکِ پاکستان" میں یہ حصّہ لیا تھا اور حصولِ پاکستان کی خاطر جدوجہد کی تھی۔ لیکن چونکہ مودودی صاحب اور اس کی جماعت کے اراکین بخوبی جانتے تھے کہ ان کے بارے میں "ہائی کورٹ" کا فیصلہ صحیح ہے، تحریکِ پاکستان میں انہوں نے واقعی کوئی حصّہ نہیں لیا تھا بلکہ انہوں نے پاکستان، بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور ان کے ساتھی مسلم لیگیوں کی کھُلی مخالفت کی تھی۔ اس

لئے بائیس سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود انہیں سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرنے کی جرأت نہیں ہو سکی ہے۔

اور چونکہ سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرنے کی صورت میں انہیں مزید رُسوائی کا خوف لاحق تھا، اس لئے ان "صالحین" نے اپنی صفائی کے لئے یہ سیدھا اور مسلّمہ طریقہ اختیار کرنے کے بجائے "وہابیہ" کا روایتی مخصوص طریقہ اختیار کیا یعنی اندھا دھند غلط بیانی اور پر فریب پروپیگنڈہ!

چنانچہ ہائی کورٹ کے اس فیصلے کے بعد کئی سال تک یہ "صالحین" صُمٌّ، بُکمٌ بنے رہے تاکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عوام کے دل و دماغ سے یہ بات نکل جائے اور وہ ہائی کورٹ کے فیصلے کو بھُول جائیں۔ چند سال بعد انہوں نے اپنے اخبارات و رسائل اور اپنے خصوصی اجتماعات کے ذریعے آہستہ آہستہ یہ تاثّر دینے کی کوشش شروع کر دی کہ "جماعتِ اسلامی" اور اس کے بانی مودودی صاحب ملک و ملّت کے حقیقی خیر خواہ ہیں، پاکستان میں اسلامی نظام قائم کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں، لہٰذا پاکستان کی قیادت کے سب سے زیادہ مستحق بھی وہی ہیں اور جب انہوں نے دیکھا کہ ملک میں ان کے اس پروپیگنڈے کی مخالفت میں کوئی نمایاں ردِّ عمل ظاہر نہیں ہو رہا تو ان کے حوصلے کو تقویّت ملی اور انہوں نے ایک قدم آگے بڑھا کر یہ کہنا شروع کیا کہ تحریکِ پاکستان میں جماعتِ اسلامی اور مودودی صاحب نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔ قیامِ پاکستان میں ان کا بھی بڑا حصّہ ہے۔ پھر کچھ عرصہ تک یہ پروپیگنڈہ کر چکنے کے بعد ان "صالحین" نے مزید ایک قدم بڑھایا کہ قیامِ پاکستان میں مسلم لیگ کے بعد جماعتِ اسلامی اور قائد اعظم محمد علی جناح کے بعد مودودی صاحب کا ہی نمبر ہے۔

اس کے باوجود جب انہوں نے محسوس کیا کہ ملک میں ان کے دعووں کی تردید میں کوئی مؤثّر آواز اُٹھ نہیں رہی تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان کی باتوں کا

عوام پر اثر ہورہا ہے ۔ اور بے باک ہوکر "بڑ" ہانک ماری کہ تحریکِ پاکستان کی جدّوجہد میں مودودی صاحب کا نمبر پہلا ہے ۔ قائداعظم محمد علی جناح دوسرے نمبر پر ہیں ۔ اس لئے کہ مودودی صاحب اس سلسلے میں قائداعظم کی راہنمائی کرتے تھے ۔ اس لحاظ سے مودودی صاحب ، قائداعظم کے بھی قائد اور اُن کے استاد ہیں ۔

جماعتِ اسلامی کے برخود غلط لیڈروں نے یہ بڑ اِس اُمید پر ہانک ماری تھی کہ ان کی پہلی غلط بیانیوں کی طرح اس غلط بیانی کو بھی لوگ برداشت کر جائیں گے اور ان کی یہ بڑ آگے چل کر تاریخ پاکستان میں "سند" کا مقام حاصل کرلے گی ۔ لیکن ان کی اتنی بڑی غلط بیانی کیوں کر چل سکتی تھی ملک کے دانشور اور مسلم لیگی راہنما اپنے محبوب قائداعظم کی شان میں اس دریدہ دہنی کو کس طرح برداشت کرسکتے تھے ۔

انہوں نے بجا طور پر اس کا سخت نوٹس لیا ۔ ان کے پُر فریب دعوے کی پُرزور تردید کردی اور مودودی پارٹی کے نام نہاد صالحین سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی اس غلط بیانی پر ندامت کا اظہار کریں اور پُوری قوم سے معافی مانگیں ، بصورتِ دیگر ان کا بائیکاٹ کردیا جائے گا ۔

روزنامہ "جنگ" مورخہ ۲۲/۶/۷۶ سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو :

"لاہور ، ۲۰ ، جون (نمائندہ جنگ) پاکستان مسلم لیگ کے زیراہتمام دو روزہ قائداعظم کانفرنس آج رات یہاں ختم ہوگئی اس کانفرنس میں مُلک بھر سے مسلم لیگ کے مندوبین نے شرکت کی ۔ مسلم لیگ کے صدر پیر صاحب پگارا نے کانفرنس کے آخری اجلاس سے خطاب فرمایا ۔ آج کانفرنس کے دو اجلاس ہوئے ۔ جن میں نائب صدر نواب مظفر حسین ، رفیق احمد باجوہ ایڈووکیٹ ، زیڈ اے سلہری ، آزاد بن حیدر ، مسلم کانفرنس کے قائم مقام صدر سکندر حیات خان ، نعیم رضا خان ، ایم کے خاکوانی اور میاں زاہد سرفراز نے بھی خطاب کیا ۔

نواب مظفر حسین نے اپنی تقریر میں جماعتِ اسلامی کے میاں طفیل محمد کا نام لئے بغیر کہا کہ محاذ میں شامل ایک جماعت کے راہنما نے الزام تراشی کی ہے کہ ان کے قائد نے قائداعظم کو قیام پاکستان کے سلسلے میں کوئی مشورہ دیا تھا یا انہیں راہ دکھانے کی کوشش کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ کوئی بھی مسلم لیگی اس اتہام کو برداشت نہیں کرسکتا انہوں نے کانفرنس کے شرکاء سے کہا کہ وہ ہاتھ اُٹھا کر اس مطالبہ کی حمایت کریں کہ اس قسم کی غلط بیانی پر معافی مانگی جائے۔ چنانچہ کانفرنس میں شریک مندوبین نے ہاتھ اٹھا کر ان کے مطالبے کی تائید کی۔ نواب مظفر حسین نے کہا کہ معافی کے بعد ہی ہمیں اس جماعت سے اشتراک عمل کرنا چاہیئے۔ اس جماعت کے سربراہ نے کبھی بھی تحریکِ پاکستان میں حصّہ نہیں لیا۔ مسلم لیگ کے نائب صدر میاں زاہد سرفراز نے خان قیوم، ممتاز دولتانہ اور سردار شوکت حیات پر سخت نکتہ چینی کی اور کہا کہ یہ انگریزوں کے کاسہ لیس تھے ۱۹۴۰ء میں جب واضح ہوگیا کہ مسلم لیگ کو اقتدار مل کر رہے گا تو یہ مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔ قائداعظم کو بھی معلوم تھا، اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ ان کی جیب میں کھوٹے سکے ہیں۔" آج حکومت اور جماعتِ اسلامی، مسلم لیگ اور اس کے قائد کو ان کھوٹے سکوں کا نام لے کر گالی دینے سے نہیں چوکتے۔ ہم تمام جماعتوں کا اتحاد چاہتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی شخص یا جماعت اتحاد کا نام لے کر ہمارے قائد پر طنز کرے۔"

نیز روزنامہ جنگ مورخہ ۲۴/۶/۷۶ سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

"لاہور، ۲۲ جون (نمائندۂ جنگ) متحدہ جمہوری محاذ کی مرکزی مجلس عمل کا ایک اجلاس آج یہاں جماعتِ اسلامی کے مرکزی سیکرٹریٹ میں منعقد ہوا جو رات گئے تک جاری رہا۔ مجلس عمل کا پہلا اجلاس پیر صاحب پگارا کی صدارت میں گیارہ بجے شروع ہوا۔ جو ڈیڑھ گھنٹہ تک جاری رہا۔ شام کو مجلسِ عمل کا اجلاس دوبارہ

شروع ہوا۔ یہ بھی پتہ چلا ہے کہ مسلم لیگ نے جماعتِ اسلامی کے سربراہ میاں طفیل محمد کے اس بیان کو پسند نہیں کیا، جو انہوں نے تحریکِ پاکستان اور بانی کے بارے میں دیا تھا اور یہ تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ پاکستان بنانے والوں میں مولانا مودودی بھی شامل تھے، باخبر ذرائع کے مطابق مسلم لیگیوں کا اصرار تھا کہ جماعتِ اسلامی کو قائداعظم کے بارے میں اپنے بیان پر اظہارِ افسوس کرنا چاہیے۔"

قادیانی مرزائی

مرزا غلام احمد قادیانی جھُوٹے اور بناوٹی نبی کے دعویٔ نبوّت کو صحیح ماننے والوں کو عرفِ عام میں قادیانی یا مرزائی کہتے ہیں۔ مگر مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی ماننے والے خود کو احمدی کہتے ہیں۔ قرآن و حدیث کی نصوص قطعیہ کی رُو سے خاتم النبیین سیّد المرسلین محمدؐ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد ہر مدّعیٔ نبوت جھُوٹا کذّاب اور کافر مُرتد ہے اور دائرۂ اسلام سے قطعاً خارج ہے اور اس کے ماننے والے بھی اسی کی طرح کافر، مرتد اور دائرۂ اسلام سے قطعاً خارج ہیں اور اس امر پر اجماعِ اُمّت قائم ہے۔

مرزائیوں کا مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوّت پر اِس قدر پُختہ ایمان ہے کہ وہ ان تمام مسلمانوں کو جو مدّعیٔ نبوّت مرزا غلام احمد کو اس کے دعویٰ میں جھُوٹا جانتے اور اسے نبی تسلیم نہیں کرتے ہیں، کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیتے ہیں ان کے فتاویٰ ملاحظہ فرمائیے۔ "ہمارا یہ فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور انکے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خداتعالیٰ کے ایک نبی (یعنی مرزا غلام احمد) کے منکر ہیں۔ یہ دین کا معاملہ ہے۔ اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں جو کچھ کر سکے" (انوارِ خلافت صفحہ ۹ مصنفہ مرزا محمود احمد خلیفہ قادیان)

مرزائیوں کے مفتیٔ اعظم نے ایک سوال "کیا کسی شخص کی وفات پر جو

سلسلہ احمدیہ میں شامل نہ ہو، یہ کہنا جائز ہے کہ خُدا مرحوم کو جنّت نصیب کرے اور مغفرت کرے۔" کے جواب میں کہا۔ غیر احمدیوں کا کُفر بنیات سے ثابت ہے اور کفّار کے لئے دُعائے مغفرت جائز نہیں۔" (الفضل، جلد ۸ ۔ ۵۹)۔

نیز ملاحظہ فرمائیے۔ "ایک صاحب نے عرض کیا کہ غیر مبایع (لاہوری مرزائی) کہتے ہیں، کہ غیر احمدی کے بچّے کا جنازہ کیوں نہ پڑھا جائے، وہ تو معصوم ہوتا ہے اور کیا ممکن نہیں کہ وہ بچہ جوان ہوکر احمدی ہوتا۔ اس کے متعلق امیر المومنین حضرت مصلح موعود نے فرمایا جس طرح عیسائی بچہ کا جنازہ نہیں پڑھا جاسکتا، اگرچہ وہ معصوم ہی ہوتا ہے اسی طرح ایک غیر احمدی کے بچّہ کا بھی جنازہ نہیں پڑھا جاسکتا۔" (ڈائری حضرت مصلح موعود مندرج الفضل قادیان جلد ۱۰۔ ۳۲)

اگرچہ اُمّتِ مرزائیہ مسلمانوں کے فرقوں میں سے ایک فرقہ نہیں بلکہ یہ لوگ مسلمانوں کے تمام فرقوں سے خارج اور بالکل الگ ایک علیٰحدہ غیر مسلم قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لحاظ سے اس کتاب میں اُن کا ذکر نہیں ہونا چاہیئے تھا مگر چونکہ بد قسمتی سے سرکاری طور پر انہیں آج تک غیر مسلم اقلیت قرار نہیں دیا گیا اور مرزائی بھی اپنے مخصوص مقاصد اور مفادات کے تحت بظاہر مسلمانوں میں شامل رہنا چاہتے ہیں اس لئے مجبوراً ان کا تذکرہ بھی کرنا پڑ رہا ہے تاکہ مسلم عوام مسلم سیاسی راہنما اور اربابِ حکومت ان کے ناپاک عزائم سے خبردار اور ہشیار رہیں۔ مرزائیوں کی جانب سے زیادہ محتاط اور چوکنّا رہنے کی اشد ضرورت اس لئے بھی ہے کہ یہ لوگ بظاہر پاکستان کے وفادار رہتے ہوئے بھی بہ باطن پاکستان کے اتنے سخت دشمن ہیں کہ پاکستان کے وجود کو ہی ختم کر کے پاکستان کے علاقے کو بہرصُورت بھارت میں شامل کردینا ان کے مذہبی فرائض میں سے ایک اہم فریضہ ہے، اور یہ لوگ اپنے اس فرض سے کسی بھی وقت غافل نہیں۔ بلکہ اس فرض سے جلد سبکدوش ہوجانے کی تدابیر میں ہمہ وقت مصروف ہیں۔ اور مناسب موقع،

کی تلاش میں ہیں۔ بصورتِ دیگر ان کی دوسری اسکیم یہ بھی ہے کہ پاکستان کو ہی قادیانی اسٹیٹ میں تبدیل کر کے ہندوستان سے الحاق کرلیا جائے۔ ہماری یہ انتہائی بد قسمتی ہے کہ مسلمانوں کی غفلت اور اربابِ حکومت کی غلط پالیسی کی بدولت مرزائی اپنی منزلِ مقصود کی جانب نہایت ہوشیاری مگر خاموشی کے ساتھ قدم بڑھاتے نظر آرہے ہیں، مملکت کے متعدّد کلیدی عہدوں پر مرزائی قابض ہیں۔ ملک کی سیاست اور مملکت کی پالیسیوں میں کافی حد تک انہیں عمل دخل حاصل ہوچکا ہے اور ان کے عزائم جوان دکھائی دیتے ہیں۔

مملکتِ پاکستان کے تحفّظ اور اس کی بقاء و سالمیت کے پیشِ نظر مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ مرزائی خطرہ سے لمحہ بھر کے لئے غافل نہ ہوں اور اربابِ حکومت کا فرض ہے کہ وہ وقتی مصلحتوں کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے مرزائیوں کو اوّلین فرصت میں غیر مسلم اقلیت قرار دے کر انہیں کلیدی عہدوں پر سے فی الفور سبکدوش کردیں اور ملکی سیاست اور مملکت کی پالیسیوں میں ان کے عمل دخل کا مکمل طور پر خاتمہ کردیں، ہر سچے پاکستانی کو یہ بات نہ بھولنی چاہیئے کہ

پاکستان کو قادیانی اسٹیٹ بنانا یا پاکستان کا خاتمہ

مرزایئوں کا اولین مقصد ہے

ثبوت کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔ "حضور نے اپنا ایک رؤیا بیان فرمایا۔ جس میں ذکر تھا کہ گاندھی جی آئے ہیں اور ایک چارپائی پر لیٹنا چاہتے ہیں اور ذرا سی دیر لیٹنے پر اُٹھ بیٹھے۔ اس کی تعبیر حضور نے یہ بتائی کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ساری قومیں متحد رہیں، تاکہ احمدیت اس وسیع تر بیس پر ترقی کرے، چنانچہ اس رؤیا میں اس طرف اشارہ ہے، "ممکن ہے کہ افتراق عارضی ہو (اس لئے جماعتِ احمدیہ کا عقیدہ ہے کہ پاکستان کا وجود عارضی ہے) اور کچھ وقت کے لئے دونوں قومیں جُدا رہیں، یہ حالت عارضی ہوگی۔ ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ جلد دُور ہوجائے۔

(الفضل ۵ اپریل ۱۹۴۷ء)۔

خلیفہ قادیان کا فرمان ملاحظہ ہو۔ "میں قبل ازیں بتاچکا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت ہندوستان کو اکٹھا رکھنا چاہتی ہے۔ لیکن قوموں کی غیر معمولی منافرت کی وجہ سے عارضی طور پر الگ بھی کرنا پڑے تو یہ اور بات ہے بسااوقات عضو ماؤف کو ڈاکٹر کاٹ دینے کا مشورہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ خوشی سے نہیں ہوتا بلکہ مجبوری اور معذوری کے عالم میں اور صِرف اُس وقت جبکہ اس کے بغیر چارہ نہ ہو اور اگر یہ معلوم ہوجائے کہ اس ماؤف عضو کی جگہ نیا لگ سکتا ہے تو کون جاہل انسان اس کے لئے کوشش نہیں کرے گا۔ اسی طرح ہندوستان کی تقسیم پر اگر ہم رضامند ہوئے ہیں تو خوشی نہیں بلکہ مجبوری سے اور پھر یہ کوشش کریں گے کہ یہ کسی نہ کسی طرح جلد متحد ہوجائے۔" مرزا محمود کی مجلس علم و عرفان میں مرزائی اُمّت کو حُکم (الفضل ۱۶ مئی ۱۹۴۷ء)۔

نیز بشیر الدین محمود احمد خلیفہ قادیان نے دورۂ کوئٹہ میں مرزائیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا۔ "بلوچستان میں تو صرف پانچ چھ لاکھ انسان بستے ہیں۔ اس میں بڑی مشکل سے دو تین ہزار احمدی ہیں۔ اگر ہم سارے صوبہ کو احمدی بنالیں تو کم از کم ایک صوبہ تو ایسا ہوجائے، جس کو ہم اپنا صوبہ کہہ سکیں۔" (الفضل ۱۳ اگست ۱۹۴۸ء) ـــــــــــ مزید تسلّی کے لئے

مرزائیوں کے بارے میں تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ

ملاحظہ ہو "جب تقسیم ملک سے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ وطن (پاکستان) کا دھندلا سا امکان اُفق پر نظر آنے لگا، تو احمدی آنے والے واقعات کے متعلّق متفکر ہونے لگے۔ انہیں پہلے انگریزوں کا جانشین بننے کی توقع تھی۔ لیکن جب ان کو یہ اَمر کسی قدر دُشوار معلوم ہوا کہ ایک نئی مملکت کے تصوّر کو مستقل طور پر گوارا کرلیں، انہوں نے اپنے آپ کو عجیب گومگو کی حالت میں پایا ہوگا کیونکہ نہ تو

وہ بھارت کی غیر مذہبی ہندو مملکت کو اپنے لئے چُن سکتے تھے نہ پاکستان کو پسند کرسکتے تھے۔ جس میں فرقہ بازی کے رَوا رکھے جانے کی کوئی توقع نہ تھی۔ ان کی بعض تحریروں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تقسیم کے مخالف تھے اور کہتے تھے کہ اگر ملک تقسیم بھی ہوگیا تو وہ اسے دوبارہ متّحد کرنے کی کوشش کریں گے، (رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۰۹)۔

تحریکِ پاکستان کی سیاسی جنگ کا فیصلہ کُن مرحلہ،

معاندین و مخالفین پاکستان سے

مشائخ وعلمائے اہلسنّت (بریلویہ) کی کامیاب ٹکّر

مورخہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ نے تاریخی قراردادِ پاکستان منظور کی۔ مسلم لیگ اس وقت تک مسلمانانِ ہند کی واحد نمائندہ جماعت کی حیثیت سے ایک ناقابلِ تسخیر قوت بن چکی تھی۔ مسلمان مسلم لیگ کے سبز ہلالی پرچم کے سائے میں متحد و منظم ہوچکے تھے اور قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں بیک وقت تین مخالف و معاند قوتوں (حکمران انگریز، ہندو کانگریس اور وہابی مولوی) سے ٹکراتے ہوئے مردانہ وار اپنی منزلِ مقصود (پاکستان) کی جانب بڑھ رہے تھے۔ اب حصولِ پاکستان مسلم قوم کی زندگی اور موت کا سوال بن چکا تھا۔

اسی دوران ۱۹۴۶ء کے انتخابات کا طوفانی مرحلہ پیش آگیا۔ غیر منقسم ہندوستان کے ان آخری انتخابات میں مسلم لیگ کی کامیابی کا مطلب حصولِ پاکستان اور مسلم لیگ کی شکست کا مطلب یہ تھا کہ مسلم قوم متحدہ ہندوستان میں حکمران انگریز کے بعد ہندو کانگریس کی دائمی غلامی قبول کرتی۔ یہ انتخابات، مسلم قوم کی عزّت و ذلّت، آزادی و غُلامی، زندگی و موت یعنی تقسیمِ ملک و قیامِ پاکستان یا اکھنڈ بھارت کے سوال کی بنیاد پر لڑے جارہے تھے۔

ہندو لیڈر وہابی مولویوں کے ذریعہ مسلمانوں کو بہکا کر قائداعظم کے دکھائے ہوئے راستہ سے ہٹا دینا چاہتے تھے مسلم لیگ کو شکست دے کر پورے ہندوستان پر قبضہ جما لینا چاہتے تھے۔ تاکہ انگریز سے اختیاراتِ حکمرانی حاصل کرلینے کے بعد ہندو کانگریس اپنے رام راجی منصوبوں کو اطمینان کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچاسکے۔ ہندو لیڈروں نے فرزندانِ اسلام کو پھانس لینے کی خاطر طرح طرح کی سازشیں تیار کر ڈالیں اور دام ہمرنگِ زمین بچھاکر زر پرست وہابی مولویوں پر تجوریوں اور خزانوں کے دروازے کھول دیئے۔ بس پھر کیا تھا "بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا" ابنُ الوقت وہابی مولوی اس کانگریسی مہم کو سَر کرنے کے لئے کمربستہ ہوگئے۔انہوں نے ملک میں طُوفانی دَورے کر کے قائدین مسلم لیگ اور قائداعظم کے خلاف ایک طوفانِ بدتمیزی برپا کردیا۔

الغرض کانگریسی وہابی مولوی کانگریس کا حقِ نمک اَدا کرنے کے جوش میں تہذیب و شرافت کی تمام حُدود پھلانگ گئے ان لوگوں نے قائدینِ مسلم لیگ کو ملحد، بے دین اور اسلام کے دُشمن اور قائداعظم کو کافرِ اعظم تک کہنے سے دریغ نہ کیا اور پاکستان کو ناپاکستان، خاکستان اور دیوانوں کی جنّت کہہ کر مسلمانوں کو تحریکِ پاکستان سے متنفر کرنے کی سرتوڑ کوشش کی اور مسلم لیگ کو انتخابات میں شکست دینے کی جدّوجہد میں اپنے کانگریسی آقاؤں سے بھی بازی لے گئے۔

چنانچہ جناب کوثر نیازی صاحب لکھتے ہیں۔ "مگر مسلمانانِ ہند کی تاریخ کے اس نازک موڑ پر مودودی صاحب نے مسلم لیگ کا ساتھ دینے سے انکار کردیا۔ ان کے اپنے عقیدتمندوں نے ان سے اپیل کی کہ وہ کم سے کم اِس اہم مرحلے پر تو انہیں مسلم لیگ کے حق میں ووٹ دینے کی اجازت دے دیں۔ مگر مودودی صاحب کا فتویٰ یہ تھا کہ اس الیکشن میں حصّہ لینا اسلام کے خلاف ہے اس لئے ہمیں اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ ان الیکشنوں کے نتیجہ میں ہندو ملک پر مسلّط

ہوجائیں گے یا دس کروڑ مسلمانوں کی قومی ہستی ختم ہوجائے گی۔ چنانچہ ایک سوال کے جواب میں انہوں نے غیر مبہم انداز میں یہ اعلان کیا کہ "ووٹ اور الیکشن کے معاملے میں ہماری پوزیشن کو صاف صاف ذہن نشین کرلیجئے، پیش آمدہ انتخابات یا آئندہ آنے والے اسی طرح کے انتخابات کی اہمیّت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم یا ہمارے ملک پر پڑتا ہو۔ بہر حال ایک بااُصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بناء پر ہم ان اُصولوں کی قربانی گوارا کرلیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔" (ترجمان القرآن ستمبر، اکتوبر ۱۹۴۵ء بحوالہ رسائل و مسائل جلد اول صفحہ ۵۱۳) (مودودیت عوامی عدالت میں، صفحہ ۶۱، ۶۲)

ان ابنُ الوقت وہابی مولویوں کے اس طلسم ہوشربا کو توڑنے اور مسلمانانِ ہند کو ان کے دامِ تزویر سے بچانے کے لئے مشائخ و علمائے اہلسنّت و جماعت (بریلویہ) سینہ سپر ہوکر بے محابا ان کے مقابلہ پر میدان میں آگئے اور ہر مقام پر ان کی خرافات کا رَدّ کرنے میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ ان مجاہدینِ ملّت نے اِس نازک اور ہنگامی دَور میں مسلم قوم کی کماحقّہ، صحیح راہنمائی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ قائداعظم اور دوسرے لیگی لیڈروں کے دوش بدوش تحریکِ پاکستان کا دفاع کرتے ہوئے مسلمانوں کو مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر متحّد و منظم کردینے کی خاطر دِن کا چین اور رات کی نیند قربان کردی اور اس قومی جنگ میں اپنی تمامتر خُداداد قابلیتوں اور صلاحیتوں کو پُوری قوت وہمت کے ساتھ وہابی مولویوں کے مقابلہ میں صَرف کردیا اور ان کے مکرو فریب کا پَردہ چاک کر کے رکھ دیا۔ چنانچہ اس کے نتیجہ میں بحمدہٖ تعالیٰ و بفیض رسولہ الاعلیٰ صلّی اللہ علیہ و سلّم مسلمان اچھی طرح بیدار اور ہشیار ہوکر وہابیہ کی گمراہ کن اور تباہ کن سرگرمیوں سے محفوظ رہ گئے اور ملّتِ اسلامیہ خودکشی سے بچ گئی۔

۱۹۴۶ء کے انتخابات کے موقعہ پر حضرت قائدِ اعظم نے مسلمانوں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا "مسلم لیگ کسی کھمبے کے ساتھ ٹکٹ باندھ دے تو تم اس کھمبے کو ووٹ دو" مشائخ و علمائے بریلویہ نے قائداعظم کے اس فرمان کی بجان و دل تائید کی اور تعمیل کرکے دکھادی۔ مشائخ نے اپنے مریدین و متوسلین کو سختی کے ساتھ ہدایت فرمائی کہ اپنے تمام ووٹ آنکھ بند کرکے مسلم لیگی اُمیدواروں کے حق میں استعمال کریں، اور علمائے حق نے یہ بات مسلمانوں کے ذہن نشین کردی کہ اس وقت مسلم لیگ کو ووٹ دینا اسلام کو ووٹ دینا ہے، اور مسلم لیگی اُمیدوار کے بجائے کسی دوسرے کو ووٹ دینا قطعاً حرام اور دینِ اسلام کے خلاف ہے پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ نہ صرف اپنے ووٹ بلکہ ووٹ کے ساتھ نوٹ بھی مسلم لیگ کے اُمیدواروں کو دے کر اسلامی حمیت کا ثبوت دیں۔

مشائخ عظام وعلمائے کرام کی ہدایات پر مسلم قوم نے پُوری طرح عمل کرکے دکھادیا اور یہ ثابت کردیا کہ وہ جاگ اُٹھے ہیں۔ اور انہوں نے ملّت فروش وہابی مولویوں کو پہچان کر انہیں ٹھکرادیا ہے، فرزندانِ اسلام نے مسلم لیگ کو ووٹ بھی دیئے اور نوٹ بھی۔ چنانچہ الیکشن کا نتیجہ نہایت شاندار نکلا۔ مسلم لیگ کو بے مثال کامیابی حاصل ہوئی۔ مسلمانانِ ہند نے پاکستان کے حق میں اپنا دو ٹوک فیصلہ دے دیا۔ ہندو کانگریس اور اس کے نمک خوار وہابی مولویوں کو انتہائی ذلّت آمیز شکست فاش نصیب ہوئی۔ ملّتِ اسلامیہ اس قومی جنگ میں کامیاب اور سُرخرو ہوئی۔ قائد اعظم کا سَر فخر سے اور اُونچا ہوگیا۔ مسلم لیگی رہنما جیت گئے، اور مورّخہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو ایک آزاد اور خود مختار اسلامی دُنیا کا سب سے بڑا اور عظیم ملک پاکستان ایک حقیقت بن کر نقشۂ عالَم پر نمودار ہوگیا۔ فضائیں مسلم لیگ زندہ باد، قائد اعظم زندہ باد، اور پاکستان زندہ

پائندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھیں وَلِلّٰہِ الحَمدُ عَلیٰ ذالکَ والصَّلوٰۃ وَالسَّلامُ عَلیٰ حَبیبِہٖ سیّدنا محمدٍ وّعلیٰ آلہٖ وَصحبِہٖ وَسَلَّم۔

موضوع کی مناسبت سے پاکستان کے موقر جریدہ " روزنامہ جنگ " کراچی میں شائع شدہ ایک مضمون سے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں۔

ہماری تاریخ کا سب سے المناک باب

ان مسلمانوں کا رویّہ ہے جو اس مہم میں کانگریس اور ہندوؤں کے ہمنوا بن گئے۔ مسلم سیاست دانوں کا وہ طبقہ جو اپنے آپ کو فخریہ طور پر قوم پرست کہتا ہے اور قوم پرستی کے زعم میں اپنی قوم کے مفاد کو نقصان پہنچانے میں ہمیشہ پیش پیش رہا۔ اس موقعہ پر اپنی ہندو دوستی اور لیگ دشمنی کے امتحان میں اس شدّ و مَد سے شریک ہوا، کہ ہندو بھی اس سے پیچھے رہ گئے۔ مسلمانانِ ہند کی یہ تاریخی بد نصیبی ہی کہلا سکتی ہے کہ ان کا سب سے معزّز اور محترم طبقہ جنہیں عُلمائے کرام کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اس مہم میں سب سے پیش پیش رہا۔ ہندوستان میں جمیعۃُ العلمائے ہند اس بزرگ طبقے کی سب سے بڑی تنظیم تھی اور اس تنظیم نے اپنے آپ کو مسلم لیگ اور اس کے مطالبے کی مخالفت کے لئے وقف کرلیا۔ ہم اس سے پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس تنظیم نے ہندوستان کے سب سے بڑے قوم پرست لیڈر مولانا ابُو الکلام آزاد کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجہ میں ۱۹۳۷ء ہی میں مسلم لیگ سے علیحدگی کا عزم کرلیا تھا۔

جب ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے تقسیم ملک کا مطالبہ پیش کیا، تو یہ علیحدگی مخالفت بلکہ کھلم کھلّا دشمنی کی شکل اختیار کر گئی۔ ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسلم لیگ نے تقسیم ملک کا مطالبہ پیش کیا اور اس کے دو تین ہفتہ بعد اپریل ۱۹۴۰ء میں جمعیۃ العلمائے ہند کی سرپرستی اور سرکردگی میں آزاد مسلم کانفرنس

کا اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس کی تجاویز میں پہلے تو اس نام نہاد کانفرنس کی نمائندہ اور ہندوستان گیر حیثیت کے دعوے کیئے گئے اور پھر یہ اعلان ہوا کہ ہندوستان ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے ہندوستان کے مسلمان لازمی طور پر ہندوستانی قومیت کے اجزاء ہیں۔

آگے چل کر یہ مخالفت لیگ کے قائدین کی شخصیت پر مرکوز ہونے لگی۔ قائد اعظم ان کے دستِ راست اور مسلم لیگ کے معتمد عمومی خان لیاقت علی خان اور دوسرے مسلم لیگی علماء کا اسلام ہی مشکوک قرار دیا گیا۔ بالخصوص ۱۹۴۶ء کے عام انتخابات کے دوران. جمعیۃ العلماء ہند کے نام نہاد حامیوں نے جس قسم کے رکیک اور ناروا حملے مسلم لیگی قائدین اور بالخصوص قائد اعظم اور لیاقت علی خان کی شخصیت اور ذاتیات پر کیئے انہیں کسی بھی معیار سے شریفانہ نہیں کہا جاسکتا۔

"یہ چند اوراق ہماری تاریخ کی چند نہایت تلخ روایات کو دُہراتے ہیں۔یہاں ان کے اعادے سے صرف یہ بتلانا مقصود تھا کہ مطالبۂ پاکستان سے لیکر قیامِ پاکستان تک مسلم لیگ اور اس کے عظیم قائد کو کن کن محاذوں پر لڑنا پڑا۔ انگریز، ہندو اور خود مسلمان مگر یہ قائد اعظم اور ان کے رفقاء کا بے پناہ خلوص تھا کہ پاکستان کا سفینہ مخالفتوں کے ان شدید طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہوئے (۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو) ساحلِ مُراد تک پہنچ گیا۔" (روزنامہ جنگ کراچی، یومِ پاکستان ایڈیشن ۱۹۶۸ء)

الغرض غیر منقسم ہندوستان میں "مِلّت از وطن است" کا نعرہ لگانے والے وہابی مولویوں کے خلاف حکیمُ الامّت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ اور مشائخ و علمائے اہلسنّت و جماعت (بریلویہ) کی جدّوجہد تاریخِ پاکستان کا نہایت اہم اور روشن باب ہے، یہ حضرات اگر وہابی مولویوں کی تردید میں جدّوجہد نہ کرتے اور خُدا نخواستہ

"وہابی" مولوی اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب ہوجاتے اور مسلمان ان کے دامِ تزویر میں پھنس جاتے تو عین ممکن تھا کہ ہندوستان کی جغرافیائی حدود مسلمانانِ برِّصغیر کو مِلّتِ اسلامیہ سے علیٰحدہ کر کے ان کی انفرادیت ہمیشہ کے لئے ختم کرادیتیں اور مسلمانانِ ہند، ہندو سامراج کے غلام بن جاتے اور پھر اس کے بعد مسلم قوم کا جو حشر ہوتا اس کے تصوّر سے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے مسلمانوں پر رحم فرمایا قائد اعظم محمد علی جناح اور ان کے ساتھ لیگی زعماء اور مشائخ و علمائے حق کی مجاہدانہ جدوجہد کو کامیاب فرمایا اور وہابی مولویوں سمیت مسلم لیگ کے مخالفین و دشمنان پاکستان خائب و خاسر ہوئے۔

قیامِ پاکستان کے بعد وہابی مولویوں کی سرگرمیاں

تقسیم ملک اور قیام پاکستان کے بعد وہی وہابی مولوی جو تحریک پاکستان کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے۔ مسلم لیگی لیڈروں اور مسلمانوں کو ملحد اور بے دین کہہ رہے تھے، بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم کو کافرِ اعظم قرار دیتے تھے، ہندوستان میں ان کے ہندو آقاؤں نے جب انہیں جوتے مارنے شروع کردیئے تو یہ وہابی صاحبان کمال ڈھٹائی اور انتہائی بے حیائی کے ساتھ اسی پاکستان میں آکر پناہ گیر ہوگئے جسے وہ ابھی ابھی ناپاکستان، پلیدستان، خاکستان اور احمقوں کی جنت کہتے رہے تھے، اور انہی میں سے وہ وہابی مولوی جو اپنے مفادات کے تحت پاکستان میں نہ آسکتے تھے وہ ہندوستان میں رہ کر حکمران ہندو لیڈروں کی خوشنودی حاصل کرنے اور ان کے منظورِ نظر بنے رہنے کی خاطر اپنی بچی کھچی غیرت و حمیت کو بھی خیر باد کہہ بیٹھے، اور اس قدر چھچھوری حرکات پر اُتر آئے کہ دوسرے بھارتی مسلمانوں کو بھی شرم محسوس ہونے لگی، چنانچہ مولوی عامر عثمانی فاضل دیوبند کے رسالہ میں ان احساسات کا اظہار مندرجۂ ذیل نظم کی

صورت میں کیا گیا۔

کیا گردشِ دوراں کا فسوں دیکھ رہا ہوں
دیو بند ترا حالِ زبوں دیکھ رہا ہوں

اللہ رے یہ مسند افتاد کی اہانت ؟
اپنوں کا بھی ہوتا ہوا خوں دیکھ رہا ہوں

آوارگیٔ فکر و نظر اہلِ حرم کی
نا پختہ مگر جوش جنوں دیکھ رہا ہوں

جو داعیٔ اسلام تھے، وہ دیش بھگت ہیں
نیرنگیٔ دوران کا فسوں دیکھ رہا ہوں

اسلاف کے دل بھی ترے فتووں سے ہیں مجروح
تکفیر کا یہ شوقِ فزوں دیکھ رہا ہوں

غیروں سے ہے الفت تجھے اپنوں سے الجھاؤ
بدلا ہوا انداز جنوں دیکھ رہا ہوں

یہ منصب افتاء ارے فتووں کا یہ اندھیرا
فنکاری شیطاں کا فسوں دیکھ رہا ہوں

حق گوئی و بیباکی اسلاف کی سوگند
تجھ کو پئے اغراض نگوں دیکھ رہا ہوں

(ماہنامہ " تجلّی " دیو بند، مئی ۱۹۵۷ء)

ہندوستان کے مسلمان ان وہابی مولویوں کی اسلام دشمنی، ملّت فروشی، کفر نوازی اور مفاد پرستی دیکھ کر ان سے انتہائی نفرت کا اظہار کرنے لگے، چونکہ جمعیۃ العلمائے ہند جو مدرسۂ دیو بند کے علماء و طلباء پر مشتمل تھی، جس نے اپنی مذموم حرکات سے اسلام دشمنی میں مثالی کردار ادا کیا تھا، اس لئے ان کے

خلاف بھارتی مسلمانوں کی نفرت انتہائی عروج پر پہنچ گئی ، اور اس کا اظہار فاضل دیوبند عامر عثمانی کے رسالہ میں ان اشعار سے ہوتا ہے ؎

دغا کی دال سے یاجوج کی ہے "ی" اس میں
وطن فروشی کی "واو" بدی کی "ب" اس میں!
جو اس کے نون میں نارِ جحیم غلطاں ہے
تو اس کی دال سے دہقانیت نمایاں ہے
ملے یہ حرف تو بیچارہ دیوبند بنا
بُرے خمیر سے یہ شہر نا پسند بنا

(ملاحظہ ہو ماہنامہ تجلّی ، دیوبند ، فروری ۱۹۵۷ء)

چونکہ ہمارا سابقہ براہِ راست اب ان ابنُ الوقت وہابیوں سے ہے، جو پاکستان میں پناہ گزین ہو چکے ہیں لہٰذا ہندوستانی وہابیوں کے حالات پر مزید کچھ لکھنے کے بجائے پاکستانی وہابیہ کے موجودہ حالات و کردار پر روشنی ڈالنا مناسب ہے۔

پاکستان میں وہابی مولویوں کی شرانگیز اور انتقامی کاروائیاں

قائد اعظم کی ناقابلِ شکست اور عظیم قیادت میں فرزندانِ اسلام کے نظم و ضبط اور یقین محکم سے ٹکرا کر ہندو کانگریس نے قہراً جبراً ملک اور قیامِ پاکستان کو بظاہر منظور تو کر لیا مگر انہوں نے پاکستان کو اب تک دل سے قبول نہیں کیا۔ کانگریسی لیڈر نہیں چاہتے کہ پاکستان اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر قائم رہ سکے ، بھارتی لیڈر روزِ اوّل سے ہی حکومت پاکستان کو اقتصادی ، معاشی ، معاشرتی اور سیاسی بحران میں مبتلا کر کے اپنے سامنے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کر دینا چاہتے تھے ، یہ لوگ تقسیم کے خاتمے اور اکھنڈ بھارت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ اپنے سامراجی عزائم اور رام راجی منصوبوں کی جلد از جلد تکمیل کے لئے بے چین و مضطرب تھے۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے بھارتی لیڈروں نے ملک کے طول و عرض

میں سِکھّوں اور ہندو غنڈوں کے ہاتھوں منظّم طور سے وسیع پیمانہ پر مسلمانوں کا قتلِ عام شروع کرادیا۔ مسلمانوں کی آبادیوں کو لُوٹ مار کے بعد نذرِ آتش کردیا گیا۔ معصوم شیر خوار بچّوں کو ہَوا میں اُچھال اُچھال کر تلواروں، نیزوں اور برچھیوں کی نوک پر پرو کر ہلاک کیا گیا اور ماؤں کے سینے پر بچّوں کو لٹا لٹا کر ذبح کیا گیا۔ لاکھوں مسلمان بے دریغ قتل کردیئے گئے پچاس ہزار سے زیادہ مسلم خواتین کو جبراً اغوا کیا گیا۔ ان ظالمانہ کاروائیوں میں بھارتی مسلح پولیس اور فوج برابر شریک رہی، لُٹے پِٹے مسلم مہاجرین کے قافلے نہایت بے سرو سامانی کے عالم میں پاکستان میں داخل ہونے لگے۔ کم و بیش پچاس لاکھ مہاجرین پاکستان میں وارد ہوگئے اور اس کے ساتھ ہی طے شدہ منصوبہ کے تحت پاکستان کے علاقوں سے ہندو اور سکھ نقل مکانی کرکے بھارت چلے گئے۔ اس دو طرفہ کاروائی سے بھارتی لیڈروں کا منشاء یہ تھا کہ ایک طرف تو حکومتِ پاکستان مسلم مہاجرین کے بے پناہ سیلاب کو سنبھال نہ سکے گی۔ اور معاشی و معاشرتی بحران کا شکار ہوجائے گی اور دوسری طرف غیر مسلم سرمایہ داروں کے یک لخت پاکستان سے نکل جانے کے باعث پاکستان اقتصادی لحاظ سے مفلوج ہوکر رہ جائے گا۔ اور اس کے نتیجے میں حکومت پاکستان، بھارت کے آگے گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور ہوجائے گی اور اسی بناء پر بھارتی لیڈر بڑے فخر سے غرور کے ساتھ یہ اعلان کررہے تھے " پاکستان چھ مہینے سے زیادہ قائم نہیں رہ سکے گا " او اکھنڈ بھارت بن کر رہے گا۔

اس پُر آشوب اور سخت امتحانی دَور میں جب کہ رہنمایان قوم اور پاکستان کے عوام نہایت عزم و استقلال کے ساتھ حالات پر قابو پالینے کی کوشش میں سرگرم عمل تھے آنے والے تباہ حال مہاجرین کی نگہداشت امداد اور آبادکاری، جانے والے سِکھّوں اور ہندوؤں کے انتظامات میں ہمہ تن مصروف اور اس کے

ساتھ ساتھ امن و امان کی نگرانی ، اقتصادی ڈھانچہ کی بحالی اور معاشی و معاشرتی حالات کے درست رکھنے میں لگے ہوئے تھے ، نیز داخلی اور خارجی نت نئے مسائل کا مردانہ وار مقابلہ کررہے تھے ، اس نازک وقت میں شکست خوردہ ملّت فروش وہابی کچھ اور ہی سوچ رہے تھے ، بلکہ یوں کہیئے کہ انہیں اس وقت بہت دُور کی سُوجھ رہی تھی ۔ یہ لوگ حکومتِ پاکستان ، راہنمایان قوم اور پاکستانی عوام سے اپنی ذلّت و شکست کا انتقام لینا چاہتے تھے ، بھرپور انتقام ۔ ان کے دل و دماغ میں پاکستان کے متعلق اس قدر زہر بھرا ہوا تھا کہ قیام پاکستان کے بعد لاہور میں تقریر کرتے ہوئے وہابیوں کے پیشوا عطا اللہ شاہ بخاری نے اعلان کیا کہ "پاکستان ایک بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا ہے۔" (رپورٹ تحقیقاتی عدالت صفحہ ۲۷۵)

وہابی مولویوں اور ان کے متعلقین نے حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک طرف ، شہروں ، قصبات اور دیہات میں زرعی و غیر زرعی متروکہ املاک کے زیادہ سے زیادہ الاٹمنٹ حاصل کرنے شروع کردیئے اور دوسری طرف پاکستان کے اطراف و جوانب میں اپنے مدرسے اور ادارے قائم کرنے میں مصروف ہوگئے ۔ تیسری طرف مسلمانوں سے چندے اور عطیات وصول کر کے تبلیغ اسلام کی آڑ میں وہابیت کی نشرو اشاعت شروع کردی ۔ تحریر اور تقریر سے اختلافی مسائل کو ہوا دے کر مسلمانوں میں انتشار برپا کرنے اور باہمی سرپھٹول کرانے کی پُرانی ترکیب پر عمل شروع کردیا اور حسب سابق عقائد اہل سنّت و جماعت کی تردید اور بات بات پر بدعت اور شرک کا بازار گرم کردیا ۔ چوتھی طرف پاکستان میں اسلامی حکومت اور آئین اسلامی کے نعرے لگا کر میدان سیاست میں ہنگامہ آرائی کا آغاز کردیا یہ لوگ حکومت پاکستان کو غیر اسلامی قرار دے کر ارباب حکومت کو پریشان کرنے اور عوام کو حکومت کے خلاف بھڑکانے کی خاطر نت

نئے مسائل کھڑے کرنے لگے اور پانچویں طرف کچھ وہابی مولوی ذاتی و گروہی مفادات کے تحت اربابِ حکومت کا تقرّب حاصل کر کے حکومت پر اثر انداز ہونے کی خاطر ہاتھ پاؤں مارنے لگے اور یہ سب کچھ اس لئے کہ وہابی مولوی اصول وہابیہ کے مطابق مذہب کی آڑ میں اقتدار کا شکار چاہتے تھے۔

ان کا اصل مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو سُنّی وہابی کے جھگڑے میں اُلجھا کر باہم لڑادیں، تاکہ ملک میں انتشار بدامنی اور افراتفری پھیل جائے۔ راہنمایان قوم اور ارباب حکومت داخلی نظم و نسق اور امن بحال کرنے میں مشغول و مصروف رہیں اور بھارتی لیڈروں کی پاکستان دشمن کارروائیوں کا مقابلہ یکسوئی کے ساتھ نہ کرسکیں، نیز یہ کہ ارباب حکومت کی توجہ مہاجرین کی آبادکاری و انتظام سے ہٹ جائے اور ملک میں شدید بحران واقع ہوسکے تاکہ بھارتی حکومت اس سے فائدہ اٹھاکر بھرپور وار کرنے میں کامیاب ہوجائے اور اگر اس طرح بھی مقصد حاصل نہ ہو تو وہابیت کی نشرو اشاعت کر کے عوام کو زیادہ سے زیادہ اپنا ہم خیال بنا کر انتخابات میں کامیابی حاصل کر کے ملک کو ریاست وہابیہ میں تبدیل کردیا جائے اور اس طرح مسلم لیگی راہنماؤں اور سُنّی عوام سے اپنی شکست کا انتقام لے سکیں، مگر

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

مقامِ شکر ہے کہ ہمارے قومی راہنماؤں نے انتہائی تحمل، بلند ہمّتی، تدبّر اور دُور اندیشی کے ساتھ ان تمام حالات کا مَردانہ وار مقابلہ کیا۔ مشائخ و علمائے اہلسنّت و جماعت بریلویہ نے اس موقع پر بھی ہر مقام پر ہر لحاظ سے جذبۂ حق پرستی کا شاندار مظاہرہ کرتے ہوئے قوم کی صحیح راہنمائی فرمائی۔ وہابیہ کی شدید اشتعال انگیزیوں کے باوجود نہ خود مشتعل ہوئے اور نہ ہی قوم کو مشتعل ہونے دیا۔ بلکہ وہابی مولویوں کی ہر بداخلاقی، بدتہذیبی اور ان کی امن سوز حرکات کا

جواب اخلاق و تہذیب کے دائرہ میں رہتے ہوئے مؤثر طور پر دیتے رہے اور اس طرح ان کی مذموم سازشوں کو ناکام اور ان کے ناپاک منصوبوں کو خاک میں ملاکر رکھ دیا۔

علمائے حق کے اس ہوشمندانہ رویے اور ان کی مجاہدانہ جدوجہد کے نتیجہ میں نہ صرف یہ کہ ملک میں امن و امان بحال رہا بلکہ ان بزرگانِ دین نے اپنے عاقلانہ طرزِ عمل سے ملک کی فضاء کو سازگار رکھ کر پاکستان کی قومی حکومت کو پُورے اطمینان اور سرگرمی کے ساتھ ملک کے استحکام اور ترقی کے لئے کام کرنے میں پوری پوری مدد بہم پہنچائی۔ رفتہ رفتہ مہاجرین کے مسائل حل ہوتے رہے اور ملک بفضلہٖ تعالیٰ ترقی اور استحکام کے راستہ پر گامزن ہوگیا۔

پاکستان اپنے اکیس سالہ دور میں سیاسی اعتبار سے متعدد سنگین حالات اور انقلابات سے گزرچکا ہے اور اس کے باوجود نہ صرف قائم ہے بلکہ مزید ترقی و استحکام کی جانب گامزن ہے اور انشاء اللہ پاکستان ہمیشہ کے لئے قائم و دائم رہے گا اور ملّتِ اسلامیہ کی نشاۃٔ ثانیہ کا باعث بنے گا۔

لیکن وہابیوں کی حالت پر جس قدر بھی افسوس کیا جائے کم ہے کہ اتنا عرصہ گزرجانے پر بھی ان کی ذہنیت تبدیل نہیں ہوئی ہے اور نہ ہی ان کے طور طریقوں میں کچھ فرق واقع ہوا ہے بلکہ یہ لوگ اب بھی وہی عزائم رکھتے ہیں جو پہلے تھے اور انہی مقاصد پر قائم ہیں۔

اس وقت منجملہ دیگر وہابیہ کے دو تنظیمیں نمایاں طور پر سرگرم عمل ہیں ایک جماعت اسلامی اور دوسری جمیعۃ العلمائے اسلام۔ اور یہ دونوں جماعتیں سیاسی میدان میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی سرتوڑ کوشش میں ہیں لیکن اپنی اصلیت اور حقیقت کے لحاظ سے دونوں یکساں ہیں۔ اسلام کی رُو سے یا پاکستانی نقطہ نگاہ سے دونوں ہی ناقابل اعتماد ہیں، پاکستان دشمنی میں دیگر وہابیہ

کی طرح یہ بھی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔

مودودی صاحب کی تنظیم جماعتِ اسلامی کے متعلّق گذشتہ اوراق میں مفصّل حقائق پیش کیے جاچکے ہیں اور جمعیۃ العلمائے اسلام کی پاکستان دشمنی کے متعلق آئندہ صفحات میں حقائق ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے۔ تاہم یہاں مزید یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ جماعتِ اسلامی کے بانی و راہنما مودودی صاحب پاکستان بن جانے اور پاکستان میں پناہ گزیں ہوجانے کے بعد بھی پاکستان کو قبول نہیں کرسکے بلکہ وہ قیام پاکستان کو مسلم لیگ اور مسلمانوں کی غلطی اور حماقت ہی قرار دیتے رہے ہیں۔

جناب کوثر نیازی صاحب اپنی کتاب "مودودی عوامی عدالت میں" صفحہ ۴۸ پر لکھتے ہیں۔ "اس اجتماع مدراس میں جس کا ذکر پچھلی سطور میں ہوچکا ہے مودودی صاحب نے تقسیم کے بعد بھارت میں رہ جانے والے مسلمانوں کو بعض زرّیں مشورے دیئے اِس موقع پر انہوں نے پھر اعلان کیا کہ حصولِ پاکستان کی تحریک ایک غلط تحریک تھی اور اسے اسلام کے بجائے اغراض کے لئے برپا کیا گیا تھا۔ فرمایا "سب سے مقدم کام یہ ہے کہ اس قومی کشمکش کا خاتمہ کیا جائے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اب تک برپا رہی ہے۔ میرے نزدیک یہ بات پہلے بھی غلط تھی کہ مسلمان اسلام کے لئے کام کرنے کے بجائے اپنے قومی اغراض اور مطالبوں کے لئے لڑتے رہے، مگر اب تو اس لڑائی کو جاری رکھنا محض غلطی نہیں بلکہ مہلک غلطی اور احمقانہ خودکشی ہے۔"

نیز اسی کتاب کے صفحہ ۶۵، ۶۶ پر ہے۔ "۱۹۴۸ء میں مودودی صاحب میاں طفیل صاحب کی معیت میں جھنگ کے دورے پر آئے تو مشہور صحافی اور روزنامہ نوائے وقت کے وقائع نگار خصوصی عرفان چغتائی مرحوم نے اپنی اس ملاقات کا حال روزنامہ نوائے وقت ۱۹ اگست ۱۹۴۸ء میں قلمبند کیا ہے۔ وہ کہتے

ہیں کہ جب میں نے مودودی صاحب کی توجہ جماعت کے اِس پوسٹر کی طرف مبذول کرائی جس میں درج تھا کہ "مسلمانو! تم نے باطل اُصولوں کی خاطر گھربار چھوڑا۔ عزیز و اقارب کو ذبح کرایا۔" اور آپ سے پوچھا کہ مولانا کیا وہ اصول باطل تھے جن کے لئے مشرقی پنجاب اور ریاستوں کے مسلمانوں کو ہجرت کر کے یہاں آنا پڑا تو مولانا نے جواب دیا۔ "واقعی میرے نزدیک کسی کو مہاجر کہنا از روئے شریعت ناجائز ہے کیونکہ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کا یہ سفر ہجرت نہیں ہے۔"

عرفان صاحب کا دوسرا سوال یہ تھا کہ "کیا پھر آپ کے نزدیک مہاجرین کی جانی اور مالی قربانیوں کی کوئی قیمت نہیں ہے۔" اس پر مولانا مودودی صاحب نے فرمایا "نہیں وہ بھگوڑے اور بُزدل ہیں۔ انہوں نے ایک غلط قدم اٹھایا تھا۔ قومیت کی جنگ لڑی تھی۔ جب اس کی سزا بھگتنے کا وقت آیا تو مشکلات سے گھبرا کر فرار کی راہ اختیار کی۔" مگر عرفان مرحوم بھی کب ماننے والے تھے۔ انہوں نے بھری بزم میں راز کی بات کہہ دی، کہا مولانا! "گستاخی معاف! کیا آپ بھی اسی زمرہ میں داخل نہیں جو پٹھانکوٹ سے بھاگ کر پاکستان آئے؟" ظاہر ہے کہ مودودی صاحب کے پاس خموشی کے سوا اس سوال کا اور کیا جواب ہو سکتا تھا۔

نیز قیام پاکستان کے بعد اور قائداعظم علیہ الرحمتہ کے بنائے ہوئے پاکستان میں پناہ لینے کے باوجود گستاخ مودودی، بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کی شان میں انتہائی گستاخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ

"قائداعظم اداکار تھے!"

مودودی صاحب کے اصل الفاظ یہ ہیں "اس اداکار کا پارٹ اس ڈرامے میں سب سے زیادہ ناکام ہے۔" (کتاب مذکور صفحہ ۷۰)

جمعیۃُ العلمائے اسلام

واضح رہے کہ جمعیۃ العلمائے اسلام کانگریسی وہابی مولویوں کی تنظیم "جمعیۃ

العلمائے ہند" کی پاکستان میں ایک شاخ ہے۔ وہی "جمعیۃ العلمائے ہند" جو کانگریس نوازی اور پاکستان دشمنی کی وجہ سے انتہائی بدنام ہے۔ کانگریسی مولوی جو قیامِ پاکستان سے قبل پاکستان کی سخت مخالفت کرتے رہے تھے، پاکستان میں جمعیۃ العلمائے اسلام کی آڑ میں اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔

دیوبندی وہابی مولویوں میں سے جب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور ان کے چند ساتھیوں نے تحریکِ پاکستان کی حمایت کا فیصلہ کیا اور جمعیۃ العلمائے ہند سے علیحدہ ہوکر حصولِ پاکستان کی جدّوجہد میں شریک ہوگئے تو انہوں نے جمعیۃ العلمائے اسلام کے نام سے اپنی تنظیم قائم کرلی تھی۔ مگر ان کے بعد جب یہ تنظیم عملاً دَم توڑ گئی تو پاکستان دشمن وہابی مولویوں نے اِسی نام سے اپنی تنظیم قائم کرلی اور آج تک اسی نام کو استعمال کر رہے ہیں۔

ان کے متعلق چند شہادتیں ملاحظہ ہوں۔ "موجودہ جمعیۃ العلمائے اسلام کانگریسی علماء کی جمعیۃ العلماء ہند کی پاکستانی شاخ میں ایک مسئلہ پر شدید اختلاف پیدا ہوگیا تھا۔ تو بھارت سے دارالعلوم دیوبند کے قاری محمد طیّب صاحب (کانگریسی) نے پاکستان تشریف لاکر اس میں مصالحت کرائی تھی (الغرض) موجودہ جمعیۃ العلماء اسلام کے شرکاء عموماً وہ لوگ ہیں، جو پاکستان کے نظریہ سے ہمیشہ مختلف رہے اور جمعیۃ العاء ہند (دیوبند) سے وابستہ رہے۔" (مراسلہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۲ مئی ۱۹۶۳ء)

نیز ملاحظہ ہو "بلّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا" یعنی مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی قائم فرمودہ "جمعیۃ العلمائے اسلام" اندرونی بد نظمی کا شکار ہوکر موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہوگئی۔ احراری اور کانگریسی خیال کے علماء حضرات نے اس موقع کو غنیمت جانا اور انہوں نے جمعیۃ العلمائے اسلام کے خانۂ خالی میں اپنا "ولیو" داخل کرنے کی مساعی شروع کردیں۔ اِس مقصد کے لئے ان کی

نگاہِ انتخاب نے لاہور کے ایک سادہ لوح عالم دین یعنی مولانا احمد علی کو تاکا، مولانا احمد علی نے اس موقع پر احراری حضرات کی دستگیری پر آمادگی کا اظہار فرمایا اور پھر احراری حضرات نے کوئی نئی تنظیم بنانے کے بجائے جاں بلب جمیعۃ العلمائے اسلام کے تن خالی پر قبضہ جمانے کی شرمناک تدبیر کی۔ چنانچہ اس تدبیر کی تزویر کے ماتحت پاکستان کے تقریباً تمام احراری، کانگریسی اور سرخپوش حضرات نے ملتان میں ایک روز جمع ہوکر جمیعۃ علمائے اسلام کا نام ہتھیایا اور اس کا صدر مولانا احمد علی کو بنا دیا اور پھر چشمِ فلک نے یہ عجیب منظر دیکھا کہ جس جمیعۃ علمائے اسلام کی مسند پر سالہا سال تک نظریۂ پاکستان کے موئد و حامی علماء متمکن رہے، وہاں اب نظریۂ پاکستان کے پُرانے مخالف اور ہندو کانگریس کے قدیم خیمہ بردار سریر آراء ہوگئے اور علماء کی اس مشہور جماعت پر طوطیان پاکستان کی جگہ "زاغان ہندوستان" کا تصرف قائم ہوگیا۔ اس طرح ..... " زاغوں کے تصرّف میں عقابوں کا نشیمن ...... " کی اندوہناک روایت ایک مرتبہ پھر پاکستان میں تازہ ہوگئی۔ ایک طرفہ تماشا کے ماتحت اس کے سربراہ خان عبدالغفار خان سرخپوش کی تحریک کے مولوی محمد یوسف بنوری اور احرار کے مولوی غلام غوث ہزاروی قرار پائے۔" (کتاب مولانا مودودی اور جماعت اسلامی اسی علماء کی نظر میں)

مفتی محمود اور غلام غوث ہزاروی

یہ دونوں صاحبان بھی دیگر وہابیہ کی طرح تحریکِ پاکستان کے سخت مخالف اکھنڈ بھارت کے سرگرم حامی اور کانگریسی لیڈروں کے مشہور حاشیہ بردار تھے۔ انہوں نے تحریکِ پاکستان کو ناکام بنانے کی سخت جدوجہد کی اور ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو شکست دینے کی سرتوڑ کوشش کرتے رہے اور ہندو لیڈروں کا نمک حلال کرنے کی خاطر انہوں نے قائدین مسلم لیگ اور قائداعظم

کے خلاف انتہائی دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا۔ ملک کے طول و عرض میں تحریکِ پاکستان، مسلم لیگ اور قائداعظم کے خلاف دھواں دھار تقریریں کرتے رہے۔ پاکستان میں بفضلہٖ تعالیٰ اب تک ایسے افراد بکثرت موجود ہیں جو ان کو قیامِ پاکستان سے پہلے وقتوں سے بخوبی جانتے پہچانتے ہیں اور ان کے سابقہ و موجودہ کردار سے اچھی طرح واقف ہیں۔

موجودہ جمعیۃ العلماء اسلام کانگریسی احراری علماء پر مشتمل ہے اور یہ قدیم جمیعۃ العلماء ہند کی پاکستانی شاخ ہے۔ مفتی محمود صاحب ان لوگوں کے ساتھ شامل تھے جنہوں نے پاکستان کی شدید طور پر مخالفت کی یہاں تک کہ قائدِاعظم کو کافرِاعظم تک کہا۔ مفتی محمود کے علاوہ غلام غوث ہزاروی صاحب بھی تحریکِ پاکستان کے مخالف اور کانگریس کے ہمنوا تھے، (خواجہ شاداحمد جوہر آباد، روزنامہ "نوائے وقت" مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۶۳ء)

"مولوی غلام غوث ہزاروی ۱۷ اگست ۱۹۴۷ء تک قائداعظم اور نظریۂ پاکستان کے مخالف تھے۔ لاہور میں احرار کا وہ جلسہ جس میں قائداعظم کو مظہر علی اظہر نے کافرِاعظم کہا اس کے صدر یہی غلام غوث ہزاروی تھے، وہ کبھی انکار نہیں کریں گے کہ انہوں نے قائداعظم اور مسلم لیگ کی آخری وقت تک مخالفت کی۔ وزارتی مشن کی آمد کے دنوں میں احرار کانفرنس کے سالانہ اجلاس ہزارہ میں ان کا خطبہ پاکستان کے خلاف انتہائی قہر و غضب میں ڈوبا ہوا تھا۔ روزنامہ ترجمان احرار کے پرانے شماروں میں اس کی دستاویزی شہادت موجود ہے (حافظ لقاء اللہ، گجرات)

اس کے علاوہ آئے دن اخبارات و رسائل میں واقفانِ حال کے ایسے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں جن سے ایسے لوگوں کی نقاب کشائی ہوتی ہے۔ اس کتاب میں ایسے مضامین کا حصر، نہ مقصود ہے نہ ممکن، بلکہ مقصود محض اظہارِ

حقیقت ہے جو مندرجہ بالا حوالہ جات سے بخوبی واضح ہوجاتی ہے۔ لیکن تعجب تو اس بات پر ہے کہ یہی لوگ جو تحریک پاکستان کو ناکام بنا دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے ہیں، قیام پاکستان کے بعد انہیں پناہ بھی پاکستان میں ہی نصیب ہوئی اور اب وہی پاکستان ہے۔ جس پر یہ لوگ حکومت کرنے کے خواب تک دیکھنے لگے ہیں۔ آج یہ ابن الوقت وہابی پاکستان کے بڑے غمخوار اور مسلمانوں کے سچّے ہمدرد بن کر ان کی حمایت کے طلبگار ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں کے ووٹ حاصل کر کے مسند اقتدار پر مسلط ہوجائیں۔ شاید یہ ملّت فروش وہابی اپنے سابقہ کردار کو فراموش کر چکے ہوں یا مصلحتاً فراموش کر دینا چاہتے ہوں۔ مگر انہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مسلم عوام نے ان کے کردار کو فراموش نہیں کیا ہے۔ انہیں اچھی طرح یاد ہے کہ ان لوگوں نے مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان کو دیوانے کی بَڑ قرار دے کر اس کا مذاق اڑایا تھا۔ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کو شکست دینے کے جوش میں مسلم لیگ کو ووٹ دینا حرام قرار دے دیا تھا۔ یہاں تک کہ یہ عوام کے سچے ہمدرد اور اسلام کے علمبردار وہابی مولوی مسلم دشمنی میں اس قدر حد سے گزر گئے کہ مسلم لیگ کے حامی مسلمانوں کو کافروں سے بھی بدتر قرار دے رہے تھے۔ محض اس جرم میں کہ مسلمان مسلم لیگ کی قیادت میں حصولِ پاکستان کی جدّوجہد کیوں کر رہے ہیں۔ وہابیوں کے سرپرست ہندو لیڈروں کی دائمی غلامی پر کیوں رضامند نہیں ہوتے۔ وہابی مولویوں کی بات مان کر "اکھنڈ بھارت" قبول کیوں نہیں کرلیتے۔

ایک درد مند پاکستانی مسلمان بجاطور پر سوال کرتا ہے کہ مفتی محمود کو اگر پاکستان اور اسلام سے ایسی ہی ہمدردی تھی تو انہوں نے متحدہ قومیت کی حمایت کا نعرہ کیوں لگایا تھا اور پاکستان کے قیام کی زبردست مخالفت کیوں کی گئی تھی؟ پھر! کیا یہ غلط ہے کہ مفتی صاحب نے ایک فتویٰ بھی صادر فرمایا تھا

کہ "ہندوستان کی تمام قوموں سے رشتے ناطے کرنا جائز ہے۔ لیکن کسی مسلم لیگی سے کسی مسلمان لڑکی کا نکاح جائز نہیں۔" (بحوالہ اخبار آزاد مورخہ ۱۵؍ اگست ۱۹۴۴ء اکرام الحق شیخ جوہر آباد روزنامہ نوائے وقت لاہور مورخہ ۱۸؍ اکتوبر ۱۹۶۳ء) بشمول مفتی محمود صاحب اس سوال کا جواب دینا تمام وہابیہ کے ذمے ہے۔

"هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ"

بحمدہ تعالیٰ قیامِ پاکستان سے قبل قیامِ پاکستان کے دوران اور قیامِ پاکستان کے بعد کے واقعات پر مشتمل ناقابلِ تردید حقائق کی روشنی میں وہابیوں کا مجموعی کردار واضح و مبرہن ہوچکا۔ اگرچہ مجھے اس کا بھی اعتراف ہے کہ ان کے متعلق کئی ایک پہلو مزید بحث طلب اور تشنہ رہ گئے ہیں۔ مگر چونکہ خلاف توقع مضمون طویل ہوچکا ہے۔ لہٰذا مزید طوالت سے بچنے کی خاطر سرِدست اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔ اگر حالات نے اجازت دی اور عمر نے وفا کی تو انشاء اللہ تعالیٰ ان پہلوؤں پر ایک الگ تصنیف میں شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ واللہ المستعان،

آخر میں ملتجی ہوں کہ مسلمانانِ پاکستان، قائدینِ ملک و مِلّت اور اربابِ حکومت خُدارا اِن مٹھی بھر مار آستین وہابیہ کی سرگرمیوں پر ہمہ وقت کڑی نظر رکھیں تاکہ یہ لوگ اپنے مخصوص ہتھکنڈوں کے ذریعے اقتدار پر قابض ہوکر مملکتِ پاکستان کو ریاستِ وہابیہ بنا دینے یا اس میں ناکامی کی صورت میں اپنے پُرانے آقایان ولی نعمت بھارتی لیڈروں کے خواب "اکھنڈ بھارت" کو شرمندۂ تعبیر کردینے میں کامیاب نہ ہوسکیں،

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْن۔

دوسرا باب

جنگِ آزادی اور تحریکِ پاکستان کے ہیرو

مشائخ و علمائے اہلِ سُنّت وجماعت (بریلویہ)

تفصیل میں جانے سے قبل اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ مشائخ و علمائے اہلسنّت وجماعت کے تذکرہ میں لفظ "بریلویہ" لکھنے سے فرقہ واریت کا اظہار مقصود نہیں۔ بلکہ علمائے سوء اور علمائے حق میں امتیاز کی خاطر یہ لفظ لکھا جاتا ہے۔

چونکہ اسلام میں فتنوں کے ظہور کے وقت سے لے کر آج تک علماء سوء اور علمائے حق میں مسلسل ٹکراؤ ہوتا رہا ہے اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ علمائے حق ہر مصلحت کو ٹھکراتے ہوئے حق پر قائم رہتے ہیں اور علمائے سوء مفادات اور مصلحتوں کے پیش نظر حالات کے مطابق روپ بہروپ بدلتے رہتے ہیں۔ عوام کے سامنے جُبّہ و دستار کی نمائش کر کے بڑے مخلص انتہائی متقی اور پرہیزگار اور پارسا بن کر آتے ہیں مگر بہ مصداق ع

چوں بہ خلوت میروند آں کار دیگر می کنند!

ان کا اصل مقصد عوام کو فریب دینا ہوتا ہے اور عوام بھی نقل و اصل اور ملمع و حقیقت میں استعداد امتیاز کی کمی کے باعث اکثر دھوکا کھا جاتے اور نقصان اٹھاتے ہیں۔ لہٰذا اظہارِ حقیقت کے پیش نظر موجودہ زمانہ میں علمائے حق کے تذکرے میں لفظ بریلویہ لکھنا ضروری ٹھہرا۔

نیز علمائے حق کو "بریلویہ" لکھنے کی توجیہہ یوں ہے کہ موجودہ زمانہ میں امامِ وقت مجدّدِ دین و مِلّت حضرت احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے سلفِ صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے علمائے حق کے کردار کو اپنایا اور آخری وقت تک علماء سوء کے مقابلہ میں سینہ سپر رہے اور اپنی خداداد قابلیت سے شہر بریلی کو علمائے حق کا مرکز بنادیا تو برصغیر پاک و ہند میں علمائے حق اور علماء وہابی مولویوں کا فرق ظاہر ہوا اور عموماً علمائے حق کی پہچان کے لئے انہیں "بریلی" سے نسبت دینا مروج ہوگیا۔

عرفِ عام میں جب علماء حق اہلسنّت و جماعت کو علماء بریلویہ اور دوسرے مولویوں کو وہابی سمجھا اور کہا جانے لگا تو وہابی مولوی بڑے سٹپٹائے کہ اب اپنی وہابیت کو کیونکر چھپائیں۔ بہت پاپڑ بیلنے پر بھی جب یہ لوگ اپنی وہابیت کو نہ چھپاسکے تو باالآخر انہوں نے بھی اپنی مخصوص "حکمتِ عملی" سے کام لیتے ہوئے خود کو اہلسنّت و جماعت کہلانا شروع کردیا۔

چنانچہ اب وہابیہ کے تمام گروہ خواہ مقلّد ہوں یا غیر مقلّد اپنی تقریروں میں خود کو اہلسنّت و جماعت لکھ رہے ہیں گویا یہ لوگ وہابیت کے کھوٹے سکے کو کھرا ظاہر کر کے چلانا چاہتے ہیں لیکن ان کی یہ کوشش بھی ناکام رہتی ہے۔ جبکہ اپنے متعلق اہلسنّت و جماعت کے ساتھ لفظ "بریلویہ" کسی صورت نہیں لکھ سکتے اور ان کا کھوٹ ظاہر ہوجاتا ہے۔ فھوالمراد۔

اس ضروری وضاحت کے بعد اب آئیے اصل موضوع کی جانب:

متحدہ ہندوستان میں جب انگریز نے سازشوں کے جال بچھا کر نہایت مکّاری کے ساتھ اپنے قدم جمالئے اور اس ملک کے باشندوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھانے شروع کئے تو باشندگانِ ہند کے دلوں میں فطری طور پر غاصب و ظالم انگریز کے خلاف شدید غم و غصّہ پیدا ہوگیا اور نفرت بڑھنے لگی۔

شاطرانِ فرنگ نے جب مسلمانوں کے آخری شیردل مجاہد سلطان ٹیپو شہید کو اپنے راستہ سے ہٹا دیا تو اب علمائے بریلی کے جانباز مجاہدین کے سوا ان کی مزاحمت کرنے والا کوئی نہ تھا اس لئے کہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی کے پیروکار وہابی، غیر مقلّدین (اہلحدیث) اور دیوبندی وہابی مولوی اپنے پیشرووں کے مشن پر کاربند تھے اور انگریزی حکومت کی وفاداری کو اپنا نصبُ العین قرار دے چکے تھے۔ اسلئے کہ وہ شریعت وہابیہ کی رُو سے بھی سرکارِ انگریزی کی مخالفت کو جائز نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ امام ابوالوہابیہ سید احمد اور اسماعیل دہلوی کی تحریک کا سرگرم کارکن مولوی محمد جعفر تھانیسری بڑی وضاحت سے لکھتا ہے۔ "آپ (سید احمد) کے سوانح عمری اور مکاتیب میں بیس سے زیادہ ایسے مقام پائے گئے ہیں جہاں کھلے کھلے اور علانیہ طور پر سید صاحب نے بدلائلِ شرعی اپنے پیرو لوگوں کو سرکار انگریزی کی مخالفت سے منع کیا ہے۔" (مکتوبات سید احمد صفحہ ۲۱۰)

یہ وجہ ہے کہ وہابیہ کے تمام گروہ برٹش گورنمنٹ کے استحکام کی خاطر بھرپور جدّوجہد کرتے اور مجاہدینِ اسلام علمائے اہل سنّت و عوام اہلسنّت سے برسرِپیکار رہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل آپ پہلے باب میں پڑھ چکے ہیں۔

پس ایک طرف وہابی مولویوں کا وہ شرمناک کردار ہے جو مذکور ہوا اور دوسری طرف علمائے اہلسنّت وجماعت کا یہ شاندار کردار ہے، جو نہایت اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے، جن علمائے اہلسنّت نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی میں بنیادی مجاہدانہ کردار ادا کیا اور اس وقت حکومتِ برطانیہ کے خلاف مردانہ وار اعلان جہاد فرمایا۔ جبکہ انگریزوں کے ظلم وستم اور جابرانہ قوت کو دیکھ کر بڑے بڑے بہادروں کا پتّہ پانی ہوتا تھا اور وہابی حکمران انگریز کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خوشامد، چاپلوسی اوران کی مدح سرائی میں مصروف تھے۔ انگریز کے خلاف جہاد کو ناجائز، حرام اور منسوخ قرار دے رہے تھے۔ برٹش گورنمنٹ کی حفاظت کے لئے

مجاہدینِ آزادی کے خلاف سینہ سپر ہوکر لڑنے مرنے کو اپنے لئے سعادت دارین سمجھتے تھے۔ ان مجاہدین ملک وملّت نامور علمائے اہل سنّت میں سے مولانا فضل حق خیرآبادی۔ مولانا مفتی عنایت احمد کاکوری مولانا فیض احمد بدایونی۔ مولانا امام بخش صہبائی، مولانا رضی اللہ بدایونی، مولانا سید کفایت علی کافی مرادآبادی، مولانا سید مبارک شاہ رامپوری اور مولانا سید احمداللہ شاہ (رحمہم اللہ علیہم) کے نام سرِ فہرست ہیں۔

ان اکابرینِ ملّت اور ان کے رفقاء کار نے انگریزوں کے خلاف جس شان سے عَلَمِ جہاد بلند کیا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ ان مجاہدین ملک و مِلّت نے جنگ آزادی میں جو نمایاں خدمات سرانجام دیں وہ ہماری قومی تاریخ میں ایک شاندار سنہری باب کا اضافہ کرتی ہیں۔

برصغیرِ پاک و ہند سے اجنبی اقتدار کو ختم کرنے کی جدّوجہد میں علمائے حق کے کارنامے انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، اس سلسلہ میں علمائے اہلسنّت نے جو تگ و تاز کی، جو مصائب برداشت کئے اور جن مشکلات سے دوچار ہوئے کوئی دوسرا طبقہ اس کی مثال پیش نہیں کرسکتا۔ ان علمائے اہلسنّت نے اس دور اور ان حالات میں پرچم آزادی لہرایا اور اس وقت نعرۂ حریت بلند کیا جب چاروں جانب ظلم و ستم کی گھنگور گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، جبکہ آزادی کا نام لینے والے کی سزا پھانسی یا عبور بہ دریائے شور سے کسی صورت کم نہ تھی، اس پاکباز گروہ کے نزدیک حصولِ آزادی اور فرنگی اقتدار سے نجات حاصل کرنا ایک خالص مذہبی اور دینی مسئلہ تھا اسلئے وہ ہر خطرہ سے بے نیاز ہوکر میدانِ جہاد میں کود پڑے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

یوں تو شمعِ آزادی کے ان پروانوں میں سے ہر ایک کی داستان تاریخ کا ایک مستقل باب ہے، ان شیدایان ملک و ملّت کے مفصل و مکمل حالات قلمبند کرنے کے لئے ایک الگ مستقل تصنیف درکار ہے، اور اس کتاب میں چونکہ ابن الوقت وہابیہ کے کردار کے بالمقابل ان کے کردار کا تقابلی اظہار مطلوب ہے لہذا ان شیران بیشہ حریّت میں سے چند ایک کا ذکر مختصراً دنیا کافی سمجھتا ہوں، کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

کچھ لوگ تھے کہ وقت کے سانچوں میں ڈھل گئے
کچھ لوگ تھے کہ وقت کے سانچے بدل گئے!

سفید فام وسیاہ دل انگریز کی کچہری میں، مولانا فضلِ حق کا نعرۂ حق

"میں انگریزی حکومت کا باغی ہوں، اور ہمیشہ باغی رہوں گا"

جب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی شروع ہوئی تو اس وقت مولانا فضلِ حق بمقام "الور" قیام پذیر تھے، وہیں رہ کر آزادی خواہ طبقہ کو منظّم کرتے اور اس سلسلہ میں نشرو اشاعت کے فرائض انجام دیتے رہے، اگست ۱۸۵۷ء میں دہلی تشریف لائے، اس اثناء میں بادشاہ بہادر شاہ ظفر سے ملتے اور ضروری مشورے کرتے اور مجاہدینِ آزادی اور سرکردہ لوگوں کے نام فرامین جاری فرماتے تھے۔

باالآخر ہمہ گیر پیمانہ پر جنگِ آزادی شروع کرنے اور اس میں مسلمانوں کو شرکت پر آمادہ کرنے کے لئے باقاعدہ ایک فتویٰ مولانا موصوف کے ایماء اور مشورہ سے مرتب کیا گیا جس پر ہم عصر علماء کے دستخط لئے گئے۔

یہی فتویٰ مولانا کی گرفتاری کا سبب بنا، مورخہ ۱۹ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو انگریزی فوج نے شہر دہلی کو فتح کرلیا اور خونریزی کا بازار گرم کردیا تھا۔ مولانا کا بیان ہے کہ وہ دہلی پر انگریزی افواج کی فتح کے بعد پانچ روز مکان میں بند رہے، اور

اِس دوران انہیں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ملی۔ پانچ روز کے بعد اپنے اہل و عیال کے ہمراہ بھوکے پیاسے رات کی تاریکی میں چھُپ چھُپا کر نکلے اور سخت تکلیف کے مراحل طے کرتے ہوئے ضلع علی گڑھ کے ایک مقام "بھیکن پور" پہنچے۔ وہاں پورے اٹھارہ دن چھُپے رہے، آپ کے صاحبزادہ مولانا عبدالحق بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ اٹھارہ روز کے بعد "بھیکن پور" کے عبدالشکور خان نے سانکدہ کے گھاٹ سے، جو بھیکن پور سے آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، انہیں دریا کے پار پہنچا دیا، اور کچھُ مدّت اِسی طرح چھُپے رہے۔

جب ملکہ وکٹوریہ نے عام معافی کا اعلان کیا تو مولانا اس اعلان پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے وطن خیر آباد شریف لے گئے۔ فرماتے ہیں "مجھے اس بات کا بالکل خیال نہ رہا کہ بے ایمان کے عہد و پیمان پر بھروسہ اور بے دین کی قسم و حلف پر اعتماد کسی صُورت میں بھی درست نہیں، خصوصاً جب وہ بے دین آخرت کی جزاء و سزا کا بھی قائل نہ ہو"۔ (الثورۃ الہندیہ)

کچھ دن تو خیرآباد میں اطمینان سے گذر گئے، پھر دو آدمیوں نے مخبری کی اور مولانا کو ان کے مکان سے گرفتار کرلیا گیا، اور مقدمے کے لئے لکھنؤ لائے گئے۔ بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں ۱۸۵۸ء میں سیتا پور سے لکھنؤ لایا گیا اور ان پر سلطنتِ مغلیہ سے وفاداری، فتویٰ جہاد کے اجراء اور انگریز کے خلاف بغاوت کے الزام میں مقدّمہ چلایا گیا۔

مولانا اپنا مقدمہ خود ہی لڑتے اور سرکاری وکیل سے بحث کرتے تھے، ان کے بیانات سُن کر اسیسروں نے رہا کردینے کا مشورہ دیا۔ ایک روز مولانا نے عدالت کے سامنے مخبر کی خود ہی تصدیق کردی اور کہا فتویٰ فی الواقع میں نے ہی دیا تھا، گواہ نے میرے خلاف پہلے بیان میں سچ کہا تھا، اب وہ میری صورت دیکھ کر منحرف ہوگیا ہے، فتویٰ میرا ہی لکھا ہوا ہے، اور اس وقت جبکہ عدالت میں

کھڑا ہوں ، وہی رائے رکھتا ہوں جو فتویٰ میں ظاہر کی گئی ہے ۔ میں انگریز حکومت کا باغی ہوں اور ہمیشہ باغی رہوں گا ۔

انگریز جج اور حاکم کی عدالت میں مولانا کا مقدّمہ تھا ۔ اس کے بارے میں مولانا فرماتے ہیں " میرا معاملہ ایسے حاکم کے سُپرد کردیا گیا ہے جو مظلوم پر رحم کرنا ہی نہ جانتا تھا ۔ اس ظالم نے میری جلاوطنی اور عمر قید کا فیصلہ کردیا " ۔ مولانا کو عمر قید بہ عبور دریائے شور کی سزادی گئی ۔ ان کی تمام کتابیں بحق سرکار ضبط کرلی گئیں ۔ جائیداد بھی ضبط کرلی گئی اور پوری املاک منقولہ و غیر منقولہ سے محروم قرار دے کر انگریزی حکومت نے مولانا کے اہل و عیال کو رہائشی مکان سے بھی نکال باہر کیا ۔

کالے پانی میں مولانا کو سخت اذیّت ناک سزائیں دی گئیں ۔ آپ نے پوری زندگی آرام و راحت اور رئیسانہ ٹھاٹھ سے گذاری تھی ۔ لیکن اب وہ محض جرم آزادی کی پاداش میں ہر قسم کا تشدّد برداشت کر رہے تھے اور انتہائی تکلیف میں مبتلا تھے ۔ مولانا سے پہلے علماء کی خاصی تعداد وہاں موجود تھی ۔ ان حضرات کو بھی انگریزوں نے اسی جرم بغاوت میں وہاں بھیجا تھا ۔ جن میں مفتی عنایت احمد کاکوروی اور مفتی مظہر کریم دریا بادی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں ۔ یہ لوگ اپنے دَور میں بڑے علماء و فضلاء میں شمار ہوتے تھے لیکن وہاں کی زندگی بدرجہ غایت تکلیف دہ اور المناک تھی ۔

مولانا خود وہاں کے حالات کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ " آب و ہوا ناموافق ، پہاڑی علاقہ اس میں دشوار گذار گھاٹیاں اور راتیں وہاں کی دوپہر کی طرح تپتی ہوئی ، نسیمِ سحر گرم و تیز ہوا سے بھی زیادہ سخت ، غذا حنظل سے زیادہ کڑوی ۔ پانی سانپوں کے زہر سے بڑھ کر ضرر رساں ۔ اس کے سنگریزے بدن کی پھنسیاں ۔

وہاں کے قید خانے کے بارے میں فرماتے ہیں۔ "ہر کوٹھری پر چھپّر جس میں تکلیف و مرض بھرا ہوا چھتیں ٹپکتی ہیں۔ بیماری عام وارزاں، خارش بے حد و حساب۔ آرام مفقود۔ علاج کی سہولتیں ختم۔ صحت و تندرستی کو باقی رکھنے کی تمام صُورتیں غائب زخم ہو جائے تو اندمال کی کوئی شکل نہیں۔

مولانا کالے پانی گئے تو انہیں سخت مشقّت کا کام دیا گیا۔ ان کے سُپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ راستوں کی صفائی کریں اور کوڑا کرکٹ اٹھا کر دُور لے جاکر پھینکیں۔ ان کے کپڑے اتروائے گئے اوڑھنے کے لئے صرف ایک تہبند اور ایک چادر دی گئی پاؤں میں جوتا پہننے کی بھی اجازت نہ تھی۔

وہاں کے سپرنٹنڈنٹ کے پاس علمی خدمات کے لئے ایک عالِم دین مقرر تھے۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پاس علم ہئیت کی ایک قلمی کتاب آئی۔ اِس عالِم دین سے اس نے کہا کہ اس کتاب کی عبارت درست کر دیں، مگر وہ اچھّی طرح یہ کام نہ کر سکے اور کتاب مولانا فضلِ حق صاحب کے پاس لے آئے۔ مولانا نے اس کتاب کی عبارت بھی درست کر دی اور مشکل مقامات پر حواشی بھی لکھ دیئے اور اس موضوع پر مختلف کتابوں کے حوالے بھی دے دیئے۔ جب سپرنٹنڈنٹ پر یہ راز کھلا کہ مولانا بہت بڑے اور بالغ النّظر بزرگ ہیں تو اس نے ان کی مشقت ختم کر دی، جس سے مولانا کو کچھ سہولت مل گئی۔

مولانا مورخہ ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۸۶۱ء کو ۶۶ برس کی عُمر پاکر دُنیائے فانی سے عالمِ جاودانی کو سدھار گئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُونَ ؕ (رضائے مصطفیٰ، گوجرانوالہ ۱۷ صفر ۱۳۸۶ھ)

مولانا موصوف کی ذات گرامی بحیثیت ایک جیّد عالِم اور مجاہدِ مِلّت ہونے کے اس قدر بلند مقام رکھتی ہے کہ اس کے اعتراف پر بیگانے بھی مجبور ہیں۔

مجاہدِ ملت مولانا فضلِ حق کے متعلق فاضلِ دیوبند مولوی مستقیم احسن کا اعترافِ حقیقت

ملاحظہ ہو:

ایک جانباز، حق گو بہادر اور جامع کمالات شخصیت جس کی آزاد رُوح نے انگریز کا احسان اُٹھانا پسند نہ کیا

"بُرا ہو تاریخ کا اس نے اپنے حافظہ سے ایسی ایسی جانباز، حق گو، بہادر اور جامع کمالات شخصیتوں کو نکال پھینکا۔ جنہوں نے اپنے دَور میں وقت کے تیز و تند طوفانوں سے بے خوف و خطر ٹکرلی اور پیٹھ نہ دکھائی۔ مولانا فضلِ حق خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ تاریخ کے ان جوانمرد اور نڈر مجاہدین میں سے تھے جن کی جرأت و ہمّت اور حق گوئی و بیباکی نے دُنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ مگر تاریخ کے صفحات میں ان کو شایانِ شان کیا کوئی معمولی جگہ بھی نہیں مل سکی۔

مولانا فضلِ حق خیرآبادی ۱۷۹۷ء میں قصبہ خیرآباد میں پیدا ہوئے اور ۱۸۶۱ء میں جزیرہ انڈیمان میں بحالتِ نظربندی وفات پائی۔ یہ زمانہ مسلمانوں کے لئے بڑا ہی پُرفتن اور پُرخطر تھا۔ ممکن ہے، جسے صرف اپنی فکر رہی ہو وہ کسی قدر مطمئن بھی رہا ہو۔ مگر اس شخص کو کسی طرح بھی اطمینان کا سانس لینا نصیب نہیں تھا جو اپنے بعد ہندوستان کو بیرونی تسلّط سے پاک اور اسلام کو باقی رکھنا چاہ رہا ہو اور اپنی ہی طرح اپنے اہل و عیال کو بھی اسلامی تہذیب و تمدن میں دیکھنا چاہتا رہا ہو۔

ہندوستان پر دن بہ دن انگریزوں کا قبضہ ہوتا جارہا تھا اور مسلمانوں کی قوت و سطوت پاش پاش ہوتی جارہی تھی اور سب سے بڑی ٹریجڈی یہ تھی کہ ابھی تک مسلمانوں کو اس کا احساس تک نہیں ہوسکا تھا اور ان کی آنکھیں کھلتی تو کیا وہ اور بھی غفلت کی نیند سوتے جارہے تھے۔ ایسی حالت تھی جس پر کسی نے کہا ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا

کارواں کے دِل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار میں ۱۷۵۷ء کی جنگ پلاسی سے گھُن لگنا شروع ہوا۔ مولانا مرحوم کی ولادت کے سال ۱۷۹۷ء میں میسور کی جنگ چھڑی اور ننگِ دیں وننگِ وطن میر صادق کی غدّاری اور دغابازی نے پُورے ملک کے شیرِ میسور سلطان ٹیپو کو جامِ شہادت نوش کرادیا۔ اس شیر کی شہادت سے ملک کے مسلمانوں میں مایوسی کی لہر دوڑ گئی اور ان کے حوصلے اور ولولے سرد پڑ گئے۔

اس کے بعد بھی متعدد واقعات پیش آئے۔ جس سے ان کی ساری قوت ختم ہوگئی۔ پھر ۱۸۰۶ء میں جب اکبر بادشاہ ثانی کی تحت نشینی عمل میں آئی تو رہی سہی شان و شوکت بھی خاک آلُود ہوگئی۔ اقتدار والوں کو تو اپنا اقتدار عزیز تھا یا اپنی جان اور اولاد کی فکر تھی، لیکن علمائے اسلام اور اولیائے عظام کو ملک کے ساتھ ساتھ اس اسلام کے مستقبل کی فکر تھی جو ان کی نظر میں دُنیا کی ہر شے سے عزیز تھا اور اب جو اپنے قدیم ترین دشمن کے ہاتھوں میں مجبور و لاچار نظر آرہا تھا۔

حسّاس انگریزوں نے ماتھے کی لکیریں پڑھ لیں کہ مقتدر طبقہ سے زیادہ ان مولویوں اور ملّاؤں کا خوف ہے جو اسلام کی حقانیت پر اور اس کے بقاء کے لئے پروانہ وار نثار ہورہے ہیں۔

علّامہ فضلِ حق خیر آبادی نے انگریزوں کے خلاف فتویٰ دے کر مسلمانوں کو عدم تعاون پر تیار کیا۔ لیکن بالآخر انگریزوں کا قبضہ ہوکر رہا اور ان بہادرانِ مُلک و مِلّت کے ساتھ انگریزوں نے وہ سلوک کیا کہ اس دَورِ تہذیب و تمدّن میں اس پر شرم سے ان کی اپنی گردن جھک جاتی ہے۔

علماء و امراء اور خواص و عوام کی تباہی کی داستان بڑی طویل ہے، لاتعداد

مجاہدین کو تختۂ دار پر چڑھایا گیا، سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد کو گوڑ گاؤں وغیرہ میں قربانی کے جانوروں کی طرح ذبح کیا گیا۔ کتنے ننھے بچوں کو پیروں تلے روندا گیا اور کتنی عفیف بیبیاں اُن کے منہ کی سیاہی کا سامان بنیں۔ ہزاروں کی تعداد میں ہندوستانی باشندوں کو جلاوطن کردیا گیا۔ سید اسماعیل حسین، منیر شکوہ آبادی مفتی عنایت احمد کاکوری، مفتی مظہر کریم دریا بادی وغیرہ کے لئے کالے پانی کی سزا تجویز ہوئی۔

مولانا فضلِ حق خیر آبادی بھی "باغی" قرار دیئے گئے۔ سلطنتِ مغلیہ کی وفاداری، فتوائے جہاد اور جرم بغاوت میں مولانا ماخوذ کرکے سیتا پور سے لکھنو لائے گئے مقدّمہ چلا، مولانا موصوف کے فیصلے کے لئے جیوری بیٹھی ایک اسیسر نے واقعات سُن کر بالکل چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا، سرکاری وکیل کے مقابل مولانا خود بحث کرتے تھے، بلکہ لطف یہ تھا کہ چند الزام اپنے اُوپر خود قائم کئے اور پھر مثل تارِ عنکبوت عقلی و قانونی دلائل سے توڑ دیئے۔

جج نے صدر الصّدور کے عہد میں مولانا سے کچھ عرصہ کام بھی سیکھا تھا اور وہ مولانا کی عظمت و تبحر سے بھی واقف تھا، وہ دل سے چاہتا تھا کہ مولانا بری ہوجائیں، کرے تو کیا کرے، ظاہر یہ ہورہا تھا کہ مولانا بری ہوجائیں گے، سرکاری وکیل لاجواب تھے، اور پیرو کارِ مقدّمہ منشی کرم احمد خیر آبادی نے خیر آباد میں خط بھی لکھ دیا تھا کہا کہ انشاء اللہ مولانا بری ہوجائیں گے۔ اب آپ مولانا کی آمد کا انتظار کریں۔ جس مخبر نے فتویٰ کی خبر پہنچائی تھی اس نے اپنے بیان کی تکذیب کردی۔ اور یہ کہ فتوی دینے والے یہ فضلِ حق نہیں ہیں بلکہ وہ کوئی دوسرے شخص ہیں لیکن شیر اپنی ایک دن کی زندگی پر گیدڑ کی سو سالہ زندگی کو کبھی ترجیح نہیں دے سکتا۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

دوسرے دن جو فیصلہ کا دن تھا مولانا نے اپنے اوپر عائد کیے گئے تمام الزامات کو ایک ایک کرکے رَد کردیا۔ لیکن فتویٔ جہاد کی تصدیق کی۔ فرمایا پہلے گواہ نے سچ کہا تھا، اور رپورٹ بالکل صحیح لکھوائی تھی، اب عدالت میں میری صُورت دیکھ کر مرعوب ہوگیا اور جھوٹ بول گیا ہے، وہ فتویٰ صحیح ہے، اور آج اس وقت بھی میری یہی رائے ہے" مولانا کا یہ اقرار سن کر جج تڑپ کر رہ گیا مگر اب گنجائش ہی کیا باقی رہ گئی تھی۔ عدالت نے حبسِ دوام کا فیصلہ سنادیا۔ اور آپ نے کمالِ مسرّت و خندہ پیشانی سے اس فیصلۂ سزا کو سنا۔ بس پھر کیا تھا، آپ جزیرہ انڈیمان روانہ کردیئے گئے کیونکہ انگریزوں کے مذہب میں حق گوئی و راست بازی ایسا جرم ہے جو کبھی معاف نہیں ہوسکتا۔

مولانا جس دن انڈیمان روانہ کیے گئے، اسی دن مولانا کے صاحبزادوں اور اعزّاء نے مولانا کی رہائی کے لئے اپیل دائر کردی تھی۔ وہ اپیل دو اڑھائی سال کے بعد ۱۸۶۱ء میں منظور ہوگئی۔ رہائی کا پروانہ حاصل کرکے علّامہ کے صاحبزادے مولانا شمس الحق صاحب انڈیمان روانہ ہوئے۔ وہاں جہاز سے اُتر کر شہر میں گئے تو دُور ہی سے ایک جنازہ نظر پڑا۔ جو بڑی دھوم دھام سے چلا آرہا تھا۔ اور اس کے پیچھے ایک جم غفیر تھا، قریب پہنچ کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ کل ۱۲ صفر ۱۲۷۸ھ مطابق ۱۸۶۱ء کو ہندوستان کے مجاہدِ جلیل حضرت مولانا فضلِ حق خیر آبادی واصل بحق ہوگئے۔ اب سُپردِ خاک کرنے جارہے ہیں، مولانا کے صاحبزادے بھی بصد حسرت و یاس شریکِ تدفین ہوئے اور ناکام واپس لوٹ آئے۔ اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مولانا کی رُوحِ آزاد نے شاید اس کو پسند نہیں کیا کہ وہ انگریزوں کا احسان اٹھا کر پھر دوبارہ اِس محکوم اور غُلام ملک میں جائیں اور اپنی آنکھوں سے اسلام کی تباہی و بربادی اور وطنِ عزیز کی تاراجی دیکھیں۔ (رسالہ خدام الدین لاہور

۲۳ نومبر ۱۹۶۲ء)

ناظرین، باب اول میں وہابی مولویوں کے کردار کا مطالعہ کر چکے ہیں اب انصاف سے کہیں کہ آیا ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نظر آتا ہے کہ جسے حق پرستی، حق گوئی اور اسلام دوستی کے معیار پر پورا اور درست کہہ سکیں۔ کیا ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا ہے جسے اہلسنّت و جماعت کے دیگر علمائے حق سے قطع نظر کر کے صرف ایک مَردِ حق علّامہ فضلِ حق علیہ الرحمۃ کے مقابل کھڑا کیا جاسکے؟

ممکن ہے کہ کوئی وہابی صاحب اپنی مخصوص حکمتِ عملی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہہ دے کہ مولانا فضلِ حق وہابی تھے، لہٰذا اس خدشہ کے پیش نظر یہ وضاحت کر دینا مناسب بلکہ انتہائی ضروری سمجھتا ہوں کہ بحمدہٖ تعالیٰ۔

علّامہ فضلِ حق خیر آبادی پکے اہلسنّت و جماعت اور وہابیوں کے سخت مخالف تھے

حضرت علّامہ مرحوم و مغفور کے وہابی نہ ہونے کا اس سے بڑا ثبوت اور کون سا ہو سکتا ہے کہ آپ بفضلہ تعالیٰ اسلام کے سچے شیدائی حق پرست، حق گو اور دین کی خاطر دُنیا کو ٹھکرانے والے بے مثال مجاہد تھے، اور یہ وہ صفات ہیں جو وہابیت کی ضد ہیں، ان صفات کا کسی وہابی میں ہونا محال و ناممکن ہے کہ اجتماع ضدین کا محال ہونا بدیہیات میں سے ہے پھر اسکے علاوہ مولانا موصوف کے وہابی نہ ہونے کے ثبوت میں ناقابلِ تردید شواہد بھی موجود ہیں، لیجیے ملاحظہ فرمائیے۔

مولانا فضلِ حق خیر آبادی کے وہابی نہ ہونے کے ثبوت میں مرزا غالب کی گواہی

مرزا غالب، مرزا رحیم بیگ کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں "فخر الفضلاء ختم العلماء امیر الدّولہ مولوی محمد فضلِ حق رحمۃ اللہ علیہ نے رَدِّ عقائد وہابیہ میں

بزبانِ فارسی ایک رسالہ (امتناع النظیر) لکھا ہے ، اور اس عہد کے علماء کی اس پر مہریں لگی ہیں ۔ (نادر نگارشاتِ غالب صفحہ ۷۷)

مولانا فضلِ حق خیر آبادی کی فرمائش پر مرزا غالب نے عقائد وہابیہ کے رَد میں نظم لکھی

مولوی الطاف حسین حالی کا بیان ہے کہ مولانا فضلِ حق مرزا کے بڑے دوست تھے چونکہ مولانا کو وہابیوں سے سخت مخالفت تھی ، انہوں نے نہایت اصرار کے ساتھ یہ فرمائش کی کہ فارسی میں، وہابیوں کے خلاف ایک مثنوی لکھ دو جس میں " امتناع نظیر " کے مسئلہ کو بیان کرو ، اس مسئلہ میں مولانا اسماعیل[۱] کی یہ رائے تھی کہ خاتم النبین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا مثل ممکن بالذّات اور ممتنع بالغیر ہے ۔ برخلاف اس کے مولانا فضلِ حق کی یہ رائے تھی کہ خاتم النبین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا مثل ممتنع بالذّات ہے ۔ لاچار مرزا نے ایک مثنوی جو کہ ان کی کلیات میں مثنویات کی سلسلہ میں چھٹی مثنوی ہے، لکھ کر مولانا کو سنائی انہوں نے بے انتہا تعریف کی مرزا نے اس مضمون کو اس طرح نظم کیا ہے ۔

یک جہاں تاہست یک خاتم بس است
قدرت حق را نہ یک عالم بس است
خواہد از ہر ذرہ آرد عالمے
ہم بود ہر عالمے را خاتمے
ہر کجا ہنگامہ عالم بود
رحمۃ اللعالمینے ہم بود
کثرت ابداع عالم خوب تر
یا بہ یک عالم دو خاتم خوب تر

---

[۱] یہ وہی وہابی مولوی اسماعیل دہلوی کا ذکر ہے جو سید احمد رائے بریلوی کا ساتھی اور "تقویۃ الایمان" کا مصنف ہے ۔ (مؤلف)

در یکے عالم دو تا خاتم مجو
صد ہزاراں عالم و ہم خاتم بگو
غالب ایں اندیشہ پند برم ہمے
خردہ ہم برخویش میگیرم ہمے
اے کہ ختم المرسلینش خواندہ
دانم ازروی یقینش خواندہ
ایں الف لامے کے استغراق راست
حکم ناطق معنے اطلاق راست
منشاء ایجاد ہر عالم یکے ست
گردو صد عالم بود خاتم یکے ست
منفرد اندر کمال ذاتی است
لاجرم مثلش محال ذاتی است
زیں عقیدت بر نہ گردوم والسلام
نامہ را درمے تو نوردم والسلام

(یادگارِ غالب صفحہ ۶۰ ملخصاً)

مولانا فیض احمد بدایونی و دیگر
علمائے اہلسنت و جماعت کا مثالی جذبۂ جہاد

ناظرین باب اول میں وہابی مولویوں کی انگریزوں کی فدویانہ خدمات اور برطانوی حکومت سے وفاداری اور جاں نثاری کی کیفیت ملاحظہ کرچکے ہیں اس کے مقابلہ میں علمائے اہلسنّت کا شاندار اور بلند کردار بھی دیکھیں اور دیانت داری وغیر جانبداری کے ساتھ فیصلہ کریں کہ تحریکِ آزادی کے ہیرو اور رہنما علمائے اہلسنّت و جماعت ہے یا ابنُ الوقت وہابی مولوی۔

"مولانا فیض احمد بدایونی نے بریلی اور آگرہ میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور مسلمانوں کو انگریزی اقتدار سے نجات حاصل کرنے کے لئے ولولہ انگیز تقریریں کی۔ جن سے عوام میں تحریک آزادی کی ایک لہر دوڑ گئی، اور روہیل کھنڈ کے عوام جہادِ آزادی کے لئے میدان جہاد میں کود پڑے۔

اسی طرح دیگر علمائے کرام، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی محمد عیوض بدایونی اور مولانا کافی مراد آبادی نے تمام عمر انگریزوں کے خلاف جہاد میں گذاردی" (ہفت روزہ "اقدام" لاہور ۲۶ مئی ۱۹۶۳ء)

مجاہدِ اعظم مولانا سیّد کفایت علی کافی مراد آبادی شہید

آپ نے انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا اور مسلمانوں کو اپنی شعلہ بیانی سے جہاد کے لئے ہر قسم کی قربانیاں دینے کی تلقین کی، جس کی وجہ سے انگریزوں کے خلاف جہاد کی تحریک زور پکڑ گئی، انگریزی حکومت نے آپ کو بغاوت کے الزام میں گرفتار کرلیا مگر آپ کے جذبہ جہاد اور جوشِ آزادی میں کوئی کمی واقع نہ ہوئی، آپ نے انگریزوں کی عدالت میں بھی صاف کہہ دیا، کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ آزادی کی خاطر جہاد کرے اور انگریزوں کو ملک سے نکال دینے کی خاطر کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کرے چنانچہ حکومت برطانیہ نے انہیں سزائے موت سنائی اور پھانسی پر چڑھادیا۔ آپ نہایت بیباکی کے ساتھ خوشی سے جھومتے ہوئے تختۂ دار پر آئے اور کلمۂ شہادت پڑھا، اور عشقِ رسول صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ اشعار بلند آواز سے پڑھتے ہوئے جام شہادت نوش فرماگئے۔

کوئی گل باقی رہے گا نہ چمن رہ جائے گا
پر رسُول اللہؐ کا دینِ حسن رہ جائے گا

اطلس و کمخواب کی پوشاک پر نازاں نہ ہو
اس تنِ بے جان پر خاکی کفن رہ جائے گا
سب فنا ہوجائیں گے کافی و لیکن حشر تک
نعت حضرت کا زبانوں پر سخن رہ جائے گا

(الثورۃ الہندیہ)

الغرض جس وقت سنی علماء حق فرنگی اقتدار کو ختم کردینے کی خاطر مصروفِ جہاد تھے، وہابی مولوی فرنگی اقتدار کے استحکام کیلئے سَر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے تھے، تحریکِ جہاد کو شرو فساد کہہ رہے تھے، مجاہدینِ آزادی کے خلاف برسرِ پیکار تھے اور انگریزوں کے خلاف جہاد کو حرام قرار دے رہے تھے اور دنیاوی مفادات حاصل کرنے کی خاطر قرآن و حدیث میں تحریف کر کے اپنی وہابیت کا مظاہرہ کررہے تھے۔ غیر مقلد وہابیہ کا پیشوا نواب صدیق حسن خان بھوپالی صاف طور پر لکھتا ہے:
"جتنے لوگوں نے غدر (۱۸۵۷ء) میں شرو فساد کیا اور حکام انگلشیہ سے برسر عناد ہوئے وہ سب کے سب مقلدان مذہب حنفیہ تھے نہ متبعان حدیثِ نبوی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم" (ترجمانِ وہابیہ صفحہ ۴۷)

تحریکِ پاکستان اور علمائے اہلسنّت و جماعتِ بریلویہ
سرتاج علمائے حق مولانا شاہ احمد رضا خان

سرتاج علمائے حق اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ملک کی گندی اور مخلوط سیاست سے دامن بچاکر پاکیزہ سیاست کو اپنایا، اسلام کی برتری اور مسلمانوں کی بہتری کے لئے ہمیشہ سینہ سپر رہے۔

مسلم لیگ نے بعد میں جو "دو قومی" نظریہ پیش کیا، اعلیٰ حضرت بریلوی بہت پہلے اس کی نشاندہی فرماچکے تھے، جب آپ کے سامنے گاندھی کی آندھی چلی اور بڑے بڑے دیوبندی و دیگر وہابی مولویوں کے پاؤں اکھڑ گئے، تو اس وقت

آپ نے فتنہ گاندھوی کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور مسلمانوں کو ہندوؤں کی سازشوں سے خبردار کیا۔

اسلام و اہل اسلام کے خلاف کانگریس کے ناپاک عزائم کو اعلیٰ حضرت مجدّدِ دین و مِلّت نے اپنی چشم بصیرت و نُورِ فراست سے اس وقت بھانپ لیا تھا جبکہ آگے چل کر پاکستان کے ہونے والے بڑے بڑے سیاسی لیڈر ابھی خود کانگریس میں شامل تھے، بعد میں رفتہ رفتہ ان کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے کانگریس و فتنہ گاندھوی کی اسلام کُش پالیسی دیکھ کر اس سے کنارہ کیا اور پھر مسلم لیگ اور تحریکِ پاکستان کے عروج کا دَور شروع ہوا۔

جب آپ پر گاندھی کے چیلوں اور کانگریسی وہابیوں نے خالص اسلامی احکام کی توضیح کی بناء پر انگریز کی خوشنودی کا الزام لگایا تو اعلیٰ حضرت بریلوی نے فرمایا "مسلمان کو خُدا لگتی کہنی چاہیے، ہندوؤں کی غلامی سے چھڑانے کو جو فتاویٰ اہلسنّت نے دیئے۔ کلام الٰہی و احکام الٰہی بیان کئے۔ تو یہ ان (کانگریسیوں) کے دھرم میں انگریزوں کو خوش کرنے کو ہوئے؟ اور وہ جو پیر نیچریت (سرسید احمد خان) کے دور میں نصرانیت کی غلامی اوپچی تھی جسے اب آدھی صدی کے بعد لیڈر رونے بیٹھے ہیں کیا اس کا رَد علمائے اہلسنّت نے نہ کیا؟ وہ کس کے خوش کرنے کو تھا؟ کیا بکثرت رسائل و مسائل اس کی رَد میں نہ لکھے گئے۔ حتیٰ کہ اسکے بچّے ندوے کے رَد میں پچاس سے زائد رسائل شائع کئے جن میں جابہ جا اس نیم نصرانیت کا بھی رَدّ ہے۔ یہ کس کے خوش کرنے کو تھا۔ اظہارِ مسائل میں خادمانِ شرع کا مقصود کسی مخلوق کی خوشی نہیں ہوتا۔ صرف اللہ عزّو جل کی رضا اور اسکے احکام پہنچانا۔ وللہ الحمد، سنئے ہم کہیں واحد قہار اور اس کے رسولوں اور آدمیوں سب کی ہزار در ہزار لعنتیں جس نے انگریزوں کے خوش کرنے کا مسئلہ نکالا ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی کہہ لیجیے کہ اللہ واحد قہار اور اس کے رسولوں اور ملائکہ اور

آدمیوں سب کی ہزار دَر ہزار لعنتیں ان پر جنہوں نے خوشنودیٔ مشرکین کیلئے تباہی اسلام کے مسائل دل سے نکالے اللہ عزّو جل کے کلام و احکام تحریف و تغیّر سے کایا پلٹ کر ڈالے شعائر اسلام بند کئے، شعائر کفر پسند کئے مشرکوں کو امام وہادی بنایا۔ ان سے وداد و اتحاد منایا (المحجۃ الموتمنہ صفحہ ۴۷) ہر شخص اس تحقیق سے اعلیٰ حضرت بریلوی کی صداقت اور بالغ نظری کا اندازہ لگاسکتا ہے۔

"جب انگریز ملک چھوڑنے پر مجبور ہوا، اور ہندو سامراج نے مسلمان قوم کو غلام بنانے کی سازشیں شروع کیں تو مسلمان کہلانے والے. جمعیتِ احرار اور جمعیۃ علمائے ہند نے کانگریس کا ساتھ دے کر پاکستان کی بنیاد کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کردیا۔ یہ ان کی پرانی روایات تھیں۔ ان لوگوں نے قائد اعظم کو کافر اعظم تک کے فتوے لگائے اور مسلم لیگ کو ختم کرنے کی کوششیں کیں چنانچہ احراریوں کی سازش سے ہی مسلم لیگ رضا کار محمد صدیق نامی شہید ہوئے ان لوگوں نے آخری دم تک پاکستان کی مخالفت کی۔

علمائے حق نے جہاں ۱۸۵۷ء کی تحریکِ آزادی میں ہزاروں قربانیاں دیں، وہاں تحریکِ پاکستان میں بھی حضرات مشائخ عظام اور علمائے کرام کا بڑا دخل ہے۔ ان تمام حضرات نے مسلم لیگ کے پرچم تلے رہ کر اپنی انتھک کوششوں سے قائد اعظم کی اعانت کی چنانچہ حضرت پیر صاحب زکوڑی شریف، صاحبزادہ غلام محی الدین صاحب، پیر صاحب گولڑہ شریف، حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب، محدث علی پوری، حضرت پیر صاحب مانکی شریف، خواجہ نظام الدین صاحب. تونسہ شریف وغیر ہم نے جدّو جہد آزادی میں جو نمایاں خدمات انجام دیں وہ روز روشن کی طرح واضح ہے۔

ان کے علاوہ مبلّغ اسلام علاّمہ عبدالعلیم صاحب قادری میرٹھی نے مسلم لیگ کی طرف سے کئی ممالک کا دورہ کرکے پاکستان کی اہمیت دُنیا پر واضح کی اور

سفیرِ اسلام مشہور ہوئے ۔ مولانا عبدالحامد صاحب بدایونی ، مولانا ابوالحسنات مرحوم (ناظم حزب الاحناف لاہور) مولانا محمد یوسف صاحب سیالکوٹی ، مولانا عبدالغفور صاحب سیالکوٹی ، مولانا عبدالغفور صاحب ہزاروی، مولانا محمد بشیر صاحب مدیر ماہ طیبہ کوٹلی لوہاراں ، مولانا عارف اللہ شاہ صاحب میرٹھی نے تمام ملک کا دورہ کر کے سوئے ہوئے مسلمانوں کو بیدار کیا۔

یہاں تک کہ ان مقتدر علمائے کرام کا وفد کشمیر میں بھی گیا اور محاذ کشمیر پر مجاہدین کو کافی خوراک پہنچائی۔ مخدوم سید شوکت حسین سجادہ نشین موسیٰ پاک شہید نے مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے تحریکِ آزادی میں حصّہ لیا(ہفت روزہ اقدام لاہور ۲۶ مئی ۱۹۶۳ء)

صدرالافاضل مولانا حکیم محمد نعیم الدین صاحب

مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ، اعلی حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ آپ نے کئی پارسیوں اور پنڈتوں سے مناظرے کئے جن میں بفضلہٖ تعالی آپ کو شاندار کامیابیاں نصیب ہوئیں ۔ قرار داد لاہور کے بعد جب تحریکِ پاکستان کا آغاز ہوا تو آپ بھی میدان عمل میں آئے اور پاکستان کی حمایت میں تقریریں کرتے رہے ۔

آپ نے ۱۹۴۶ ء میں آل انڈیا سنی کانفرنس شہر بنارس میں منعقد کر کے تمام علمائے اہلسنّت و جماعت کو ایک اسٹیج پر جمع کیا ، اس کانفرنس میں دو گھنٹہ تک تقریر کی اور علمائے کرام سے اپیل کی کہ وہ منظم ہوکر تحریکِ پاکستان کی عملی طور پر مدد اور تائید کریں ۔ آپ نے اس کانفرنس میں کئی قرار دادیں بھی پیش کیں جنہیں اتفاق رائے سے منظور کیا گیا۔ بنارس سنی کانفرنس کے بعد بھی آپ ہندوستان کے مختلف حصّوں میں تشریف لے گئے اور بڑے بڑے عظیم الشّان جلسوں میں پاکستان کی حمایت میں فصیح و بلیغ تقریریں کرتے رہے ۔

خطیب الہند مولانا سیّد محمد صاحب محدّث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ تحریکِ آزادی کے نامور رہنما ہیں، جنہوں نے مسلم لیگ کی حمایت اور تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں مجاہدانہ کردار ادا کیا ہے۔ آپ نے تقریباً پُورے ملک کا طوفانی دورہ کرکے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت اور حصول پاکستان کے لئے ہر قسم کی قربانیاں پیش کرنے کی تلقین فرمائی۔ آپ نے صدر الافاضل علیہ الرحمۃ کے ساتھ مل کر شدید مشکلات اور موانع کے باوجود آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد کی، اور اس میں پاکستان کی حمایت میں ایک نہایت فصیح و بلیغ اور جامع تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ جس نے تحریکِ پاکستان کو زبردست تقویت پہنچائی اور کانگریسی حلقوں میں صف ماتم بچھادی۔

امیر ملّت مولانا حافظ پیر جماعت علی شاہ صاحب محدّث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ

تحریکِ پاکستان میں آپ کی جدّوجہد کا بڑا حصّہ ہے اور آپ نے حصولِ پاکستان کی خاطر نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ ۱۹۴۰ء میں جس وقت قرار دادِ پاکستان منظور ہوئی تو آپ نے اس کی زبردست حمایت کی اور اپنے مواعظ میں مسلم عوام کو مسلم لیگ کی حمایت کرنے کی تلقین فرمائی۔

آپ کا حلقۂ ارادات اس قدر وسیع ہے کہ پاکستان کے تمام صوبوں میں آپ کے مرید اور متوسلین بکثرت موجود ہیں۔ ۱۹۴۶ء میں جب مرکزی اسمبلی کے انتخابات کا زمانہ آیا تو آپ نے اپنے صاحبزادوں، پوتوں اور خلفاء کو گاؤں گاؤں، شہر شہر دورہ کرکے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی حمایت پر آمادہ کرنے کے لئے روانہ کیا اور آپ خود بھی پیرانہ سالی کے باوجود صوبہ سرحد میں تشریف لے گئے اور وہاں کے مشائخ کے ہمراہ تمام صوبہ کا دورہ کرکے مسلم لیگ کی حمایت اور پاکستان کے حق میں رائے عامہ کو ہموار کیا۔ صوبہ سرحد میں بھی آپ کے

مرید بہ کثرت تھے ۔ آپ نے ان سب سے حلف لیا کہ وہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے ۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے اپنے دستخط سے قد آدم اشتہارات شائع کئے جن میں لوگوں سے مسلم لیگ کو ووٹ دینے کی اپیل کی گئی تھی اور لکھا تھا کہ جو کوئی مسلم لیگ کی حمایت نہیں کرے گا ، اس کو اور اس کے اہل و عیال کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کرنے دیا جائے گا ۔

انتخابات میں مسلم لیگ کی شاندار کامیابی کے بعد بھی آپ پاکستان کی حمایت میں تقریریں کرتے رہے ۔ آپ فرمایا کرتے تھے " لوگو دو پرچم ہیں ایک مسلمانوں کا دوسرا کافروں کا ، بتاؤ تم کس پرچم کے سائے میں رہنا چاہتے ہو ؟ آپ کی زبان مُبارک سے جس وقت یہ جملہ نکلتا تھا ۔ حاضرین تڑپ کر رہ جاتے تھے اور اسی وقت یہ نعرے بلند ہونے لگتے ۔ " مسلم لیگ زندہ باد ' قائدِ اعظم زندہ باد " " لے کر رہیں گے پاکستان " اور لوگ دھڑا دھڑ مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کرنے لگتے اور آپ سب سے مسلم لیگ اور پاکستان کی وفاداری کا حلف لیتے تھے ۔

قیامِ پاکستان کے بعد بھی آپ کو پاکستان سے گہرا تعلّق رہا ، آپ جب بھی دُعا فرماتے تو پاکستان کے استحکام و ترقی کی دُعا ضرور کرتے آپ نے ۱۹۵۲ء میں بمقام قصبہ علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ میں وفات پائی ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ ۔

مولانا شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی علیہ الرحمۃ

مبلّغِ اسلام مولانا شاہ محمد عبدالعلیم صدّیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ موجودہ صدی کے مبلّغِ اسلام اور عظیم مفکّر گذرے ہیں ، آپ کی شب روز کوششوں اور کاوشوں سے برّاعظم افریقہ اور یُورپ میں شمعِ اسلام روشن ہوئی ۔ ستّر ہزار سے زائد غیر مسلم حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے ۔

مولانائے موصوف وہ عظیم بابرکت ہستی ہیں جو اعلیٰ حضرت مولانا شاہ

احمد رضا خان بریلوی قدس سرہٗ العزیز کے تلمیذ رشید اور خلیفۂ مجاز ہیں ۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے آپ کو خرقۂ خلافت پہنا کر بیرونی ممالک میں تبلیغ کے لئے جانے کا حکم دیا ۔ آپ نے تقریباً پینتیس برس (۱۹۱۹ تا ۱۹۵۴ء) یورپ، افریقہ اور امریکہ کے متعدد ملکوں میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ انجام دیا ۔ ان ممالک کے گوشے گوشے میں مساجد، مکتب، کتب خانے، رسائل، اسپتال، یتیم خانے اور تبلیغی مراکز قائم کئے۔ آپ کی کوششوں سے نامور وکلاء فلاسفر، ڈاکٹر، سائنس دان اور کٹر دہریئے مشرف بہ اسلام ہوئے ۔

آپ نے ۱۹۵۰ء میں پُوری دنیا کا تبلیغی دَورہ کیا "سنگاپور" میں انٹر رِیلیجس آرگنائزیشن کی طرف سے آپکو "ہزاگزاٹیڈ ایمینس" کا خطاب دیا گیا ۔

برما، ملائیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، ویت نام، چائنا، جاپان، فلپائن، سیلون ماریشش، مڈغاسکر، جنوبی افریقہ، پرتگال، مشرقی افریقہ، کینیا، تنزانیہ، یوگنڈا، بلجیئم، کانگو، حجاز، مصر، شام، فلسطین، عراق، فرانس، برطانیہ، جزائرِ غربُ الہند، گیانا، امریکہ، اور کینیڈا وغیرہ میں تبلیغی دَورے کئے۔ مدینہ طیبہ کے لوگ آپ کو "الطبیب الہندی" کے نام سے پکارتے تھے اور مخالفین اور دشمن آپ کو جادوگر اور دوست فرشتہ صفت کہا کرتے تھے ۔

آپ نے تحریکِ پاکستان میں جو خدمات سرانجام دیں وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں، تحریکِ پاکستان سے قبل آپ نے فلسطین، کشمیر اور دیگر مظلوم اقوام کی حمایت میں آواز بلند کی "تحریکِ پاکستان کے خلاف جب کانگریسی لیڈر حشراتُ الارض کی طرح بیرونی ممالک میں پھیل گئے تو آپ نے "انگلینڈ" اور "مصر" میں ان کانگریسی گماشتوں کو اپنی مدلّل تقاریر سے ناکوں چنے چبوائے ۔

۱۹۴۶ء میں بنارس کی آل انڈیا سنی کانفرنس میں شرکت فرما کر تحریکِ پاکستان کی ببانگِ دُہل حمایت فرمائی۔ ملک کے طول و عرض میں مسلم لیگ کا

پیغام پہنچایا۔ علاوہ ازیں حج کے موقعہ پر مسلم لیگ کی طرف سے متعدّد عرب ممالک میں دورہ پر تشریف لے گئے اور نظریۂ پاکستان کی وضاحت کی جس کے نتیجے میں عرب علماء و عوام تحریکِ پاکستان کو صحیح طور پر سمجھنے لگے۔پاکستان بننے کے بعد بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم نے انہیں اسلامی ممالک میں پاکستان کا نمائندہ بنا کر بھیجا۔

جیسا کہ اُوپر درج کیا جاچکا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں نے حصولِ آزادی کیلئے جب جدّوجہد شروع کی تو آپ نے مختلف اسلامی ملکوں کا دورہ کیا، ہندوستانی مسلمانوں کے مؤقف کو مسلمانانِ عالم کے سامنے پیش کر کے حمایت حاصل کی۔ ہندوستانی مسلمان اپنی جدّوجہد میں مصروف تھے۔ ان کے پاس بیرونی ممالک میں پروپیگنڈہ کرنے کے لئے کوئی مسلمان نہ تھا۔ ہندوؤں کے شدید غلط پروپیگنڈے کی بناء پر عالمِ اسلام کے مسلمان ہندی مسلمانوں کے خلاف تھے۔دُنیا میں حصولِ پاکستان کو دیوانے کا خواب سمجھا جاتا تھا، آل انڈیا مسلم لیگ کو ہندوستان ہی میں اتنا کام تھا کہ وہ باہر توجہ ہی نہ دے سکتی تھی۔

دوسری طرف بہت سے نام نہاد علماء اور شخصیت کے دعویدار وہابی کانگریس کا حق نمک ادا کر رہے تھے، اور تحریکِ پاکستان کے خلاف زہر اگل رہے تھے اور کفّار کے ساتھ مل کر ہندوستانی مسلمانوں کا خون بہانے میں پُوری طرح شریک تھے، ایسی سنگین صُورتِ حال میں مولانا عبدالعلیم صدّیقی نے اپنے ہم مسلک دوسرے علماء کی طرح تحریکِ پاکستان کا پُورا پُورا ساتھ دیا۔ بیرون ملک مصر، شام، لبنان، اردن اور عراق کا دورہ کیا۔ وہاں کے حکّام سے ملے عوامی جلسوں سے خطاب کیا دانشوروں اور وکلاء کے سامنے تقریریں کیں۔ معززین کے اجتماعات میں تحریکِ آزادی کے لئے راہ ہموار کی نیز ۱۹۴۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ نے آپ کی قیادت میں سہ رکنی وفد ابن سعود کے پاس بھیجا۔

پاکستان سے آپ کو جو والہانہ محبّت تھی اس کا اظہار آپ کی اس دعا سے ہوتا ہے جو آپ کی کتاب ذکرِ حبیب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حصّہ دوم مطبوعہ کراچی صفحہ ۱، پر درج ہے۔

" اے غلاموں کے سر پر تاج رکھنے والے، اے بے پناہوں کو پناہ دینے والے، سُن لے ہم بے کسوں بے بسوں کی، سُن لے ہم سیاہ کاروں کے سبب اپنے دین کو بدنام نہ ہونے دے، دین کی عزّت رکھ لے، عَلَم کو سرنگوں نہ ہونے دے، ہمیں قوّت دے، طاقت دے، عزّت دے، حمیّت دے، غیرت دے، برصغیرِ ہند میں جو چھوٹی سی آزاد خود مختار پاکستانی حکومت تو نے محض اپنے فضل سے عطا فرمائی ہے اس کی حفاظت فرما۔ اسے قوی سے قوی تر بنا اور صحیح معنی میں اسلامی دولت، اسلامی سلطنت اور الٰہی مملکت بنا۔ جہاں تیرا قانون، تیرے احکام جاری ہوں، تیرے دین کا عَلَم بلند ہو، اور تیرے نام کا ابد الآباد تک بول بالا رہے، مولیٰ مولیٰ اے رحم و کرم والے مولا، ہماری دُعا قبول کر۔

مورخہ ۲۳ رذی الحجہ ۱۳۷۴ھجری مطابق ۲۲ راگست ۱۹۵۴ء کو آپ نے " مدینہ طیبہ " میں وصال فرمایا، اور جنّت البقیع میں اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قدموں میں دفن ہوئے۔ [لے]

مولانا عبدالستّار خان نیازی

مولانا عبدالستار خان نیازی تحریکِ پاکستان کے وہ سرکردہ رہنما ہیں جنہوں نے زمانۂ طالب علمی ہی میں بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کا اعتماد حاصل کرلیا تھا۔ مسلمانوں کے لئے علیحدہ اسلامی مملکت کے قیام کی خاطر مولانا عبدالستّار خان نیازی کی قائدانہ صلاحیتوں اور بے مثال خدمات کے اعتراف کے طور پر

لے یہ مضمون "اکابر تحریکِ پاکستان" مؤلفہ محمد صادق قصوری سے ماخوذ ہے، بہ تصرف قلیل، بہ اجازت فاضل مؤلف۔

قائد اعظم آپ کو اپنا معتمد سمجھتے تھے، اہم قومی معاملات میں آپ کے مشوروں کو اہمیت دیتے تھے اور آپکی دینی عصبیت کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

جن دنوں ہندو کانگریس کے عیار لیڈر متحدہ قومیّت کا فتنہ برپا کئے ہوئے تھے اور ان کے زر خرید نام نہاد وہابی مولوی ان کی اسلام دشمن پالیسیوں کی پُرزور تائید و حمایت کررہے تھے، اپنے ذاتی و گروہی مفادات کے تحت مسلمانوں کو اپنی تقدس مآبی کا چکمہ دے کر بہکانے میں مصروف تھے، تحریکِ پاکستان کو ناکام بنادینے کی خاطر ایڑی چوٹی کا زور صرف کررہے تھے، مولانا عبدالستّار خان نیازی نے اِن حالات میں اپنے زمانۂ طالب علمی میں ہی ۱۹۳۶ء میں میانوالی کے اندر مجلس اصلاحِ قوم کی بنیاد رکھی اور مِلّتِ اسلامیہ کی خدمت کے لئے شب و روز کام کیا، ہندوؤں کی سازشوں اور چالوں کو ناکام بنانے کی مقدور بھر کوشش کرتے رہے۔ تجارت میں مسلمانوں کو دخیل کیا اور جُداگانہ مِلّی تشخّص کا احساس دلایا نیز اسلامی شریعت کے نفاذ کی خاطر عوام کو منظم کیا، غریبوں کی امداد کے لئے بیتُ المال قائم کیا۔

۱۹۳۷ء میں مزید تعلیم کے لئے اسلامیہ کالج لاہور میں داخل ہوئے اور اپنے چند درد مند ساتھیوں مثلاً میاں محمد شفیع (م۔ش) جسٹس انوار الحق، ابراہیم علی چشتی، حمید نظامی اور ڈاکٹر عبدالسّلام خورشید کے تعاون سے "پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن" کی بنیاد رکھی۔ جس کے پہلے صدر میاں محمد شفیع (م۔ش) منتخب ہوئے، دوسرے صدر حمید نظامی اور ۱۹۳۸ء میں تیسرے صدر مولانا عبدالستّار خان نیازی چنے گئے، آپ نے فیڈریشن کا نیا دستور مرتّب کرایا۔ جس کا عنوان قرآن کریم کی یہ آیت تھی۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران ع ۱۱)

ترجمہ :- تم اِن سب اُمتّوں سے بہتر ہو جو لوگوں میں ظاہر کی جاچکی ہیں ، کیونکہ تم نیکی کی تعلیم دیتے ہو ، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

۱۹۳۸ء میں آپ نے بی۔ اے پاس کیا ایّام تعطیلات میں ضلع میانوالی کے اندر اصلاحی کام میں دوبارہ منہمک ہوگئے ، "انجمن اصلاح القوم" کی جنرل کونسل میں ایک مستقل قرار داد کے ذریعے انجمن کا نام تبدیل کرکے اسے اصلاح المسلمین بنادیا گیا۔

انہی ایّام میں مولانا حسین احمد دیوبندی نے اعلان کیا کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں" اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے رسالہ "متحدہ قومیّت" لکھ کر شائع کیا تھا ، علاّمہ اقبالؒ نے اس باطل نظریئے کی بروقت تردید کرتے ہوئے ایک مفصل بیان شائع کیا جو ۸ مارچ ۱۹۳۸ء کو "روزنامہ احسان لاہور" میں طبع ہوا۔جب ہندو کانگریس اور مسلم لیگ کی کشمکش بامِ عروج پر پہنچ گئی ، اور وہابی مولویوں کی خرمستیاں زور پکڑ گئیں ، ہندو اکثریت کے غلبے سے مسلمانوں کو محفوظ کرنے اور انہیں بحثیت قوم معزّز و باوقار بنانے کے لئے ان کی علیٰحدہ تنظیم مسلم لیگ کی ضلع میانوالی میں بنیاد ڈالی گئی ، اس مقصد کے لئے پہلے "انجمن اصلاح المسلمین" کی ڈسٹرکٹ جنرل کونسل کا اجلاس بلایا گیا۔کونسل میں آل انڈیا پیمانے پر مسلمانوں کے تحفّظ و بقا کی خاطر علیٰحدہ تنظیم میں شمولیت کے سوال کو ایجنڈا میں رکھا گیا ، کافی بحث و تمحیص کے بعد قرار پایا کہ "انجمن اصلاح المسلمین" کو بحثیت جماعت "مسلم لیگ" میں شامل ہوجانا چاہئے اسی وقت ضلع میں "مسلم لیگ" کی تنظیم کے لئے آرگنائزنگ کمیٹی بنائی گئی جس کے کنوینر مولانا عبدالستار خان نیازی منتخب ہوئے اور باضابطہ تنظیم کے بعد صدر بنادیئے گئے۔

۱۹۳۹ء ہی میں مولانا نیازی نے دہلی میں قائد اعظم سے ملاقات کے دوران

انہیں " پنجاب مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن " کی جانب سے " خلافتِ پاکستان اسکیم " پیش کی قائد اعظم اس اسکیم کو دیکھ کر مسکرائے ، اور فرمایا ۔

" YOUR SCHEME IS VERY HOT "

تمہاری اسکیم بُہت گرم ہے ۔

مولانا نیازی نے جواب دیا !

" BECAUSE IT HAS COME OUT FROM A BOILING HEART"

یعنی " یہ اس لئے گرم ہے کہ یہ لاوا اُبلتے ہوئے دلوں سے نکلی ہے ۔" قائد اعظم بہت خوش ہوئے ، اس کے بعد اسکیم کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی بات چیت ہوئی ، بالآخر قائد اعظم نے اس تجویز کو مسلم لیگ کی متعلقہ کمیٹی کے سُپرد کرنے کا وعدہ فرمایا ، اور اس کے بعض اہم نکات کو تسلیم کرلیا ۔

۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو لاہور میں " حصولِ پاکستان " ملّت کا نصبُ العین قرار پایا ، مولانا نیازی ایم اے کرنے کے بعد گویا اسی کام کے لئے وقف ہوگئے ۔ آپ قریہ قریہ ، بستی بستی ، نگر نگر ، اور شہر شہر گھومے ، اور پاکستان کا پیغام لوگوں تک پہنچایا ۔

مارچ ۱۹۴۱ء میں " مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن " نے قائد اعظم کی زیر صدارت پاکستان کانفرنس منعقد کی تو اجلاس کی مرکزی قرار داد پیش کرنے والے مولانا نیازی ہی تھے ، اس اجلاس میں دیہی علاقوں میں تحریکِ پاکستان کو منظم کرنے کے لئے پاکستان رورل پروپیگنڈہ کمیٹی مقرر ہوئی تو مولانا نیازی سیکریٹری منتخب ہوئے ، اس حیثیت سے مولانا نیازی کو قائد اعظم کے ساتھ براہِ راست خط و کتابت کا موقعہ ملا اور یہیں سے تعلقات کا آغاز ہوا ۔ ۱۹۴۲ء میں آپ ضلع میانوالی مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوگئے اور ساتھ ہی ساتھ انہیں صوبائی کونسل اور آل انڈیا مسلم لیگ کا رکن چُن لیا گیا ۔

مولانا نیازی نے اسلامیہ کالج لاہور میں آٹھ سال تک تدریسی خدمات انجام دیں۔۱۹۴۳ء میں انجمن نعمانیہ کے ڈپٹی سیکریٹری بنائے گئے۔اس سے قبل آپ اقبال ڈے سوسائٹی کے سیکریٹری بنائے جاچکے تھے۔۱۹۴۳ء میں آپ کو اسلامیہ کالج لاہور میں "صدر شعبۂ اسلامیات" مقرر کیا گیا اور اس کے چند روز بعد صوبائی مسلم لیگ کے سیکریٹری بنائے گئے۔

۱۹۴۴ء میں پنجاب مسلم لیگ کی صوبائی کونسل نے آپ کی تجویز پر یہ قرار داد منظور کی "پاکستان کا آئین شریعتِ اسلامیہ پر مبنی ہوگا"۔

صوبائی کونسل کے بعد "آل انڈیا مسلم لیگ" نے بھی تجویز منظور کرلی۔

۱۹۴۵ء میں مولانا نیازی نے میاں محمد شفیع کے ساتھ مل کر "پاکستان کیا ہے اور کیسے بنے گا" کے عنوان سے ایک کتاب لکھی جس میں زندگی کے ہر مسئلہ پر "نظریۂ خلافت" کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب قیام پاکستان کی منزل قریب تر آرہی تھی اور مسلم لیگ میں ابن الوقت قسم کے سیاستدان شامل ہورہے تھے، کمیونسٹ بھی ایک سازش کے تحت اس میں شامل ہوگئے، چنانچہ مولانا موصوف نے اپنے احباب کے تعاون سے "پنجاب کونسل" کے اجلاس میں کمیونسٹوں کو مسلم لیگ سے نکالنے کی قرار داد پیش کی جو منظور کرلی گئی، اور مسلم لیگ سے "دانیال لطیفی" ڈاکٹر ذاکر مشہدی، شیر محمد بھٹی اور دیگر کمیونسٹوں کو نکال دیا گیا۔

جولائی ۱۹۴۶ء میں آپ نے اسلامیہ کالج کی صدارت شعبۂ اسلامیات، کی زیر نگرانی اپنے خاص شاگردوں سید محمد قاسم رضوی اور حکیم آفتاب احمد قریشی وغیرہ کی سرکردگی میں طلباء کے وفود صوبے کے مختلف مقامات پر بھجوانا شروع کیے تاکہ قائد اعظم کے حکم کے مطابق میدان عمل میں طلباء اپنی خدمات سر انجام دیں۔ اسی سال آپ میانوالی سے مسلم لیگ کے ٹکٹ پر ایم این اے

منتخب ہوئے، لیکن مسلم لیگ کی واضح کامیابی کے باوجود فرنگی گورنر نے خضر حیات ٹوانہ سے ساز باز کی اور اسے وزارت بنانے کی دعوت دے دی۔ مولانا نے صوبہ سرحد اور پنجاب کا طوفانی دورہ کرکے مسلمانوں کو منظم کیا۔ خضر حیات جہاں جاتا آپ اس کا تعاقب کرتے۔ میاں چنّوں ضلع ملتان میں تصادم ہوتے ہوتے بچا۔ خضر حیات نے تنگ آکر آپ کو لالچ دینا چاہا۔ مُنہ مانگی مُراد پانے کی پیش کش کی تو مولانا نے فرمایا " میرے لئے دولتِ ایمان ہی کافی ہے"۔

زمین دینا چاہی تو فرمایا " تم چند ایکڑ کی بات کرتے ہو ہم چھ صوبوں کا پاکستان مانگتے ہیں"۔

شریکِ اقتدار ہونے کا لالچ دیا تو آپ نے فرمایا " اسلام کی دی ہوئی عزّت ہی کافی ہے"۔

جب خُدا کا یہ شیر طرح طرح کی داماہئے فریب میں نہ پھنسا تو خضر حیات مجبوراً خاموش ہوگیا۔ اور آپ پاکستان کا عَلَم بلند کرتے ہوئے ملک گیر دورے فرماتے رہے۔

مولانا عبدالسّتار نیازی " مرکزی انجمن نعمانیہ ہند " کے سیکریٹری تھے۔ اس حیثیت میں آپ نے ۴۵۔ ۱۹۴۶ء کے سالانہ جلسوں میں پاکستان کی حمایت میں قرار دادیں منظور کرائیں۔ مشائخ اہلسنّت کی حمایت حاصل کرنے کے لئے مسلم لیگ نے ایک "مشائخ کمیٹی " بنائی تھی جس کے کنوینر مولانا محمد ابراہیم علی چشتی تھے اور اراکین میں مولانا موصوف کا نام نمایاں تھا۔ مولانا نے خضر وزارت کو ناکوں چنے چبوائے دینی نکتہ نگاہ سے نیشلسٹ مسلمانوں، جمعیت علمائے ہند، مجلسِ احرار، مطالبہ پاکستان کی مذہبی بنیادوں پر مخالفت کرنے والے گروہوں جماعت اسلامی خاکسار، جمعیت انصار وغیرہم کے نظریاتی نعروں، حکومت الٰہیہ اور نظامِ اسلام کے جواب میں مثبت اور عملی لائحہ عمل دارالسّلام پاکستان کی

حقیقتوں سے مسلمانوں کو آشنا کیا اور اس میں نفاذِ شریعت کے ممکنات کو متحدہ ہندوستان میں غلبۂ اسلام کے نظر فریب توہمات پر دلائل و براہین سے واضح کیا۔

۱۹۴۶ء میں جب کانگریس کی چیرہ دستیوں اور اسلامیانِ ہند کے حق خودارادیت سے صریح انکار پر قائداعظم نے ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ کیا، تو مولانا عبدالستّار خان نیازی کالج کی مصروفیات کو چھوڑ کر تحریکِ پاکستان کے لئے ہمہ تن وقف ہوگئے۔ اور بالآخر پاکستان بنا کر دَم لیا۔ قائداعظم نے مولانا کے نام دسیوں خطوط لکھے[1]

حضرت مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری ناظم حزب الاحناف، لاہور

آپ کا نام نامی، دینی اور سیاسی حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں، آپ شہر لاہور سے متعلّق تھے تحریکِ پاکستان کی حمایت میں آپ کی خدمات نہایت شاندار ہیں۔ ۱۹۴۰ء میں جب قرار دادِ پاکستان منظور ہوئی تو اس کے جواب میں مولوی ابوالکلام آزاد کی سرپرستی میں بمقام دہلی مسلم کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں جمیعتہ العلماء ہند، مجلس احرار اور شیعہ پولیٹیکل کانفرنس نے شرکت کی۔ اس کانفرنس میں ملک کی تقسیم اور قیام پاکستان کی شدید مخالفت کی گئی تھی۔

آپ نے اس کے جواب میں بمقام شہر لاہور سنّی جمیعتہ العلمائے پاکستان کی بنیاد رکھ کر تقسیم ملک اور قیامِ پاکستان کی زبردست حمایت کا اعلان فرمایا اور ہندوستان کا دورہ کرتے ہوئے مختلف شہروں اور قصبات میں شاندار جلسے منعقد کرکے مسلم عوام کو وہابیہ کی مسلم کانفرنس کے عزائم سے خبردار اور ہوشیار رہتے

---

[1] ماخوذ از "اکابر تحریک پاکستان" بہ تصرف قلیل بہ اجازت مصنف

ہوئے پاکستان کی بھرپور حمایت کرنے پر آمادہ کیا۔

۱۹۴۵ء میں آپ فریضۂ حج ادا کرنے حجازِ مقدّس پہنچے تو وہاں آپ نے ممالک اسلامیہ کے علماء کو مسئلہ قیامِ پاکستان کی اہمیّت سے آگاہ کیا اور انہیں اس پر رضامند کرلیا کہ وہ اپنے اپنے ملک کی جانب سے پاکستان کے حق میں موثر آواز بلند کرینگے۔ خصوصاً مصری اور شامی علماء نے آپ کی تقاریر کو بہت پسند کیا۔

فریضۂ حج ادا کرکے آپ وطن تشریف لائے تو ان دنوں مرکزی اسمبلی کے انتخابات کا زمانہ تھا۔ آپ نے آتے ہی مسلم لیگ کو کامیاب بنانے کے لئے پُورے زور کے ساتھ انتخابی مہم میں حصّہ لینا شروع کیا۔ جگہ جگہ جلسے منعقد کرتے اور اپنی شعلہ نوائیوں سے فرزندانِ توحید کے دلوں کو گرماتے اور حاضرین سے ہاتھ اٹھواکر وعدہ لیتے کہ اپنے ووٹ ہر صورت مسلم لیگ کو دیں گے اور تحریک پاکستان کو کامیاب کرنے کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔

آپ کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے تنگ آکر خضر حیات ٹوانہ کی حکومت نے آپ پر طرح طرح کی پابندیاں لگاکر آپ کی جدوجہد کو روکنے کی کوشش کی مگر آپ حکومت کی ہر پابندی کو توڑتے اور بدستور تقریریں کرتے رہے۔ اس مہم کے سلسلہ میں آپ صوبۂ سرحد بھی تشریف لے گئے اور پیر صاحب مانکی شریف اور دیگر مشائخ کی معیت میں دورہ کرتے اور حلقوں میں تقریریں کرتے رہے آپ کئی مرتبہ گرفتار بھی ہوئے مگر آپ کے جذبۂ حرّیت میں کوئی کمی واقع نہ ہوسکی، قیام پاکستان کے بعد جب جہادِ کشمیر شروع ہوا تو آپ اس میں بھی پیش پیش رہے اور "غازیٔ کشمیر" مشہور ہوئے۔

الغرض آپ کی تمام عمر اسلام اور اہلِ اسلام کی خدمت میں بسر ہوئی۔ آپ نے ہر مرحلہ پر باطل اور اہلِ باطل کا ڈٹ کا مقابلہ کیا۔ آپ ہر مصلحت سے بے نیاز ہو کر حق کا بول بالا کرنے کی جدّوجہد کرتے رہے۔ تاآنکہ مورخہ

۲۰ جنوری ۱۹۶۱ء کو آپ نے اپنی جان، جان آفریں کے سُپرد کی۔ آپ کا مزار حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمۃ کے مزارِ پُر انوار کے احاطہ میں واقع ہے، رحمۃُ اللہ علیہ۔

حضرت العلّامہ مولانا عبدالحامد بدایونی مدظلہٗ

آپ ملک و ملّت کے صفِ اوّل کے رہنما اور بانیٔ پاکستان قائدِ اعظم محمّد علی جناح کے معتمد ساتھی اور تحریکِ پاکستان کے سرگرم مجاہد ہیں۔ ۱۹۴۰ء کے جس اجلاس میں قراردادِ پاکستان منظور ہوئی آپ اس میں شریک تھے۔ آپ نے تحریک پاکستان میں نمایاں کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ آپ نے مسلم عوام کو حصولِ پاکستان کی جدّوجہد میں منظم کرنے میں اپنی تمام تر توانائیوں کو صَرف کردیا۔ بڑے بڑے جلسوں میں اپنی خطابت کے جوہر دکھاتے اور کانگریسی وہابی مولویوں کے اعتراضات کے دنداں شکن جواب دیتے۔

آل انڈیا سنّی کانفرنس منعقدہ ۱۹۴۶ء میں بھی آپ شریک ہوئے، اور علمائے حق کی تنظیم میں حصّہ لیا۔ آپ مسلم لیگ کی دعوت پر لائل پور تشریف لے گئے، اور وہاں تحریکِ پاکستان کے سلسلہ میں بڑا کام کیا۔ ۱۹۴۶ء کے مرکزی انتخابات کے زمانہ میں صوبہ سرحد کے کانگریسیوں اور سُرخپوشوں کا زور توڑنے کے لئے حضرت پیر صاحب مانکی شریف نے خصوصیت کے ساتھ قائد اعظم سے سفارش کی کہ جہاں وہ دوسرے مشائخ و علماء کو بھیجیں وہاں مولانا عبدالحامد بدایونی کو ضرور بھیجیں۔ چنانچہ قائد اعظم نے پیر صاحب مانکی شریف کی سفارش پر مولانا کو خاص طور پر صوبہ سرحد تشریف لے جانے کا حکم دیا۔

آپ نے صوبہ سرحد پہنچ کر نہایت موثر انداز میں تقریریں کیں، اور سرحدی مسلمانوں کو قیام پاکستان کی ضرورت کا احساس دلایا۔ جس کے نتیجے میں فضا یکسر بدل کر مسلم لیگ اور پاکستان کے حق میں ہوگئی، اور آپ کے سامنے

وہابی کانگریسی مولویوں اور سُرخپوشوں کا کوئی داؤ کارگر نہ ہوسکا۔ مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے بعد بھی آپ صوبۂ سرحد کے دورہ پر متعدّد مرتبہ تشریف لے جاچکے ہیں۔ آپ آج کل کراچی میں مقیم ہیں، اور جمیعۃ العلمائے پاکستان کراچی کے صدر ہیں، نیز آپ حکومت کی قائم کردہ اسلامی مشاورتی کونسل کے رکن بھی ہیں۔

حضرت علاّمہ مولانا عبدالغفور صاحب ہزاروی مدظلہٗ (وزیر آباد)

آپ اہلِ سنّت و جماعت کے عظیم رہنما اور بلند پایہ عالمِ حق ہیں۔ آپ ہمیشہ حق کی حمایت میں باطل کے خلاف مردانہ وار سینہ سپر رہے، تحریکِ پاکستان میں آپ کی خدمات شاندار اور مثالی ہیں، دشمنانِ ملک و مِلّت آپ کے نام سے کانپتے رہے ہیں۔

تحریکِ پاکستان و مسلم لیگ کے مخالفین وہابی مولویوں کا زور توڑنے میں آپ نے قابلِ فخر کامیابیاں حاصل کی ہیں، آپ کی ولولہ انگیز تقریروں نے وہابیہ کے چھکے چھڑادیئے، اور مسلم عوام کو ان کے مکروہ عزائم سے باخبر کرتے ہوئے انہیں وہابیہ کی سازشوں سے بچالیا۔ آنے والی نسلیں آپ کی عظیم خدمات پر فخر کریں گی۔

جن دنوں تحریک پاکستان کا آغاز ہوا، ان دنوں بھی آپ وزیر آباد میں ہی مقیم تھے۔ ابتدائی دور میں احراری و کانگریسی وہابی مولویوں کا بڑا زور تھا۔ آپ نے ان کے زور کو توڑنے کی خاطر انتھک محنت کی، آپ نے قائداعظم کو وزیرآباد آنے کی دعوت دی جسے قائد اعظم نے منظور کیا، اور وزیر آباد تشریف لاکر مولانا موصوف کی مسجد کے قریب ایک جلسۂ عام سے خطاب فرمایا۔

مولانا نے پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں پنجاب کا طوفانی دورہ کیا اور مختلف مقامات پر باطل سوز تقریریں کر کے مسلم عوام کو تحریکِ پاکستان سے

روشناس فرمایا اور مسلم لیگ کے سبز ہلالی پرچم کے سایہ میں منظم اور متحد ہوجانے کی اپیل کی جس کا خاطر خواہ نتیجہ ظاہر ہوا اور فضائیں "لے کے رہیں گے پاکستان" "مسلم لیگ زندہ باد" "قائداعظم زندہ باد" کے پُرشکوہ نعروں سے گونجنے لگیں۔

حضرت صاحبزادہ خواجہ قمرالدّین صاحب (سیال شریف)

آپ ضلع سرگودھا کے مشہور مقام سیال شریف کے سجادہ نشین ہیں، تحریکِ پاکستان کی جدّوجہد میں آپ کی خدمات ناقابل فراموش اور نہایت شاندار ہیں۔ آپ نے وہابی مولویوں کے طلسم ہوشربا کو توڑ کر رکھ دیا۔

مسلم لیگ نے جب قراردادِ پاکستان منظور کی تو آپ نے اس کی پُرزور تائید کی اور ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر مسلمانوں کو حصولِ پاکستان کی جدّوجہد میں ہر قسم کی قربانیاں دینے پر آمادہ کیا۔ آپ نے ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں اپنی جدّوجہد کو تیزتر کردیا اور اپنے مُریدین اور متوسلین سے حلف لیا کہ وہ مسلم لیگی امیدواروں کو ووٹ دیں گے۔ کانگریسیوں اور سرخپوشوں کے مقابلہ پر آپ صوبہ سرحد تشریف لے گئے اور جگہ جگہ جلسے اور اجتماع کر کے وہابی مولویوں کے مکرو فریب کا پردہ چاک کرتے ہوئے مسلمانوں سے پُرزور اپیل کرتے رہے کہ ہندو لیڈروں کی غلامی سے بچنے کی خاطر مسلم لیگ کا ساتھ دیں اور لیگی امیدواروں کو کامیاب بنائیں۔

المختصر آپ کی مجاہدانہ خدمات ہماری قومی تاریخ میں ہمیشہ تاباں اور درخشندہ رہیں گی۔

حضرت پیر صاحب پاگارہ شریف کے خلیفہ مجاز
پیر عبدالرحمان صاحب (بھرچونڈی شریف)

سندھ مسلم لیگ کے عوامی تحریک بننے سے پیشتر مجاہد اسلام شیخ ثالث مولانا

عبدالرحمان صاحب نے مسلمانوں کی حالت سنوارنے اور ان کی پسماندگی دُور کرنے اور شرعِ متین کے نفاذ کے پیش نظر جماعت "احیاء الاسلام" کی بنیاد رکھی اور صوبۂ سندھ کے ایک نمائندہ اجلاس میں آپ اس کے صدر منتخب ہوئے۔

یہ جماعت اس قدر مقبول ہوئی کہ سندھ کے طول و عرض میں اس کی شاخیں قائم ہوگئیں۔ تین ماہ کے قلیل عرصہ میں ہی اس جماعت کے ممبران کی تعداد آٹھ دس ہزار تک پہنچ گئی۔ جماعت احیاء الاسلام کے زیر اہتمام "شہر جیکب آباد" میں ایک عظیم الشّان کانفرنس منعقد کی گئی اور جماعت نے اپنا پریس خرید کر شکار پور سے ایک اخبار "الجماعۃ" مولوی صدر الدین شاہ صاحب کی ادارت میں جاری کیا۔

پیر صاحب موصوف کی جدّوجہد کے نتیجہ میں مسلمانانِ سندھ میں بیداری کی لہر دوڑ گئی اور مختلف شہروں میں آئے دن "احیاء الاسلام" کے زیر اہتمام جلسے منعقد ہونے لگے حتیٰ کہ کوئی قصبہ یا قریہ ایسا نہ رہا جہاں احیاء الاسلام کا تذکرہ اور چرچا نہ ہو۔

ان دنوں پُورے صوبہ سندھ میں ہندو کانگریس زوروں پر تھی۔ اسمبلی میں ہندوؤں کا غلبہ تھا۔ سیاسی، اقتصادی، معاشی اور سرکاری ملازمتوں اور عہدوں پر ہر میدان میں ہندو مسلمانوں پر چھائے ہوئے تھے اور مسلم لیگ صرف سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون کے دفتر تک محدود تھی۔

مسلم لیگ کو صوبہ سندھ میں متعارف کرانے اور کانگریس کا زور توڑنے کی خاطر حاجی عبداللہ ہارون اور محمد ایوب کھوڑو نے ایک عظیم الشّان جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسہ میں شرکت کے لئے حضرت پیر صاحب بھرچونڈی کو احیاء الاسلام کے صدر کی حیثیت سے مدعو کیا گیا۔ جلسہ سے بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح، نوابزادہ لیاقت علی خان، نوابزادہ اسمٰعیل خان اور دیگر اکابرین

مسلم لیگ نے خطاب کیا۔ اس موقعہ پر سندھ اسمبلی کے آٹھ مسلم ممبران نے مسلم لیگ میں شمولیت کا اعلان کیا، ان آٹھ ممبران میں سے پانچ ممبر وہ تھے جنہیں پیر صاحب موصوف نے احیاء الاسلام کی طرف سے کامیاب کرایا تھا۔ چنانچہ یہ پانچوں ممبران پیر صاحب کے حکم سے مسلم لیگ میں شامل ہوگئے۔

قائداعظم اور نوابزادہ خان لیاقت علی خان سے ملاقات کے نتیجہ میں پیر صاحب نے اپنی جماعت احیاء الاسلام کو مسلم لیگ میں مدغم کرنے کا اعلان فرمایا اور اسی دن سے آپ نے مسلم لیگ کے راہنما کی حیثیت سے تحریکِ پاکستان کے لئے خود کو وقف کردیا۔

آپ کی مخلصانہ کوششوں کے نتیجہ میں سندھ کے مشہور و معروف اور بااثر مشائخ عظام میں سے حضرت آغا عبدالستار جان سرہندی اور آغا پیر محمد ہاشم جان سرہندی مسلم لیگ میں شامل ہوگئے اور ان حضرات نے حصول پاکستان کے لئے مسلم لیگ کا پُورا پُورا ساتھ دیا اور ہر طرح کی قربانیاں دیتے رہے۔

پیر صاحب بھرچونڈی نے مسلم لیگ کو عوام سے روشناس کرانے اور تحریک پاکستان کو کامیاب بنانے کی خاطر مختلف شہروں اور مقامات پر پے بہ پے جلسے منعقد کرانے شروع کئے۔ چنانچہ بعض اوقات پندرہ پندرہ دن مسلسل جلسوں کا پروگرام جاری رہتا۔ حضرت علّامہ احمد سعید صاحب کاظمی حال شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ بہاول پور، مولانا عبداللہ صاحب احمد پوری اور مولانا پیر سید مغفور القادری صاحب، پیر صاحب بھرچونڈی کے زیر صدارت جلسوں میں مدلّل اور دلنشیں تقریریں فرماتے اور مسلمانوں کو مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر حصول پاکستان کے لئے متحّد و منظّم ہوجانے کی تاکید فرماتے اور اس کے نتیجہ میں روزانہ سینکڑوں ہزاروں مسلمان مسلم لیگ میں شامل ہوتے چلے گئے اور

کانگریس کا زور ٹوٹتا گیا۔

کانگریسی ہندو لیڈر اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے وظیفہ خوار وہابی مولویوں کو میدان میں لائے مگر ان مشائخ و علمائے حق کے سامنے ان وہابی مولویوں کا کوئی بس نہ چلا اور علمائے اہلسنّت و جماعتِ بریلویہ کی مجاہدانہ جدّوجہد کے نتیجے میں مسلم لیگ مقبول اور مستحکم تر ہوتی چلی گئی۔

ان ہی دنوں صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مُراد آبادی اور سید محمد شاہ صاحب محدث کچھوچھوی کی مساعی سے بمقام کنیز فاطمہ باغ بنارس مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۴۶ء کو آل انڈیا سُنّی کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں ملک کے ہر گوشہ سے تقریباً دو ہزار مشائخ عظام و علمائے کرام نے شرکت کی۔ حضرت پیر جماعت علی شاہ صاحب محدّث علی پوری اور حضرت پیر عبدالرحمان بھرچونڈی شریف بھی نہایت شان و شوکت کے ساتھ شریک ہوئے۔

اس عظیم کانفرنس میں متفقہ طور پر حسبِ ذیل قرارداد منظور کی گئی:

۱۔ آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پُرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہلسنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے لئے تیار ہیں اور اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن اور حدیث نبویہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی روشنی میں فقہی اصولوں کے مطابق ہو۔

۲۔ یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اسلامی حکومت کے مکمّل لائحہ عمل مرتّب کرنے کے لئے حسبِ ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بنائی جائے۔

حضرت مولانا شاہ ابوالحامد سیّد محمد صاحب محدث اعظم کچھوچھوی، صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب مُراد آبادی، مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان صاحب خلف الرشید اعلیحضرت بریلوی، صدر الشریعۃ حضرت مولانا

امجد علی صاحب ، حضرت پیر خواجہ عبدالرحمان صاحب بھرچونڈی شریف سندھ۔ حضرت پیر سیّد زین الحسنات صاحب مانکی شریف ، حضرت مولانا قمرالدین صاحب سیال شریف ، خان بہادر حاجی بخشی مصطفیٰ علی صاحب مدراس اور حضرت مولانا شاہ دیوان رسول خانصاحب اجمیر شریف۔

سندھ میں پیر صاحب بھرچونڈی شریف کے اثر و رسوخ کا یہ عالم تھا کہ سندھ کی وزارتوں کے ردّوبدل میں ہمیشہ آپ کا ہاتھ رہا ہے۔ بالآخر جب پاکستان کے سوال پر انتخابات کا مرحلہ آیا تو آپ رختِ سفر باندھ کر کراچی تشریف لے گئے اور سندھ زمیندار ہوٹل میں قیام کیا۔ ممبرانِ اسمبلی اور وزراء کی کاریں آدھی رات تک ہوٹل کا طواف کرتی نظر آتیں۔ آپ سب کو نہایت سختی کے ساتھ حکم فرماتے کہ خواہ کچھ بھی ہوجائے ہر صورت مسلم لیگی امیدواروں کو کامیاب کرانا ہے۔ اس لئے کہ اس وقت مسلم قوم کی زندگی اور موت کا سوال درپیش ہے اور اسی انتخاب کے نتیجہ پر مسلمانوں کے مستقبل کا دارو مدار ہے۔

بحمدہ تعالیٰ حضرت پیر صاحب بھرچونڈی شریف اور دیگر مشائخ عظام اور علمائے کرام اہلسنّت و جماعتِ بریلویہ کی مساعئ جمیلہ سے سندھ میں بھی مسلم لیگ کو شاندار کامیابی حاصل ہوئی اور وہابی مولوی اور ان کے آقا ہندو کانگریسی ذلّت آمیز شکست کھاگئے۔ (ملاحظہ ہو، کتاب عبادالرحمان ، مخلصاً)

قیامِ پاکستان سے قبل بمقام کراچی دوسری مسلم لیگ کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس میں علماء و مشائخ اہلسنّت نے بھرپُور حصّہ لیا اور تحریکِ پاکستان میں نہایت اہم کردار ادا کیا۔ حضرت پیر صاحب بھرچونڈی شریف کے متعلق چوہدری سلطان احمد صاحب زمیندار (سانگھڑ) کا بیان ہے کہ اس کانفرنس میں شرکت لئے عوام دیوانہ وار دُور دراز علاقوں سے سفر کر کے کراچی پہنچ رہے تھے۔

ایک اسپیشل ٹرین میں پیر صاحب موصوف اپنے مریدین کی ایک بڑی جمعیت کے ہمراہ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے کراچی تشریف لے جارہے تھے۔ ہم بھی اسی ٹرین میں سوار تھے، اتفاقاً دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ٹرین پر مسلم لیگ کا پرچم نہیں ہے۔ جسے لوگوں نے بہت محسوس کیا۔ چند لوگ پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ ٹرین پر مسلم لیگ کا جھنڈا نہیں ہے۔ آپ نے سبز رنگ کی چادر نکال کر انہیں مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا "لو یہ میری طرف سے مسلم لیگ کا پرچم لہرا دو۔" پیر صاحب کے اس جوش و جذبہ کو دیکھ کر عوام نہایت متاثر ہوئے اور پورے جوش و خروش سے نعرے بلند کرنے لگے۔ اسلام زندہ باد، مسلم لیگ زندہ باد، قائداعظم زندہ باد، لے کے رہیں گے پاکستان، پاکستان کا مطلب کیا لا الہٰ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ اور فضا ان پُر جوش نعروں سے گونج اٹھی۔

خطبۂ جمعہ میں پیر صاحب بھرچونڈی کا قائداعظم سے سوال اور قائداعظم کا جواب

المختصر اس شان و شوکت کے ساتھ ٹرین کراچی پہنچی۔ کراچی میں ہزاروں لاکھوں کے مجمع نے پیر صاحب موصوف کا نہایت شاندار استقبال کیا اور پیر صاحب فلک شگاف نعروں کی گونج میں جلوس کے ہمراہ منزلِ مقصود کو روانہ ہوئے۔

آپ نے سندھ مدرسۃ الاسلام گراؤنڈ میں نماز جمعہ پڑھائی۔ قائدِ اعظم بھی نماز جمعہ میں شریک تھے، پیر صاحب نے نماز جمعہ کے وعظ میں ولولہ انگیز تقریر ارشاد فرمائی جس میں آپ نے مسلمانوں کو تلقین فرمائی کہ اِس وقت مِلّتِ اسلامیہ کے لئے زندگی اور موت کا سوال درپیش ہے مسلمان اگر باعزّت زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں، تو قائدِ اعظم کی راہنمائی میں مسلم لیگ کے پلیٹ فارم

پر مجتمع ہوکر حصولِ پاکستان کے لئے تن من دھن کی بازی لگادیں، اور ہر قسم کی قربانیاں دینے کے لئے تیار ہوجائیں۔

پھر انھوں نے قائدِ اعظم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ اس وقت ہم محض اسلام کی سربلندی کی خاطر حصول پاکستان کی جدّوجہد میں ہر طرح آپ کے ساتھ ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قیامِ پاکستان کے بعد آپ پاکستان میں اسلامی آئین نافذ کرنے کا وعدہ پُورا نہ کرسکیں، اس پر قائدِ اعظم نے نہایت مختصر اور جامع الفاظ میں اپنے اس حتمی وعدہ کو دہرایا۔ کہ ہم پاکستان محض اس لئے حاصل کرنا چاہتے ہیں کہ مسلمان پاکستان میں خالص اسلامی اصولوں کے مطابق آزادانہ طور پر زندگی بسر کرسکیں، میں وعدہ کرتا ہوں کہ پاکستان میں اسلامی دستورو آئین کا نفاذ ہوگا۔ اس پر سارا مجمع جوش و مسرّت میں بے اختیار نعرے بلند کرنے لگا۔ قائدِ اعظم زندہ باد، مسلم لیگ زندہ باد، پیر صاحب بھرچونڈی شریف زندہ باد۔

ان کے علاوہ سندھ کے تمام مشائخ و علمائے اہلسنّت و جماعت ملک بھر کے مشائخ و علمائے اہلسنت و جماعت بریلویہ کے دوش بدوش تحریکِ پاکستان میں نہایت سَرگرمی کے ساتھ شریک رہے ہیں اور ملک بھر کے تو کیا کسی بھی ایک صوبہ کے سارے مشائخ و علمائے حق کے مجاہدانہ کارناموں کو مختصر سے مختصر الفاظ میں بھی اگر جمع کیا جائے تو ضخیم دفتر تیار ہوجائے اور یہ اتنا مشکل کام ہے کہ فقیر کے بس کا بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اسی پر اِکتفا کررہا ہوں۔ تاہم صوبۂ سندھ کے ان اکابرینِ اہلسنّت و جماعتِ بریلویہ کے اسمائے گرامی لکھنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو علم و فضل اور بزرگی کے لحاظ سے اہلسنّت و جماعت کا سَرمایۂ صد اِفتخار، تحریکِ آزادی کے عظیم مجاہد اور ملک و مِلّت کے سچّے درد مند رہنما ہیں اور جن کے کارناموں کا تذکرہ محض اس وجہ سے نہیں کرسکا ہوں کہ مجھے اِن کے کارناموں کی تفصیل مستند ذرائع سے معلوم نہ ہوسکی۔

سندھ کے مایۂ ناز مجاہدینِ آزادی
مشائخ عظام و علمائے کرام اہلسنت

حضرت آغا پیر عبدالستّار جان سرہندی ، آغا پیر محمد ہاشم جان سرہندی ، حضرت شاہ آغا پیر عبداللہ جان سرہندی ، حضرت پیر محمد ابراہیم جان سرہندی مجددی ، حضرت پیر غلام مجدد سرہندی ماتلوی ، حضرت مولانا مفتی صاحبداد خان ، مفتی اعظم پاکستان و شیخ الحدیث جامعۂ راشدیہ مدرسہ پیر صاحب پاگارا شریف پیر گوٹھ ، حضرت مولانا استاذ العلماء محمد صالح صاحب مہتمم جامعۂ راشدیہ و خطیب جامع مسجد پیر گوٹھ ، حضرت مولانا مفتی سندھ مخدوم عبدالعلیم صاحب دربیلوی ، حضرت مولانا تاج محمد صاحب آربجوی ، حضرت مولانا مفتی سندھ محمد ابراہیم صاحب گڑھی یاسین ، حضرت مولانا پیر محمد قاسم مشوری ضلع لاڑکانہ ۔

یہ تمام حضرات جدّوجہدِ آزادی میں سرگرم رہے ہیں ، اور حصولِ پاکستان کی خاطر بڑی سے بڑی قربانیاں دیتے رہے ہیں ۔

اے سنیو پاکستان بناکر دَم لو کہ یہ کام صرف تمہارا ہے

اجمیر شریف کے اجلاس میں محدّثِ اعظم کچھوچھوی کا ولولہ انگیز تاریخی خطبہ

ماہ رجب ۱۳۶۵ء بمطابق جون ۱۹۴۶ء میں بمقام درگاہ معلیٰ اجمیر شریف میں آل انڈیا سُنّی کانفرنس کا تاریخی اجلاس منعقد ہوا جس میں رئیس المتکلمین خطیبُ الہند مولانا سید محمد صاحب محدث کچھوچھوی صدر آل انڈیا سُنّی کانفرنس نے ولولہ انگیز تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا ۔ جو الخطبة الاشرفیه الجمھوریة الاسلامیه کے نام سے بہ صورت رسالہ وسیع پیمانہ پر شائع کیا گیا ۔ اس فصیح و بلیغ تاریخی خطبہ کا ایک حصّہ خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ' کے ساتھ عقیدت و نیاز مندی پر مشتمل ہے ، اور دوسرا حصّہ تحریکِ پاکستان کے متعلق ہے ، جو

موضوع کی مناسبت سے درج ذیل ہے۔

حضرت محدث کچھوچھوی نے فرمایا "زمانہ میں روشنی کے نام پر "الحاد" کی تاریک آندھیاں چلیں، دین فروشوں نے دین کے نام کو پیٹ کا دھندہ بنایا۔ کھلے بازار میں ملّت فروشی کی جارہی ہے، ضمیر فروشی، قوم فروشی کا بلیک مارکیٹ قانون کی زد سے بھی آزاد ہے۔ نام دارالعلوم رکھا، اور کام ودیا مندر کا کیا۔ نام پوچھو تو "احرار" بتائیں اور کام دیکھو تو غلاموں کی غلامی پر اُتر آئیں، یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم سُن کر گھبرائیں اور "بندے ماترم" کا ترانہ گائیں۔ نعرۂ تکبیر سے الجھیں اور اپنے باپو (گاندھی) کی جے منائیں، مسلمانوں سے بیزار اور مشرکوں کے علمبردار، اب تو تہبند کا رنگ ایسا چڑھا ہے کہ پہچاننا دشوار ہے کہ مولوی جی یا مالوی جی ہیں۔ سب کچھ ہے مگر اے خواجہ تیری خواجگی کے قربان کہ تیرے مست تیرے ہی رہے، تیری تعلیم، تیرے پیغام سے ایک انچ نہ ہٹے، چودہ سو برس کی پُرانی لکیر کے فقیر بنے رہے۔ مشرک کے پاؤں پر توحید کو کھڑا نہیں کیا، اور کسی قیمت پر اپنے دین کو نہیں بیچا، نہ یورپ کی چال ان پر چلی نہ اکثریت کی سرمایہ داری کا جال ان کو پھانس سکا، یہ خواجہ کی دہائی دینے والے یہ عرس و فاتحہ والے، یہ میلاد و قیام والے، یہ نعرۂ تکبیر و نعرۂ رسالت والے اسی مقام پر رہے، جہاں خواجہ کی کرامت نے انہیں کھڑا کردیا ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ کیسے اچھے ستھرے، خواجہ والے، غوث والے، اخوان میرے سامنے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمارا مقصد بھی نہایت بلند پایہ ہے۔ آج اجمیر میں وہی مقصد ہے جو چشت کے راجہ کو صدیوں پہلے اجمیر میں لاچکا ہے۔ جس نے جیلان والے غوث کو بغداد پہنچایا ہے۔ جس کے لئے اللہ کا حبیب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم مکّہ سے مدینہ اور پھر مدینہ سے فاتحانہ شان کے ساتھ مکّہ پہنچا۔ جس مقصد کا مختصر اور صاف نام خُدا کے دین کے پیغام

اور اِس دینداری کی آزادی سے ذرہ ذرہ کو مسلم بنانا اور اسلام کے پرچم کو آزاد رکھنا ہے۔ انسان کو پاک کرنا اور انسانی آبادی کو پاکستان بنانا ہے۔ ہمیں اپنے خواجہ سے یہی کہنا ہے کہ زمانہ اب روشنی کی اہلیت و استعداد کو نہیں، بلکہ کیڑے مکوڑوں کی کثرت تعداد کو دیکھتا ہے۔ گوبر پیشاب والوں کو پوتر اور اللہ کے پاک بندوں کو "ملیچھ" کہا جاتا ہے، جن غدّاروں کو زمین پر پاؤں رکھنے کا حق نہیں، ان کو دیسی اور جن کے لئے زمیں پیدا کی گئی ان کو بدیسی کا لقب دیا جاتا ہے، فلسطین میں ذلّت کے ماروں اور بے مسکن آواروں کو مسلمانوں کے سینہ پر بسایا جارہا ہے، کعبہ میں فریضۂ حج پر ایک ہزار کا ٹیکس لگایا جارہا ہے' "انڈونیشیا" کے مسلمانوں پر بے رحمی آزمائی جارہی ہے۔ اور بڑا غضب یہ ہے کہ خواجہ! کہ آپ کا پڑھایا ہوا کلمہ پڑھتے ہوئے کچھ مِلّت فروش دستار رشملوں کو چوٹیوں پر، شلواروں کو دھوتیوں پر صرف چند ٹکوں کے لئے نچھاور کرچکے ہیں۔ نہروانیوں نے دوبارہ اپنا ایک "نہرو" بنالیا ہے۔ اب ایک جسے پال نہیں بلکہ جے پالوں کی پلٹن ہوگئی ہے۔ اور ان سب کا مقصد یہ ہے کہ خواجہ والے مسلمان یعنی سُنّی مسلمان کو زندہ نہ چھوڑا جائے، اے میرے خواجہ! آپ کے وفاداروں نے آپ کے اللہ اور آپ کے رسول صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اور آپ کے اخوان اولیاء کے خلاف آوازے سنے تو نہ گستاخوں کے جبّہ و دستار سے ڈرے اور نہ ریش کی آزمائش سے مرعوب ہوئے اور صرف اس لئے ان کو چھوڑ دیا کہ بے ان کے چھوڑے اے خواجہ آپ کا دامن چھوٹا جاتا تھا جو کسی طرح قابل برداشت نہ تھا۔

شاید ہماری یہی ایک نیکی کام آئی اور اسی وفاداری پر خواجہ کو رحم آگیا، کیونکہ بلاشبہ ہندوستان میں یہ ولی الھند ہی کی کرامت ہے کہ ہمارے ان رہنماؤں کو بیداری بخشی، جن کو رہنمائی کی سند زبانِ وحی سے ملی ہے۔ اب ان کی نظر

ہماری کمزوریوں پر نہیں بلکہ اپنے بازوؤں کی قوت پر پڑنے لگی۔ وہ رہنما کون ہیں؟ یہی ہمارے پیر، ہمارے علماء اہلسنّت و جماعت۔سارے پیر خانقاہ سے نکل پڑے اور میدان میں ڈٹ گئے۔ سارے علماء مدرسوں سے باہر بھی آکر کھڑے ہوئے، اور ارادہ کرلیا کہ نو کروڑ سنیوں میں روٹھے ہوؤں کو منایا جائے۔ ان کو مبلّغ بناکر ذمّہ داری دی جائے کہ مَرنے سے پہلے فی کس دس نہیں تو ایک غیر مسلم کو مسلمان کرنا ہے۔ ان کو تعلیم سے آراستہ کرکے، ان کے علم، ان کے عمل کو، ان کے اخلاق کو پاک کردینا ہے۔ تاکہ جہاں وہ قدم رکھیں، پاکستان ہوجائے اب ایسے مدارس ناقابلِ برداشت ہیں جو سنیوں کی جیبوں پر ڈاکے ڈالیں اور سنیوں کے مفاد سے لڑتے رہیں، اور سنیوں میں انتشار پیدا کریں۔ اب تمام سُنّی مدارس کو ایک نظام میں لاکر ان میں تعلیم و تربیت کی یکسانیت پیدا کرنی ہے۔ دارالقضاء، دارالافتاء، سب کو مرکزی شان سے چلانا ہے' خانقاہوں کو آراستہ کرنا ہے اور ان میں تبلیغ و تعلیم کی رُوح پھونکنی ہے المشائخ کالھم کنفس واحدۃ کرکے دکھانا ان پاکوں کا پاک عزم یہ ہے، رفتہ رفتہ ہندوستان کو پاکستان بناکر دکھا دینا ہے۔

یہی علماء و مشائخ اور ان کے برگزیدہ عزائم اور ارادے ہیں جس کا نام آل انڈیا سُنّی کانفرنس یا جمہوریتِ اسلامیہ ہے اور جس میں اس وقت تک صرف علماء و مشائخ کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہے اور اسی سُنّی کانفرنس کا آج خواجہ کی چوکھٹ پر جلسہ صرف اپنے خواجہ کے حضور حلف وفاداری اٹھانے کا ہے۔

میرے سُنّی بھائیو! اب ہم پر حجّتِ الٰہیہ ختم ہوچکی اور اگر ہم ان رہنماؤں سے بچھڑ گئے تو میدانِ حشر میں ہمارے پاس کوئی جواب نہ ہوگا۔ ہمارے جگانے والے پکار رہے ہیں کہ سنیو جاگو! جاگو! ہمارے ہشیار کرنے والے آواز دے رہے ہیں کہ سنیو ہوشیار خبردار، ہمیں ترقی دینے والے بُلا رہے ہیں کہ آؤ

بڑھے چلے آؤ۔ اے سُنّی بھائیو، اے مصطفیٰ کے لشکریو، اے خواجہ کے مستو، اب تم کیوں سوچو کہ سوچنے والے مہربان آگئے اور تم کیوں رُکو کہ چلانے والی طاقت خود آگئی' اب بحث کی لعنت چھوڑو۔ اب غفلت کے جرم سے باز آؤ۔ اُٹھ پڑو۔ کھڑے ہوجاؤ چلے، چلو ایک منٹ بھی نہ رُکو۔ پاکستان بنالو تو جاکر دَم لو کہ یہ کام اے سنیو سُن لو کہ صرف تمہارا ہے۔ حضرات میں نے بار بار پاکستان کا نام لیا ہے اور آخر میں صاف کہہ دیا ہے کہ پاکستان بنانا صرف سُنّیوں کا کام ہے اور پاکستان کی تعمیر آل انڈیا سُنّی کانفرنس ہی کرے گی۔ اس میں سے کوئی بات بھی نہ مُبالغہ ہے نہ شاعری ہے اور نہ سُنّی کانفرنس سے غلو کی بناء پر ہے۔ پاکستان کا نام بار بار لینا جس قدر ناپاکوں کی چڑ ہے، اسی قدر پاکوں کا وظیفہ ہے اور اپنا اپنا وظیفہ کون سوتے جاگتے اُٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے پُورا نہیں کرتا۔ اب رہا " پاکستان کارِ سُنّیاں است " یہ ملک کی کسی سیاسی جماعت سے تصادم کے لئے نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے جس کا اظہار بلا خوف لومۃ لائم کردیا ہے۔ اوّل تو مسلم لیگ کے سِوا کوئی ٹولی ایسی نہیں جو پاکستان کے ساتھ لفظی موافقت بھی رکھتی ہو۔ " الکفر ملتہ واحدہ " سارے ناپاکوں نے اپنے اندر بیشمار اختلاف رکھتے ہوئے پاکستان کے خلاف صف آرائی کرلی ہے اور مسلم لیگ میں پاکستان کا پیغام کس سے پہنچا؟ اور کن لوگوں نے مسلم لیگ کا عقیدہ اس کو بنایا؟ اگر تاریخی طور پر دیکھا جائے گا تو وہ صرف سُنّی ہیں۔ پاکستان کے معنی اسلامی، قرآنی، آزاد حکومت ہے۔ مسلم لیگ سے ہمارے سُنّی کانفرنس کی مجلسِ عاملہ کے رُکن حضرت شاہ زین الحسنات صاحب سجادہ نشین مانکی شریف (سرحد) نے لکھوالیا ہے۔ اگر ایک دم سارے سُنّی مسلم لیگ سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتادے کہ مسلم لیگ کس کو کہا جائے گا۔ اس کا دفتر کہاں رہے گا اور اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اٹھائے گا۔ ان حقائق میں کیا اس دعویٰ کی

روشنی موجود نہیں کہ پاکستان صرف سنّیوں کو بنانا ہے۔"

تاریخ گواہ ہے کہ بیشک صرف سنّیوں نے قائدِاعظم کی راہنمائی میں عظیم قربانیاں دے کر پاکستان بنا کر دکھا دیا۔ گذشتہ صفحات میں آپ پڑھ چکے ہیں مرزائی پاکستان کے مخالف تھے۔ جملہ وہابی آزاد مسلم کانفرنس منعقد کر کے اکھنڈ بھارت کا نعرہ لگا چکے تھے۔ شیعہ پولٹیکل کانفرنس بھی انہی میں شامل تھی۔ تو اب آپ خود ہی بتائیں کہ سوائے سنّیوں کے اور کون باقی رہ گئے، جنہوں نے من حیثُ الجماعت مسلم لیگ اور قائدِاعظم کا پُورا پُورا ساتھ دیا اور قیامِ پاکستان کی خاطر سَر دَھڑ کی بازی لگائی۔

سُنّیوں کے علاوہ دوسری کوئی بھی تنظیم یا جماعت یا گروہ پاکستان کی حمایت میں کوئی ایسی مثال تو پیش کرے کہ جس طرح سُنّی مشائخ و علماء نے آل انڈیا سُنّی کانفرنس (بنارس) یا اجلاس اجمیر شریف میں مسلم لیگ کی حمایت اور پاکستان کے حق میں علی الاعلان دو ٹوک فیصلہ کیا اور دشمنانِ اسلام اور مخالفین پاکستان کو مجاہدانہ شان کے ساتھ للکارا اور پُورے ملک میں جلسوں جلوسوں کے ذریعہ تحریکِ پاکستان کو مقبول بنایا اور رائے عامّہ کو پاکستان کے حق میں ہموار کیا۔ ان میں سے بھی کسی نے یہ جرأت دکھائی ہو۔ کیا کسی کی مجال ہے کہ مجاہد اہلسنّت محدّثِ اعظم کچھوچھوی علیہ الرحمۃ کے اس ولولہ انگیز تاریخی خطبہ کی نظیر پیش کر سکے جو آپ نے بمقام اجمیر شریف عظیم الشّان جلسۂ عام میں ارشاد فرمایا تھا۔ یہ شان اہلسنّت ہی کی ہے۔

اس کے برعکس آپ وہابی مولویوں کی زندگیوں پر نظر ڈال لیجیے۔ ان کے کردار میں مسلم دشمنی، حق کی مخالفت، مفاد پرستی، ابنُ الوقتی، مکرو فریب، فتنہ و فساد کے سِوا اور کچھ نہ ملے گا اور ان کی تحریروں کو دیکھیے تو ان کی "حکمتِ عملی" کے تحت قرآن و حدیث انبیاء و اولیاء کی توہین، بزرگانِ دین کی شان میں

دریدہ دہنی کے علاوہ کفّار کی حمایت، خوشامد، چاپلوسی اور دشمنانِ اسلام انگریزوں اور ہندو لیڈروں کی وفاداری کے اعلانات اور مدحیہ قصیدے نظر آئیں گے۔

"حر" مجاہدین

حضرت قبلہ پیر صبغت اللّٰہ شاہ صاحب رحمۃ اللّٰہ علیہ جملہ مسلمانانِ اہلسنّت و جماعت کے پیشوا اور لائقِ صد احترام بزرگ تھے۔ سندھ میں اولیاء اللّٰہ کے مشہور و ممتاز خاندان راشدیہ کے چشم و چراغ اور مجاہدین کے سردار تھے۔ اللّٰہ تعالیٰ کے مقبول بندے اور سرکارِ دوعالم محمّد رسُول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ و سلّم کے سچّے عاشق اور دینِ حق کے شیدائی تھے، آپ تمام عمر اسلام دشمن قوتوں کے خلاف برسرپیکار رہے۔ آپ نے اپنے جدامجد سید المجاہدین حضرت امام حسین رضی اللّٰہ عنہ، کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اسلام کی سربلندی اور دشمنانِ اسلام انگریزوں کی حکومت سے ملک و مِلّت کو نجات دلانے کی خاطر سب کچھ قربان کردیا۔

آپ نے سلطنتِ برطانیہ کے خلاف اس وقت عَلَمِ جہاد بلند کیا جبکہ وہابی مولوی انگریز کی غلامی کو اپنے لئے اللّٰہ کی نعمت اور رحمت قرار دے رہے تھے۔ حکومتِ برطانیہ کے نمک خوار اور پکّے وفادار بنے ہوئے تھے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ اپنی "حکمتِ عملی" کے تحت مسلمانوں کے دشمن نہرو اور سردار پٹیل کی چوٹی اور اپنے باپو گاندھی کی لنگوٹی کے ساتھ اپنے رشتے استوار کر رہے تھے۔ فرزندانِ اسلام کو کفّار کی دائمی غلامی میں جکڑ دینے کی سازشوں میں مصروف تھے۔

قبلہ پیر صاحب موصوف نے اس تاریک دور میں شمعِ آزادی کو روشن فرمایا جبکہ وہابی صاحبان کفّار کے آلۂ کار اور کفر کے علمبردار بنے ہوئے تھے۔ راتب کی تلاش میں کبھی انگریزوں کے قدم چاٹتے اور کبھی ہندو لیڈروں کے پاؤں

چومتے تھے۔ شیرِ خُدا کے اس لاڈلے شیر نے برطانوی استعمار پر کاری ضرب لگانے کا فیصلہ اس زمانہ میں کیا جب برطانوی سلطنت پر سورج غروب نہ ہوتا تھا۔

پیران پاگارا کا مرکز "پیر جو گوٹھ" دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر سابق ریاست خیرپور اور دریائے سندھ کے درمیان گھرے ہوئے علاقے میں واقع ہے۔ یہ ضلع "سکھر" کا حصّہ تھا۔ لیکن ون یونٹ کے بعد اسے ضلع خیرپور میں شامل کردیا گیا، یہ ضلع خیرپور کے قصبے کنگری کے قریب واقع ہے، پیر صاحب پاگارا کا دوسرا مرکز سانگھڑ میں ہے جو صحرائے تھار (تھر)[1] کے مغربی کنارے پر واقع ہے، پیران پاگارا کے سلسلے کا آغاز سات پشت پہلے ہوا۔ اس سلسلہ کے پہلے بزرگ قطب زمان غوث دوراں شیخ المشائخ حضرت پیر سیّد محمد راشد[2] عرف پیر روضے دھنی علیہ الرحمۃ ہیں۔ یہ سلسلۂ عالیہ انہی کی نسبت سے "راشدیہ" کہلاتا ہے۔

سرزمین سندھ کا یہ عظیم و متبرک خاندان دو حصّوں میں تقسیم ہوا۔ ایک بھائی کو جھنڈا ملا اور دوسرے بھائی کو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دستارِ مبارک (پگڑی) جس کی نسبت سے یہ سلسلہ پگارا (یعنی پگ وارا) مشہور ہوا اور دوسرے بھائی کا سلسلہ جھنڈے کی نسبت سے جھنڈے وارا کہلایا، موجودہ گدّی نشین شاہ مردان شاہ سید سکندر علی شاہ صاحب پیر صاحب پاگارا ہفتم مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۲۸ء کو "پیر جو گوٹھ" میں پیدا ہوئے اور قیام پاکستان کے بعد خان لیاقت علی خان کے عہدِ حکومت میں جب یہ گدی بحال کی گئی تو آپ پیر صاحب پاگارا ہفتم کی

---

[1] یہی وہ ریگستان ہے جو مشرق میں ہندوستان کے "شہر آگرہ" سے مغرب میں دریائے سندھ تک اور شمال میں "بیکانیر" اور "بہاولپور" سے جنوب میں ہندوستان کے "شہر مارواڑ" تک محیط ہے۔ انگریز اسے "گریٹ انڈیا ڈیزرٹ" کہتے تھے۔ (مؤلف)

[2] شاہباز ولایت قبلہ عالم سید محمد راشد عرف روضے دھنی علیہ الرحمۃ کی ولادت سال ۱۷۵۱ء مطابق ۱۱۷۰ھ ماہ رمضان المبارک میں ہوئی اور آپ کی وفات سن ۱۸۱۴ء مطابق ۱۲۳۳ھ، ۷ شعبان کو ہوئی۔

حیثیت سے ۲۳ برس کی عمر میں مورخہ ۴ فروری ۱۹۵۲ء کو گدّی نشین ہوئے۔

سندھ کے مشہور لیڈر قاضی محمد اکبر صاحب اپنے مضمون میں لکھتے ہیں

"حضرت پیر صبغۃ اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ انگریزی اقتدار کے سخت دشمن تھے، آپ نے راہِ حق میں جہاد اور غلبۂ کفر کو مٹانے کی خاطر حرّیت پسندوں کی ایک عظیم الشان جماعت مجاہدین کی تشکیل فرمائی اس جماعت کا نام "حُر جماعت" مقرر فرمایا۔ اس کیلئے اپنے امیر یا پیر صاحب کے حکم پر اپنی جان اور مال قربان کردینا ان کا بنیادی اُصول ٹھہرا "حُر، جماعت" میں دو۲ حصّے تھے ایک سالم دوسرے فرقی۔ فرقی حصّہ خود کو الگ اور مخصوص رکھتا تھا، یہ گویا پیر صاحب کے فدائی تھے۔

پیر صبغۃ اللہ شاہ اول ایک تقدس مآب بزرگ اور ہمہ صفت موصوف تھے۔ انگریز ہمیشہ ان کو اور ان کی حُر جماعت کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے رہے، حکومتِ برطانیہ نے اس جماعت پر بلاوجہ سختیاں کرنی شروع کردیں۔ اس صورت حال نے حُروں کو انگریزوں کے خلاف جنگ پر مجبور کردیا۔

انگریزوں کے خلاف ۱۸۹۱ء میں حُروں نے پہلی بغاوت کی۔ ایک حُر "بچو بادشاہ" نے اپنے ساتھی پیرو کے ساتھ مل کر باغی آزاد حکومت قائم کی جو بارہ برس تک قائم رہی۔ اس جنگ کے دوران انگریز حُروں پر ناقابل بیان مظالم ڈھاتے رہے۔ ہزاروں کی تعداد میں حُر گرفتار کر کے جیلوں میں بند کئے گئے اور مقدّمات چلائے بغیر ان کو ناکردہ گناہوں کی سزائیں دی گئیں۔ سینکڑوں حُروں کو پھانسی دے دی گئی۔ انگریز کی ان ظالمانہ کاروائیوں کے نتیجہ میں حُروں میں انگریز کے خلاف نفرت انتہا کو پہنچ گئی اور حُروں کی تحریکِ آزادی میں شدّت واقع ہوتی چلی گئی۔ حکومتِ برطانیہ نے حروں کی زمینیں ضبط کرلیں۔ حیلوں بہانوں سے ان پر جرمانے عائد کئے جانے لگے اور جب جیلوں میں گنجائش نہ رہی تو خاردار

تاروں کی باڑھ لگا کر لوڑھے قائم کیے گئے اور ان لوڑھوں میں لاتعداد حرُوں کو قید کر دیا گیا۔

حرُوں کے دوسرے پیر حضرت صبغتہ اللہ شاہ دوم کے مسند نشین ہونے پر صُورتِ حال اور زیادہ سنگین ہوگئی، انگریزوں نے پیر صاحب کو گرفتار کر کے ان پر مقدّمہ قائم کر دیا۔ اس مقدّمہ میں قائدِ اعظم محمد علی جناح جو اس وقت بیرسٹر جناح کے نام سے مشہور تھے، پیر پگاڑو صاحب کے مقدّمہ کی پیروی کرنے آئے۔ انگریز پیر صاحب موصوف کو سزائے موت نہ دے سکا، تاہم کمال دھاندلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے آٹھ سال قید بامشقت کا فیصلہ سنا دیا۔ اس سزائے قید کے دوران پیر پگاڑو صاحب کو سندھ اور حرُوں سے دُور رکھنے کے لئے برِّصغیر کی کئی جیلوں میں منتقل کیا جاتا رہا، رتنا گری جیل، پونا سینٹرل جیل، اور دوسرے مقامات پر جہاں ان کی ملاقاتیں ہندوستان کے مسلمان ہندو اور سکھ فرقوں کے ان نظر بندوں سے ہوئیں جو آزادی کی جدّوجہد کے مقدّس گناہ میں محبوس تھے۔ ان ملاقاتوں کا اثر یہ ہوا کہ پیر صاحب انگریزی اقتدار کے اور بھی زیادہ کٹّر مخالف ہوگئے، جنگ عظیم دوم کے تقریباً ایک سال قبل آپ رہا ہوئے اور ایک سال بعد جنگ شروع ہوتے ہی انہوں نے انگریزوں کے خلاف سندھ میں محاذ کھول دیا۔

یہ وہ وقت تھا جبکہ جرمنی کے ہٹلر اور جاپان کے جنرل ٹوجو نے انگریزوں پر جانکنی کا عالم طاری کر رکھا تھا۔ جنرل رومیل کی سرکردگی میں جرمن فوجیں نہر سوئز کے علاقہ میں اور جاپانی کلکتہ کے گردو نواح تک بڑھ آئے تھے، اس عالم میں انگریز اندرونی طور پر کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھا، چنانچہ یک دم سندھ کے بیس ہزار مربع میل کے علاقہ میں مارشل لاء نافذ کر دیا گیا۔ دریائے سندھ کے بائیں کنارے پر رات کو ریلیں چلنا بند ہوگئیں۔ تیس ہزار گورا مسلّح

فوج ٹینک اور ہوائی جہازوں سے لیس سندھ میں تعینات کی گئی مگر حُر ان عسکری انتظامات سے ذرہ بھر متاثّر نہ ہوئے اور انہوں نے اپنی انقلابی جنگی کاروائیاں جاری رکھیں۔

تاریخِ آزادی اور انگریز کے خلاف بغاوت کا یہ وہ باب ہے جس کی مثال ہندو پاک کا کوئی صُوبہ پیش نہیں کرسکتا، ہندو جیسی دولت مند اور بااختیار قوم جب عدم تشدّد کی بنیاد پر محض سیاسی جنگ لڑنے پر مجبور تھی، اس وقت حُر سندھ میں انگریز کے خلاف مسلّح جنگ میں مصروف تھے۔

انگریزوں نے پیر صاحب کے گاؤں اور ان کے مکان واقع سانگھڑ میں بمباری کی۔ حرُ باغیوں اور ان کے ٹھکانوں پر بمباری کے لئے خاص طور پر پٹیارو کا ہوائی اڈہ کام میں لایا گیا، اکثر علاقوں میں شام سے صبح تک کسی کے نظر آتے ہی گولی مار دینا عام بات تھی۔ سنگ و آہن کی بارش میں آگ اور خون کا یہ کھیل کئی برس تک جاری رہا۔

اس دوران میں پیر صاحب پگاڑو کو گرفتار کرلیا گیا۔ ان کے دو کم سن صاحبزادوں[1] کو جلاوطن کردیا گیا حرُوں سے جیلیں بھرتی رہیں۔ ساری ساری رات حرُوں کو پھانسیاں دی جانے لگیں۔ انگریزوں کی اس بغاوت سے اس قدر پاگل ہوچکا تھا کہ اپنی روایتی قانون دانی اور انصاف پسندی بھی بھُلا بیٹھا۔ خفیہ طور پر پیر صاحب پگاڑا پر مقدّمہ چلایا گیا، اور نامعلوم مقام پر لے جاکر انہیں شہید کردیا گیا۔ اس انقلابی رہنما کی شہادت کے بعد لاکھوں حرُوں پر عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا، انگریزی حکومت کا یہ ظلم و ستم قیامِ پاکستان تک مسلسل جاری رہا۔
مختصر یہ کہ حُر قوم اور ان کی جدّوجہد آزادی، تاریخِ اسلام کا ایک ایسا سنہرا باب

---

[1] اس وقت حضرت صاحبزادہ سید سکندر علی شاہ صاحب کی عمر تیرہ سال اور حضرت صاحبزادہ نادر علی شاہ صاحب کی عمر گیارہ سال تھی۔ (مؤلف)

ہے، جس پر پُوری مِلّتِ اسلامیہ فخر و ناز کر سکتی ہے، اور کوئی غیر مُسلم قوم اس خون آشام جدوجہد کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں نے پیر پگاڑو کو اپنی چشمِ گنہگار سے دیکھا ہے۔ آپ انسانی حسُن و خوبی کا ایک نادر نمونہ تھے، نیز رُوحانی عظمت نے ان کے چہرہ پر َبلا کا نُور اور جلال بکھیر دیا تھا، کوئی شخص خواہ کس قدر بھی مضبوط دل رکھتا ہو، ان سے آنکھیں ملانے کی تاب نہ لاسکتا تھا۔ بڑے بڑے انگریز، سر اور خان بہادر اس مجاہدِ اعظم کے سامنے جاتے تو یکبارگی لرز جاتے تھے، لیکن یہ کس قدر شرمناک حقیقت ہے کہ اس عظیم انقلابی مجاہد کے خلاف جھوٹا مقدمہ گھڑنے والے اور شہادتیں دینے والے بیگانے نہ تھے، خود اپنے ہی تھے، اس طرح اپنوں کی غدّاری کی روایت یہاں بھی قائم رہی۔ تاہم انگریز حُر جماعت کو کچل نہ سکا، اور نہ اس کا شیرازہ منتشر کر سکا۔

حُر مجاہدین کی تحریکِ آزادی کے دوران ایک ہولناک واقعہ بھی رونما ہوا کہ حُر مجاہدین انگریزوں کے حامی وزیراعلیٰ سر اللہ بخش اور ان کے وزیر مال نچل داس کو ہلاک کرنا چاہتے تھے اس مقصد کے لئے میل ٹرین کو اُلٹ کر حادثہ سے دوچار کیا گیا، مگر یہ دونوں بچ گئے اور ان کے دھوکے میں دوسرے مارے گئے۔ سر اللہ بخش اور نچل داس اس گاڑی میں کراچی کینٹ سے سوار ہوئے۔ اس اطلاع کے ملتے ہی حُر مجاہدین نے اس گاڑی کو حیدرآباد سے پینتالیس میل دور اڈیرو لعل اور ٹنڈو آدم کے درمیان روک کر انہیں ہلاک کرنے کا پروگرام بنایا۔ پروگرام کے عین مطابق گوریلا جنگ کے ماہر حُروں نے اس کے فرسٹ کلاس ڈبے اچانک پٹری سے اتارنے کا بندوبست کیا، اور ایسا ہی ہوا کہ اعلیٰ کلاسوں کی بوگیاں مقررہ مقام پر اُلٹ گئیں۔ گاڑی سترّ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہی تھی، کراچی کا ایک انقلابی نوجوان "مستی خان" اپنے

ہمراہیوں سمیت اسی گاڑی میں موجود تھا، ان لوگوں نے رات کی تاریکی میں اس حادثہ کے بعد انگریزوں کے پٹھوؤں کو قتل کرنا شروع کیا، نچل داس وزیرانی ایک الٹی ہوئی بوگی کے پاخانے میں چھُپ گیا۔ البتہ ایک بے گناہ نوجوان منوّر حسین مارا گیا یہ غلام حسین ہدایت اللہ کا بیٹا تھا جو اس گاڑی میں سفر کررہا تھا۔

اللہ بخش سومرو کے بچ جانے کا سبب یہ ہوا کہ حیدرآباد اسٹیشن پر ان کے چند دوست ان سے ملنے آئے اور طے پایا کہ وہ ایک رات حیدرآباد میں قیام کریں۔ "سر اللہ بخش" بغیر پروگرام کے، اچانک حیدرآباد اُتر گئے، اور اس طرح وہ قتل ہونے سے بچ گئے، اس حادثہ کے بعد حرُوں کے خلاف انگریز کے ظلم و ستم میں بے پناہ اضافہ ہوگیا اور یہ سلسلہ انگریزوں کے یہاں سے رخصت ہوجانے تک قائم رہا۔

طلوعِ آزادی کے کئی برس قبل پیر صاحب پگاڑا کی "مسند" مستقل طور پر ختم کردی گئی تھی، ان کے دونوں صاحبزادے پیر سکندر علی شاہ اور پیر نادر علی شاہ کمسن تھے جنہیں تعلیم کے بہانے لندن روانہ کردیا گیا تھا، پیر صاحب کی قیام گاہ کنگری کوٹ پر اس قدر شدید بمباری کی گئی کہ وہاں صرف ملبہ کا ڈھیر نظر آتا تھا۔ صعوبتوں کی اس بے پناہ یورش میں بھی جب جگر دار حرُوں کے پائے ثبات کو جنبش نہ ہوئی تو انگریزوں نے کمال مکاری و سازش کے ذریعہ پیر پگاڑو کی گدی پر اپنے ڈھب کے آلہ کار اور فرماں بردار قسم کے کسی فرد کو متمکن کرنے کی کوشش کی۔ [۱]

---

[۱] موجودہ گدی نشین شاہ مردان سید سکندر علی شاہ صاحب پگاڑا ہفتم ارشاد فرماتے ہیں کہ انگریزی حکومت نے تمام تر فوجی آپریشن کے باوجود جب عوام میں ہمارے خاندان سے عقیدت میں کوئی کمی نہ دیکھی تو اپنے ہاتھوں میں کھیلنے والا پیر بنانے کی کوشش کی، لیکن وہ اس میں بری طرح ناکام ہوئے ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ حروں کو اپنے قبضے میں لے لیں گے، وہ

(باقی فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھئے)

اس وقت حیدر آباد کے کلکٹر سردار بہادر محمد بخش تھے، ان کے سُپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ انگریز سے تعاون کرنے والے سجّادہ نشین کو مقرر کرنے کی کوشش کریں اور حرُوں کے خلیفہ صاحبان اور سرکردہ افراد کی کانفرنس بُلاکر اس کی توثیق حاصل کریں۔ مقتدر حرُ رہنماؤں کی کانفرنس بھی بلائی گئی۔ لیکن اس شیر دل جماعت کے ہر رُکن نے بہ یک زبان اس گھناؤنی تجویز کو نفرت کے ساتھ ٹھکرادیا اور صاف الفاظ میں کہہ دیا کہ پیر پگاڑو کا جانشین ان کا جائز وارث ہی ہوگا، اور وہ جائز وارث ان کے بڑے صاحبزادے ہی ہوسکتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی فرد کو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔

قیامِ پاکستان کے چند برس بعد خان لیاقت علی خان کی وزارتِ عظمیٰ کے عہد میں یہ گدی پھر آباد ہوگئی اور جناب پیر سکندر علی شاہ صاحب اس پر فائز ہوئے جن کا لقب شاہ مردان ثانی ہے، آپ کی گدی نشینی کی تقریب سندھ کے حُروں اور عام مسلمانوں نے بڑی شان و شوکت کے ساتھ منائی، اور دستار بندی کی رسم ادا کی گئی اور اس کے ساتھ ہی انگریزی حکومت کے قائم کردہ لوڑھوں کو ختم کرکے تمام حُروں کو آزاد کردیا گیا۔

(بقیہ فٹ نوٹ صفحہ گذشتہ)

پیر علی محمد راشدی تھے جو چوتھی پشت میں ہمارے خاندان میں آملتے ہیں، انگریزوں نے پیر صاحب شہید کے خلاف مقدمے میں بھی ان سے بہت کام لیا تھا انہیں انگلش سرکار نے سرکاری گواہوں کے بیانات تیار کرنے اور گواہوں کو تربیت دینے پر لگایا تھا پیر علی محمد راشدی گواہوں کے بیانات پہلے خود سنتے پھر انہیں فائنل پرفارمنس کے لئے عدالت میں بھیج دیتے ہمارے والد صاحب کے وکیل نے ہمیں ان تمام واقعات سے آگاہ کیا کہ کیسے پیر علی محمد راشدی نے انگریزوں کے منشاء کے مطابق گواہیاں بھگتائیں، انگریز اس خدمت کا صلہ انہیں پیر پگاڑا کی گدی بخشش کردینا چاہتا تھا اور علی محمد راشدی کی بھی یہی خواہش تھی، لیکن انہیں اور ان کے آقاؤں کو جلد ہی معلوم ہوگیا کہ ایسا کیا گیا تو انہیں پھر ایک نئے طوفان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ (ہفت روزہ "لیل و نہار" لاہور ۱۳ مئی ۱۹۷۳ء)

انگریزی حکومت نے حُر مجاہدین کو کچلنے اور ان کے جذبۂ حریّت کو ختم کرنے کی خاطر سارے جتن کر لئے مگر انگریز ناقابلِ بیان مظالم توڑنے کے باوجود اپنے مقصد میں بُری طرح ناکام رہا۔ حُر مجاہدین کے جوشِ شجاعت میں ذرّہ بھر کمی واقع نہ ہوئی، اور نہ ہی ان کا جذبۂ جہاد سَرد ہوسکا۔ اس کا ثبوت پُورے بیس برس بعد ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کی ہولناکیوں میں حُر مجاہدین کے عظیم الشّان کارناموں سے ملتا ہے۔ سندھ کے ان مجاہدین نے راجستھان سیکٹر میں بھارتی ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کے منہ راجہ پورس کے ہاتھیوں کی طرح پھیر دیئے اور نہ صرف تین سو پچاس میل طویل سندھ راجستھان سرحد پر اپنے وطن پاکستان کا دفاع کیا بلکہ دشمن کو روندتے ہوئے سینکڑوں میل تک بھارتی علاقوں میں جا گھسے اور بھارت کے اہم مقامات پر پاکستان کے پرچم لہرا دیئے تھے۔

(اقتباس بہ تصرف قلیل جنگ، کراچی ۲۳ اپریل ۱۹۶۸ء)

حضرت قبلہ شاہ مردان شاہ پیر صاحب پگاڑا تحریکِ آزادی کے متعلق فرماتے ہیں

ہم ان دنوں چھوٹے بچّے تھے، تاہم ہمیں کچھ نہ کچھ سوجھ بوجھ حاصل تھی، اسی بناء پر ہمارا اندازہ تھا کہ کوئی نہایت اہم بات ہورہی ہے۔ آج سے بتیس تینتیس برس پیشتر بچّے آج کی طرح بڑوں کی مجلس میں نہ بیٹھتے تھے، اور نہ گفتگو میں شریک ہوتے تھے، اس لئے براہِ راست تو کچھ علم نہیں، البتّہ اس وقت کے مشاہدات کو یاد کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ تحریک بالکل ابتدائی درجے میں تھی۔ کچھ لوگ مسلح جدوجہد کی تربیّت حاصل کر رہے تھے لیکن اس وقت تک نہ تحریک کا کوئی ہیڈ کوارٹر طے ہوا تھا، اور نہ طریقۂ کار کا فیصلہ ہوا تھا، کوئی باقاعدہ کمانڈ بھی نہیں بنائی گئی تھی اور نہ جدوجہد کے لئے مقام اور وقت کا تعین ہوا تھا، اور شاید ابھی کوئی باقاعدہ تنظیم بھی نہیں بنی تھی۔

بہر حال ہمیں اپنے بھائی ، والد ، اور گھر کے دوسرے افراد سمیت حراست میں لے لیا گیا ، پیر گوٹھ سے کراچی لایا گیا ، ہمیں اس وقت بندر روڈ کے ایک بنگلے میں زبردست پہرے میں نظر بند کر دیا گیا۔ کسی کو ہم سے ملنے کی اجازت نہ تھی ، ہمارے ساتھ ہمارے چار پانچ ملازم تھے ، انہیں بھی باہر جانے یا کسی سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی یعنی وہ بھی ہمارے ساتھ ہماری طرح قید تھے ۔ یہ بنگلہ ماما پارسی اسکول کے پاس ہے ، اس وقت یہ ٹنڈو باگو کے میر خدا بخش تالپور کی ملکیت تھا آج کل اسی بنگلے میں ڈاکٹر مس صدیقی کا کلینک ہے ۔ ہمارے پاس دو مرد ملازم تھے۔ ہم نے ان میں سے ایک کو جانے کے لئے مجبور کیا ، اور اسے بمشکل راضی کیا۔ حقیقتاً ہمارے لئے یہ نہایت مشکل کا دَور تھا نظر بندی کے سوا اور بہت سی تکالیف تھیں ہمیں کسی قسم کی طبّی امداد بھی نہ دی جاتی تھی ہم اپنے بے قصور ملازمین کو اس مُصیبت میں نہیں دیکھنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے ہمارے ساتھ رہنے کو ترجیح دی ۔

انہی دنوں ہمارے والد پیر صاحب شہید پر حیدر آباد میں بند کمرے میں خصوصی مارشل لاء عدالت میں مقدّمہ چلا اور انگریز نے انہیں شہید کرنے کا فیصلہ کیا ۔ ہم ذہنی طور پر بہت پہلے سے اس کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ ہم جانتے تھے کہ انگریز آزادی کے اس مجاہد کو اس سے کیا کم سزا دے گا ۔ تمام تر پابندیوں کے باوجود ہمیں کئی باتیں معلوم ہوتی رہیں ۔ ہمارے پہرے پر مقرر سپاہیوں میں سے کئی ایک کو ہم سے اور اس مقصد سے جس مقصد کے لئے ہمارا خاندان قربانیاں پیش کر رہا تھا ، ہمدردی تھی ، وہ ہمیں حالات سے آگاہ کرتے رہتے تھے ۔

شہادت کے کچھ عرصہ بعد ۱۹۴۳ء کے اواخر یا ۱۹۴۴ء کے اوائل میں ہمیں تعلیم کے لئے علی گڑھ لے جایا گیا ۔ اس کی صُورت یہ تھی کہ ہمیں اور ہمارے

چھوٹے بھائی "نادر شاہ" کو شام کے جھٹپٹے میں برقع اوڑھا کر اور ریلوے اسٹیشن لایا گیا اور گاڑی میں تمام راستہ کھڑکیاں اور دروازے بند تھے اور ہم پر پولیس کا بھاری پہرہ تھا، دہلی کے قریب جاکر کھڑکیاں کھولی گئیں اور ہم نے برسوں کے بعد کھلی فضاء کو دیکھا۔یہ تمام کاروائی پولیس کے ایک افسر مسٹر محمود حسین کی نگرانی میں ہوئی، اور وہ تمام وقت ہمارے ساتھ رہے، یہ وہی محمود حسین صاحب ہیں جو بعد میں اسسٹنٹ انسپکٹر جنرل سی آئی ڈی ریٹائر ہوئے۔

نظر بندی کے دوران ہماری درخواست پر برطانوی حکومت کے پراسیکیوٹنگ انسپکٹر صدر الدین جونیجو قرآن پاک پڑھاتے اور سنتے۔علی گڑھ میں ہمارے لئے کوئی خصوصی انتظام نہ تھا، جون ۱۹۴۶ء میں سمندری جہاز کے ذریعے مجھے اور نادر شاہ کو لیورپول پہنچایا گیا جہاں سے کسی پبلک اسکول میں داخل کرنے کے بجائے ایک سابق فوجی میجر سٹی ڈیوس کے پرائیویٹ اسکول میں داخل کرایا گیا۔یہ اسکول "ہیرو" کے قریب "پنڑ" نامی گاؤں میں تھا۔یہ گاؤں عام راستے سے ہٹ کر تھا، وہاں سیاحوں کے لئے بھی دلچسپی کی کوئی چیز نہ تھی، اس لئے وہاں متعلقہ افراد کے علاوہ کسی کا گذر نہ ہوتا تھا، اس پر مزید ایک سابق فوجی کی نگرانی۔ ہم نہیں جانتے کہ ہمیں وہاں کیوں زیرِ تعلیم رکھا گیا، البتہ یہ سب کچھ برطانیہ میں برِّصغیر کے امور کے محکمے انڈیا ہاؤس کا انتظام تھا، ہمیں صرف اتنا بتایا گیا تھا کہ ہماری عمر پبلک اسکول کے لئے زیادہ ہے، اس لئے یہاں رکھا جارہا ہے۔ میجر ڈیوس کے اسکول میں طالب علموں کی تعداد کبھی بارہ تیرہ سے زیادہ نہ رہی اور اس میں سب غیر ملکی تھے، ہمارے وہاں قیام کے دوران رہوڈیشیا، تھائی لینڈ، عراق، ایران، آئس لینڈ، اور حبشہ (ایتھوپیا) کے طلبہ وہاں مقیم تھے۔یہ تمام طالب علم ان ممالک کے نمایاں لیکن غالباً باغی خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ وہاں ایسی فضاء تھی کہ کوئی بھی اپنے خاندان یا

ملک کے بارے میں بات نہ کرتا تھا، ان میں حبشہ کے ایک مسٹر "زوڈمی" بھی تھے جو ہمارے کچھ قریب آئے، "زوڈمی" حبشہ کے بادشاہ ہیل سلاسی کے قریبی رشتہ دار تھے۔مضامین کا انتخاب بھی ہماری مرضی پر نہ تھا ہمیں جس امتحانی کورس کے لئے تیاری کروائی جارہی تھی اس میں عیسائیت کا ایک مضمون (DIVINITY) بھی تھا۔ میں اس کے ساتھ لاطینی پڑھتا تھا، چھوٹے بھائی نادر شاہ کو فرانسیسی پڑھائی جاتی تھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد بھی کچھ عرصہ یہ سلسلہ چلتا رہا، حتیٰ کہ یہ پاکستان گورنمنٹ کے نوٹس میں آیا۔حکومت پاکستان کو اس جانب متوجہ کرنے والے "ڈاکٹر رحمان" تھے جو سی پی (مدھیہ پردیش) کے مہاجر تھے۔ پاکستانی ہائی کمشنر نے اس کا سختی سے نوٹس لیا، اور ہمیں عیسائیت والے کورس کے بجائے دوسرا کورس دیا گیا۔

ہم انگلستان ہی میں زیرِ تعلیم تھے کہ ۱۹۴۹ء میں پاکستان کے پہلے وزیراعظم نوابزادہ لیاقت علی خان "لندن" دورے پر آئے۔ انہوں نے مجھے اور چھوٹے بھائی نادر شاہ کو اپنی قیام گاہ کلیرجز ہوٹل میں بُلایا، اور تحریکِ آزادی میں ہماری خاندانی جدّوجہد کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے بتایا کہ حکومت پاکستان ہماری گدی کی بحالی اپنا قومی فرض خیال کرتی ہے۔ انہوں نے اپنی زبان سے یہ فیصلہ سنایا تھا اور یہ بات ہمارے لئے قابلِ فخر ہے۔ گدی کی احیاء کا فیصلہ تو ۱۹۴۹ء میں کرلیا گیا تھا لیکن اس پر عمل درآمد ۱۹۵۲ء میں ہوا، اس تاخیر کا باعث یہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے وہی مہربان جو پیر صاحب شہید کے زمانے میں انگریزوں کے دستِ راست اور آج مسٹر بھٹو کے خصوصی مشیر ہیں ہماری وطن میں آمد سے پریشان ہوں اور ان دونوں ایوان اقتدار میں انہیں جو رسائی حاصل تھی اسے خود اپنی کھال بچانے کے لئے استعمال کررہے ہوں۔ وطن واپسی اور گدی کی بحالی کے بعد حکومتِ پاکستان نے جو کچھ ہمارے حوالے

کیا، اس میں تاریخی نوادرات اور مقدس آثارات میں سے کچھ بھی نہ تھا، حیدرآباد کی "آرموری" میں محفوظ کچھ فوٹو اور لیجر ہمیں دیئے گئے، انہی لیجروں میں کہیں ہماری وہ خاندانی مہر تھی، جو آج ہمارے پاس محفوظ، واحد مقدّس اور تاریخی ورثہ ہے، ہمیں یقین ہے کہ یہ مہر انگریزوں کی نظر میں نہیں آئی تھی۔ اس لئے بچ نکلی ورنہ ہمارے تمام تاریخی اور خاندانی اثاثے حتیٰ کہ گھریلو زیورات تک حیدرآباد میں نیلام کردیئے گئے تھے، ان میں ہماری خاندانی لائبریری بھی تھی جس میں بیش قیمت قلمی نسخے بھی تھے، پیر صاحب شہید کی نجی ملکیت میں آنے والی ہر چیز ضبط کرلی گئی تھی۔

حکومت پاکستان نے جب ہماری دستار بندی کی اجازت دی تو ہم سے یہ تحریر لی گئی کہ ہم اپنے خاندان کے اثاثوں اور نقدی میں سے کسی چیز کا دعویٰ نہیں کریں گے، اور نہ ہی اس کا حساب طلب کریں گے۔ اس سے پیشتر ۱۹۴۶ء میں برطانوی حکومت نے ہمارے خاندان کو کچھ جائیداد اور معمولی سی کچھ نقدی دی تھی، اور باقی جائیداد کا ٹرسٹ بنادیا تھا۔ پیر صاحب شہید نے تحریکِ آزادی کی خاطر بہت سی دولت جمع کررکھی تھی، اور اسے مختلف مقامات پر دیگوں میں ڈال کر زمین میں دفن کررکھا تھا۔ ایسی ہی ایک دیگ انگریزوں نے پیر گوٹھ میں دریافت کی تھی۔ وطن واپسی پر سکھر کے ڈپٹی کمشنر نے ہمیں ایک دیگ دکھائی جس پر یہ پلیٹ لگی ہوئی تھی کہ اس دیگ سے لامحدود قسم کے جواہرات برآمد ہوئے تھے یہ سب دولت انگریز نے کیا کی اور کہاں گئی یہ ایک دلچسپ کہانی ثابت ہوسکتی ہے اور اس طرح پیر صاحب شہید کی تحریک کے بارے میں بھی کئی معلومات منظر عام پر آسکتی ہیں۔

اس سوال کی وضاحت فرماتے ہوئے کہ آپ نے وطن واپس آکر خود ماضی کی اس عظیم تاریخ کو منضبط کرنے کی کوشش کیوں نہ کی؟ پیر صاحب پگاڑہ

نے فرمایا! میری رائے ہے کہ ہمیں آگے کی طرف دیکھنا چاہیئے، جو آج مستقبل ہے کل ماضی بن کر تاریخ کا حصّہ بن جائے گا، اس لئے ماضی کی دلکشی میں کھونے کے بجائے مستقبل کی فکر کرنی چاہیئے، اگر آج آپ نے اچھے مستقبل کی بنیاد ڈال دی، تو کل مستقبل اچھا ماضی بن جائے گا۔ مستقبل پر ماضی کو ترجیح نہیں دی جاسکتی، ایک تو یہ بات تھی کہ میں مستقبل کی طرف دیکھنے کا عادی ہوں، اس لئے آکر ماضی کی جستجو نہ کی۔

دوسرے یہ تھا کہ جو لوگ پیر صاحب شہید اور ان کے ساتھیوں کے خلاف انگریزوں کا آلۂ کار بنے تھے، وہ ہماری واپسی سے انتہائی خوفزدہ تھے، وہ ہر جگہ اس خوف کا اظہار کرتے تھے کہ ہماری واپسی ان کے لئے موت کا پیغام ہوگی، اور حُر ان تمام لوگوں سے چُن چُن کر بدلہ لیں گے، جنہوں نے انگریزوں سے تعاون کیا تھا، اس لئے وطن پہنچ کر ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ جب ہم ان بزدلوں اور بے ضمیروں کو انتقام کے قابل ہی نہیں سمجھتے تو ان کا خوف دُور کرنے کے لئے کم از کم ہم خود پیر صاحب شہید کی تحریک کے حالات معلوم کرنے کی کوشش نہیں کریں گے، اور یہی ہم نے کیا۔ سوائے ان واقعات کے جو از خود لوگوں نے ہمیں آکر بتائے، کئی برس پیشتر مولانا غلام رسول مہر ہمارے پاس آئے تھے، وہ اس تحریک پر کچھ لکھنا چاہتے تھے، جتنا مواد ادھر ادھر سے مل سکتا تھا، وہ ہم نے مولانا غلام رسول مہر کو دلوادیا تھا، ہمیں معلوم نہیں کہ انہوں نے اسے اپنے تحقیقاتی کام میں کہاں تک مفید پایا۔ (ہفت روزہ ’لیل و نہار‘ لاہور ۱۳ مئی ۱۹۷۳ء)

کھسیانی بِلّی کھمبا نوچے

ابن الوقت وہابی جب اپنے پیشواؤں کو ملکی و مِلّی خدمات سے تہی دامن پاتے ہیں تو اپنی خفّت مٹانے کو مشاہیر مشائخ و علمائے اہلسنّت میں سے کسی کے ساتھ

ان کا کوئی نہ کوئی تعلق جوڑنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں، طرح طرح کے افسانے تراش کر مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے فلاں پیشوا کا رابطہ فلاں بزرگ سے تھا لہٰذا ہمیں بھی لہو لگا کر شہیدوں میں مل جانے کا حق حاصل ہے، پھر خواہ تاریخی واقعات ان کے دعوؤں کی صریحاً تکذیب کرتے ہوں یا واقفانِ حال ناقابلِ تردید دلائل سے ان کے افسانوں کو جھوٹا بھی ثابت کردیں یہ لوگ اپنی رَٹ لگاتے چلے جائیں گے۔

وہابی صاحبان سید احمد بریلوی اور اسمٰعیل دہلوی کی نام نہاد تحریک جہاد کو صحیح و درست ثابت کرنے کی ناکام کوشش میں ان کی پیر گوٹھ میں آمد اور حضرت پیر سید صبغتہ اللہ شاہ اوّل خلف الرشید قبلہ سیّد محمدؒ راشد پیر صاحب روضے دھنی (علیہما الرحمۃ) مورث اعلیٰ خاندان راشدیہ سے ان کی ملاقات کا بڑا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور اس سے یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے پیشواؤں کی یہ شان ہے کہ حضرت پیر صاحب پگاڑا جیسی عظیم شخصیت نے بھی ان کی خاطر مدارت کی اور کئی روز تک ان کی مہمان نوازی فرمائی۔ اتنی سی بات کا بتنگڑ بناکر اب یہاں تک کہنے لگے ہیں کہ حضرت پیر صاحب موصوف (معاذ اللہ) ان کی تحریک وہابیت کے حامی اور مدد گار تھے۔

حالانکہ حقیقت صرف اس قدر ہے، کہ سیّد احمد رائے بریلوی اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ مسافروں کی حیثیت میں آئے اور حضرت پیر صاحب موصوف نے اپنی اعلیٰ خاندانی روایات کے تحت ان کی مسافر نوازی فرمائی، ان کی مومنانہ صورتیں دیکھ کر انہیں دیندار سمجھتے ہوئے اعلیٰ اخلاق سے پیش آئے تو یہ صرف قبلہ پیر صاحب موصوف کی بلند ہمّتی' اعلیٰ ظرفی اور آپ کے اخلاق کریمانہ کا اظہار تھا، مگر اس سے یہ کیوں کر ثابت ہوا، کہ پیر صاحب موصوف ان کی نام نہاد تحریکِ جہاد کے حامی و موید تھے؟ آیا کوئی بھی وہابی یہ ثابت کرسکتا ہے

کہ سید احمد نے حضرت پیر صاحب علیہ الرحمۃ کو اپنے اور اپنی تحریک کے متعلق صاف صاف مندرجہ ذیل باتوں سے مطلع کیا تھا؟

۱۔ میں اپنی محسن و مربی حکومت برطانیہ کا حقیقی خیرخواہ اور وفادار ایجنٹ ہوں۔

۲۔ میں انگریزوں کی مخالفت اور حصول آزادی کے لئے ان سے لڑنا مذہباً حرام سمجھتا ہوں!

۳۔ میں انگریز کے اقتدار کے استحکام کی خاطر بڑی خدمات سرانجام دے چکا ہوں۔

۴۔ میں ابن عبدالوہاب نجدی کے نقش قدم پر چل کر مشرک مسلمانوں کے خلاف جہاد کی تیاری کر رہا ہوں۔

۵۔ ہم کسی کا ملک چھین کر حکومت کرنا نہیں چاہتے، نہ انگریز کا نہ سکھوں کا۔

۶۔ ہم سکھوں کے خلاف جہاد کا نعرہ صرف اس لئے لگاتے ہیں کہ مسلمان ہمیں چندہ دیں، اور نعرہ جہاد کی کشش سے ہماری لڑاکا جماعت میں شامل ہوں۔

۷۔ ہم سرحدی علاقہ میں افغانوں کے تعاون سے یا اُنہیں کچل کر انگریزوں کے زیرِسایہ ریاست وہابیہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔

۸۔ میرے دستِ راست مولوی اسماعیل دہلوی نے ابو الوہابیہ نجدی کی "کتاب التوحید" کا خلاصہ "تقویۃ الایمان" کے نام سے لکھا ہے۔

۹۔ اس کی وہابیانہ حرکات سے "دہلی" اور دیگر شہروں میں شورش بپا ہے مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی ہے۔

۱۰۔ اب ہم برٹش گورنمنٹ کی اجازت، تائید اور حمایت سے مسلمانانِ ہند کا شرک ایران کا رفض، چین کا کفر اور افغانستان کا نفاق مٹا دینے کی خاطر سرحدی علاقہ میں افغانوں سے جہاد کرنے جا رہے ہیں۔

۱۱۔ ہم آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ ان مقاصد کی تکمیل

میں ہماری امداد فرمائیں ، کیا کوئی وہابی یہ ثابت کر سکتا ہے کہ سیّد احمد نے حضرت پیر صاحب پگاڑا کی خدمت میں یہ تمام باتیں عرض کردی تھیں ، اور پیر صاحب پگاڑا نے ان کی یہ رام کہانی سُن کر ان کی تائید و حمایت اور امداد فرمائی تھی ؟ نہیں اور ہرگز نہیں ؟

واضح رہے کہ حضرت پیر صاحب موصوف بفضلہٖ تعالیٰ اہلسنّت و جماعت کے سردار اور ایک عظیم رُوحانی پیشوا تھے ، سلسلۂ رُشد و ہدایت اور حلقۂ ذکر و فکر قائم کئے ہوئے تھے ، ہزاروں لاکھوں مسلمانان اہلسنّت آپ سے فیوض و برکات حاصل کر رہے تھے ، ان کے متعلّق کوئی صحیح الدّماغ شخص سوچ بھی نہیں سکتا کہ وہ ان جیفۂ دُنیا کے طلب گار ابنُ الوقت وہابیوں کی گندی سیاست اور گھناؤنی سازش میں ملوث ہوسکتے ہیں ، اس قدر جلیل القدر پاکباز بزرگ کے سامنے روباہ صفت وہابیوں کی کیا مجال تھی کہ وہ اپنی مذموم سرگرمیوں اور ناپاک عزائم کا اظہار بھی کر سکیں ، بلکہ اگر یہ لوگ شامتِ اعمال سے اس قسم کا کچھ اظہار کر بیٹھتے تو یقیناً دھکّے دے کر نکال دیئے جاتے اور صاف سنا دیا جاتا کہ

برو ایں دام بر شاخ دگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

بات صرف اتنی سی ہے کہ سید احمد اور ان کے ساتھی بگلے بھگت بن کر چند روز عالی مقام پیر صاحب کے ہاں مسافرانہ حیثیت سے قیام پذیر رہے ، پیر صاحب موصوف نے ازراہِ احسان ان کی خاطر مدارت کی اور ممکن ہے کہ ان کی کچھ مالی مدد بھی کردی ہو اور اس طرح مزید لطف و کرم کا مظاہرہ فرمادیا ہو ، تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبلہ پیر صاحب پگاڑا علیہ الرحمۃ نے (معاذ اللہ) ان کی وہابیت کو قبول کرلیا تھا ، اور ان کی ناپاک تحریک میں شامل ہوگئے تھے ۔

لیکن وہابی صاحبان ہیں کہ وہ اتنی سی بات کو اتنا اچھال رہے ہیں ، اور اپنی

حکمتِ عملی کے تحت جھوٹے افسانے تراش کر قبلہ پیر صاحب موصوف پر بہتان لگارہے ہیں۔

وہابیوں کی تقیہ بازی

وہابیہ کے متعلق کون نہیں جانتا کہ انہیں گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے میں کمال حاصل ہے، اور مقصد برآری کے لئے تقیہ بازی ان کا معمول ہے، یہاں تک کہ معمولی سے وقتی فائدہ کی خاطر بھی یہ لوگ بطور تقیہ اپنے مسلک و عقیدہ تک کا انکار کردیتے ہیں، ان کی تقیہ بازی کی یوں تو بے شمار مثالیں دیکھنے اور سننے میں آتی ہیں، تاہم میں خاندان راشدیہ سے متعلق ہی وہابیہ کی تقیہ بازی کا ایک نمونہ پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں، اسی سے سید احمد رائے بریلوی کی قبلہ پیر صبغت اللہ شاہ صاحب اول کے حضور تقیہ بازی کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

چند برس قبل جبکہ شہر سنجھورو (ضلع سانگھڑ) میں دیوبندی مسلک کی مسجد زیر تعمیر تھی، دیوبندی وہابیوں کا ایک وفد حضرت پیر شاہ مردان شاہ صاحب موجودہ پیر صاحب پگاڑا کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اپنی زیر تعمیر مسجد کے لئے مالی امداد کی درخواست پیش کی، بہ مصداق حدیث مبارکہ "اتقوا فراسة المومن فانہ ینظر بنور اللہ" پیر صاحب پگاڑا نے نور فراست سے اراکین وفد کے چہروں پر نظر ڈالتے ہوئے ان سے دریافت کیا کہ "آیا آپ ان لوگوں میں سے ہیں جن کا عیقدہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا علم (نعوذ باللہ) ہر صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم جیسا ہے؟ پیر صاحب موصوف کا ارشاد دیوبندیوں کے مشہور مولوی اشرف علی تھانوی کی اس کفریہ عبارت کی جانب تھا، جو کہ اس نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں لکھی ہے۔

مگر چونکہ اس وقت دیوبندیوں کا مقصد حضرت پیر صاحب سے چندہ وصول کرنا تھا، اس لئے وفد کے اراکین توبہ توبہ پکار اٹھے، اور کہنے لگے نہیں حضرت

ہم ان لوگوں میں سے ہرگز نہیں ہیں، اور ہمارا یہ عقیدہ بھی نہیں، اس پر قبلہ پیر صاحب نے مسکراتے ہوئے مبلغ پانچ ہزار روپے انہیں عطا کئے اور فرمایا سردست یہ رقم لے جاکر تعمیر مسجد میں صَرف کردو، اگر مزید رقم کی ضرورت محسوس ہو تو پھر آکر مجھ سے لے جاسکتے ہو۔

اس وفد کے اراکین ہنوز بقید حیات موجود ہیں، اور انہوں نے خود ہی اس کا ذکر کیا تھا، تو اگر یہی صاحبان یا ان کے بعد وہابی اس واقعہ کی بناء پر یوں کہنے لگے کہ فلاں موقعہ پر پیر صاحب پگاڑا ہفتم سے فلاں فلاں دیوبندی مولویوں نے ملاقات کی تھی اور پیر صاحب نے پانچ ہزار روپیہ سے ان کی مالی امداد فرمائی تھی، لہٰذا پیر صاحب پگاڑا ہفتم مسلک دیوبندیہ کے بزرگ ہیں یا طرح طرح کے افسانے تراشنے لگیں تو کہاں تک صحیح ہوگا، اس واقعہ سے دیوبندی وہابیوں کی ذہنیت کا اندازہ بھی کیا جاسکتا ہے، اور قبلہ پیر صبغۃ اللّٰہ شاہ صاحب اول سے سید احمد وغیرہ کی ملاقات کے متعلق وہابیوں کے پروپیگنڈے کی قلعی بھی کھل جاتی ہے۔

وہابی مولوی اسمٰعیل دہلوی اور پیر محمد صدّیق صاحب (بھرچونڈی) کی ملاقات کا شاخسانہ

نیز وہابیہ نے اپنی مخصوص حکمتِ عملی کے تحت اپنے پیشواؤں سید احمد اور اسماعیل دہلوی اور ان کی تحریک کو چمکانے کی کوشش میں اسی قسم کا ایک دوسرا افسانہ بھی گھڑ رکھا ہے، وہابی کہتے ہیں کہ تحریکِ جہاد کے سلسلہ میں اسماعیل دہلوی نے حضرت پیر حافظ محمد صدّیق صاحب (بانی سلسلہ بھرچونڈی شریف) سے ملاقات کی تھی اور پیر صاحب موصوف نے تحریک سے اتفاق کرتے ہوئے وہابیوں کی حمایت و تائید اور امداد کی تھی۔

وہابیہ کی یہ بات بھی سراسر بے بنیاد اور غلط ہے، اس لئے کہ پیر صاحب

محمد صدیق صاحب کی ولادت ۱۲۳۴ھ میں ہوئی اور اسماعیل دہلوی ۱۲۴۲ھ میں سندھ میں وارد ہوا ، اس وقت پیر صاحب موصوف کی عمر صرف آٹھ سال بنتی ہے ، ناظرین خود ہی اندازہ لگالیں کہ ان کے اس افسانہ کی بھی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے ، بھلا آٹھ سال کا بچہ سیاست کے نشیب و فراز اور جنگی امور میں اسماعیل دہلوی کے ساتھ کونسا صلاح مشورہ کرسکتا تھا اور ان کی نام نہاد تحریکِ جہاد میں کہاں تک معاونت و امداد کرسکتا تھا ، سچ ہے ے

بے حیاباش و ہر چہ خواہی کن

حرفِ آخر

ناظرین کی خدمت میں قومی تاریخ سے متعلق وہابیوں کے کارنامے اور ان کے بالمقابل مشائخ و علمائے اہلِ سنّت و جماعت بریلویہ کی ملکی و ملّی خدمات کا تذکرہ تحقیقی انداز میں پیش کردیا گیا ہے، اس کتاب کا مطالعہ کے بعد منصف مزاج حضرات نہایت آسانی کے ساتھ فیصلہ کرسکتے ہیں کہ ملک و مِلّت کے سچے وفادار خادم اور تحریکِ آزادی کے ہیرو مشائخ و علمائے اہلِ سنّت ہیں یا وہابی مولوی!

اگرچہ مجھے اس امر کا بخوبی احساس ہے کہ تذکرہ مشائخ عظام و علمائے کرام اہلسنت کا باب ہر لحاظ سے نامکمل ہے، اس کی اصل وجہ وسائل کی کمی اور احباب کا عدم تعاون ہے جس کا مجھے بے حد افسوس ہے، تاہم اس کتاب کی اشاعت کے بعد بھی اس سلسلہ میں دلچسپی رکھنے والے احباب نے تعاون فرمایا اور حالات سازگار رہے، تو انشاء اللّٰہ العزیز آئندہ ایڈیشن میں بطور ضمیمہ یا علیٰحدہ تصنیف کی صورت میں تلافیٔ مافات کی کوشش کروں گا۔

جو احباب اس کتاب کے متعلق خامیوں کوتاہیوں اور غلطیوں کی نشان دہی فرمانا اور مفید مشوروں سے نوازنا چاہیں، بلا جھجک خط و کتابت فرمائیں، میں ان کا انتہائی مشکور ہوں گا۔

والسّلام مع الاحترام

الفقیر الی الرحمان، ابو الحسّان حکیم محمد رمضان علی قادری قریشی غفرلہ،

سنجھورو ضلع سانگھڑ، سندھ، پاکستان

مورخہ ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۹۳ ھجری

بمطابق ۳۰ مئی ۱۹۷۳ء

تاریخ وہابیہ کے مصنّف ابوالحسّان قادری کی دیگر تصانیف

تنویر الایمان (حصّہ اول)

یہ عظیم الشان کتاب حضرت قبلہ امام اہل سنت محدّث اعظم مولانا ابوالفضل محمد سردار احمد صاحب قدس سرہُ العزیز فیصل آباد کے حکم سے لکھی گئی۔ آپ کے حکم پر استاذ العلماء حضرت مولانا مختار احمد صاحب صدر مدرس جامعہ قادریہ رضویہ فیصل آباد نے حرف بہ حرف تصیح فرمائی نیز محدث اعظمؒ نے اس کتاب کو ملاحظہ فرماکر کتاب کا نام تجویز فرمایا اور شاندار الفاظ میں تقریظ تحریر فرمائی۔

اس کتاب میں مسئلہ توسل، استمداد۔ ندائے غائبانہ اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے اور منکرین کے اعتراضات کے مکمل جوابات دیئے گئے ہیں۔

صفحات　　　قیمت　　　روپے صرف۔ علاوہ محصول ڈاک

تنویر البرہان

تردید وہابیہ میں یہ کتاب بے مثل ہے۔ اس کی وجہ تالیف یہ ہے کہ وہابیوں نے کچھ رسالے مفت تقسیم کیے تھے، ان میں دس الزامات کے تحت مسلمانان اہلِ سنّت والجماعت کو قطعاً مشرک، کافر اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا گیا ہے۔ مسلمانان اہلِ سنّت نے مولانا ابوالحسّان قادری سے ان فتاویٰ کے بارے میں تحریری طور پر رجوع کیا جس پر مولانا موصوف نے اپنے مخصوص انداز میں ان کے بیہودہ فتوؤں کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں اور ان کے ایک ایک الزام کی محققانہ طور پر مکمل تردید فرماتے ہوئے وہابیہ کے جہلِ مرکب کو طشت ازبام کر کے رکھ دیا۔

صفحات　　　قیمت　　　روپے صرف، علاوہ محصول ڈاک

تنویر المصابیح

بیس رکعات تراویح کا بیس احادیث سے ثبوت

محصول ڈاک کے لئے ٹکٹ بھیج کر مفت منگائیے

ملنے کا پتہ: **شرکتہ قادریہ** سنجھورو۔ ضلع سانگھڑ۔ سندھ (پاکستان)

فہرست مضامین